وَعِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ

RATIONALISM

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللہِ الْاِسْلَامُ

غازی محمود - سوامی دھرم پال - بی - اے - کی سولہ سالہ مذہبی دنیا کی سیر و سیاحت - تحقیقات و واقعات - تجربات و مشاہدات کی آپ بیتی بیان ان کی اپنی زبانی

فُتُوحُ الْفُرْقَان

المعروف بہ

سُلَّمُ الْاِسْلَام

جلد دوم

مصنفہ - غازی محمود - سوامی دھرم پال - بی - اے

ایڈیٹر - "المُسلِم" لودیانہ

قیمت فی جلد

پہلی مرتبہ

نوٹ

فتوح الفرقان یا مُسلّم الی الاسلام کا تمام مضمون "المسلم" کے آٹھ حصوں میں شائع ہوا تھا۔ ہر ایک حصّہ الگ الگ بھی ہے۔ اور اُن ہی چار چار حصّوں کو ملا کر دو جلدوں میں کر دیا گیا ہے۔ الگ الگ حصّے کے خریداروں کی نسبت دونوں جلدوں کو ایک ساتھ خریدنے میں قیمت میں رعایت رہتی ہے۔ مصنف

المسلم کے متعلق

۱۔ "المسلم" ایک ماہواری رسالہ ہے۔ جو لودیانہ سے شائع ہوتا ہے۔ سالانہ قیمت ۹ روپے +

۲۔ "المسلم" کا مقصد اشاعت اسلام ہے۔ اور اس کا موٹو ریشنلزم ہے +

۳۔ "المسلم" میں کوئی پولیٹکل مضمون یا خبر درج نہیں ہو سکتی +

۴۔ "المسلم" کچھ عرصہ تک محض کتابی صورت میں شائع ہوگا +

۵۔ "المسلم" کا مقررہ حجم $\frac{22 \times 18}{8}$ پر ۶۴ صفحہ ہے۔ زاید صفحات کا دینا یا نہ دینا ایڈیٹر کی مرضی پر منحصر ہے +

۶۔ "المسلم" کی سالانہ قیمت پیشگی بذریعہ منی آرڈر۔ یا بذریعہ وی۔پی وصول کیجاتی ہے +

۷۔ "المسلم" کا نمونہ مفت نہیں بھیجا جاتا۔ نمونہ کے لئے ۸ کے ٹکٹ یا وی۔پی کا آرڈر آنا چاہئے +

۸۔ "المسلم" میں دیگر ناظرین کے مضامین کا درج ہونا یا نہ ہونا مضمون کی نوعیت پر منحصر ہے +

۹۔ "المسلم" کا ایڈیٹر کسی مضمون کو واپس کرنے کا وعدہ نہیں کر سکتا۔ بنابریں مضمون نگار کو اپنے مسودہ کی نقل رکھ لینی چاہئے +

۱۰۔ "المسلم" کا پرچہ اگر کسی صاحب کو مہینے کی ۵ تاریخ تک نہ ملے۔ تو اُس کو دفتر "المسلم" سے دریافت کرنا چاہئے کہ آیا پرچہ بھیجا گیا ہے یا نہیں +

خط و کتابت کا پتہ مفصلہ ذیل ہے:۔

غازی محمود دھرم پال۔ بی۔ اے

ایڈیٹر "المسلم" لودیانہ

فہرست مضامین فتوح الفرقان المعروف بہ سلم الاسلام

جلد دوم

RATIONALISM

المسلم

نمبر ۵	نومبر سنہ ۱۹۱۴ء	جلد اوّل

الاسلام

ایڈیٹر - غازی محمود - دھرم پال - بی - اے لودیانہ

سالانہ قیمت ۹؍ ممالک غیر ۲ شلنگ فی کاپی ۲؍

خوش خبری

سوامی دیانندگی "اصل ستیارتھ پرکاش" مطبوعہ بنارس ۱۸۷۵ء کا جو نوٹس "المسلم" کے سرورق کے صفحہ ۳ پر چھپ رہا ہے۔ اس کو پڑھکر "المسلم" کے اکثر اصحاب نے یہ درخواست کی ہے۔ کہ جس طرح اندر کے خریداروں کو یہ کتاب مفت دی جاتی تھی۔ اسی طرح "المسلم" کے خریداروں کو بھی مفت دی جاوے چونکہ یہ کتاب بہت ضخیم ہے۔ اور اس پر محصول ڈاک زیادہ لگتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کا پہلا ایڈیشن قریب الاختتام ہے۔ اس لئے یہ مناسب سمجھا گیا ہے۔ کہ "المسلم" کے جو خریدار اس کتاب کے شائق ہوں۔ اُن سے محصول ڈاک اور منی آرڈر کی فیس وغیرہ ملاکر یہ کتاب بجائے (عـہ) میں وی۔ پی کرنے کے صرف (۱۰) میں وی پی کردی جایا کرے۔ اس نوٹس کے بعد "المسلم" کے جو نئے خریدار ہونگے۔ اگر وہ بھی اس کتاب کو لینا چاہیں۔ تو اُن کے نام "المسلم" کا پرچہ مع اس کتاب کے بجائے چار روپیہ دو آنہ (للعـہ) کے صرف چار روپیہ (للعـہ) میں سال بھر کے لئے وی۔ پی کردیا جائیگا۔ اس طرح نئے خریداروں کو دو آنے کا فائدہ رہیگا۔ مگر "المسلم" کی خریداری کی درخواست کرتے وقت اس کا ذکر ضرور ہونا چاہیے کہ آیا درخواست کنندہ ستیارتھ پرکاش چاہتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر وہ ستیارتھ پرکاش طلب نہیں کریگا۔ تو "المسلم" کا پرچہ صرف ؎ میں سال بھر کے لئے وی۔ پی کیا جائیگا +

منیجر "المسلم"۔ لودیانہ

المسلم کے متعلق

۱۔ "المسلم" ایک ماہواری رسالہ ہے۔ جو لودیانہ سے شائع ہوتا ہے۔ سالانہ قیمت ؎ ہے +

۲۔ "المسلم" کا مقصد اشاعت اسلام ہے۔ اور اس کا موٹو ریشنلزم ہے +

۳۔ "المسلم" میں کوئی پولیٹکل مضمون یا خبر درج نہیں ہوسکتی +

۴۔ "المسلم" کچھ عرصہ تک محض کتابی صورت میں شائع ہوگا +

۵۔ "المسلم" کا مقررہ حجم ۲۲×۱۸/۸ پر ۴۸ صفحہ ہے۔ زائد صفحات کا دینا یا نہ دینا ایڈیٹر کی مرضی پر منحصر ہے +

۶۔ "المسلم" کی سالانہ قیمت پیشگی بذریعہ منی آرڈر۔ یا بذریعہ وی۔ پی وصول کی جاتی ہے +

۷۔ "المسلم" کا نمونہ مفت نہیں بھیجا جاتا۔ نمونہ کے لئے ۲ کے ٹکٹ یا وی۔ پی کا آرڈر آنا چاہیے +

۸۔ "المسلم" میں دیگر ناظرین کے مضامین کا درج ہونا یا نہ ہونا مضمون کی نوعیت پر منحصر ہے +

۹۔ "المسلم" کا ایڈیٹر کسی مضمون کو واپس کرنے کا وعدہ نہیں کرسکتا۔ بنابریں مضمون نگار کو اپنے مسودہ کی نقل رکھ لینی چاہیے +

۱۰۔ "المسلم" کا پرچہ اگر کسی صاحب کو مہینے کی ۱۵ تاریخ تک نہ ملے۔ تو اُس کو دفتر "المسلم" سے دریافت کرنا چاہیئے۔ کہ آیا پرچہ بھیجا گیا ہے یا نہیں۔ خط و کتابت کا پتہ مفصلہ ذیل ہے +

غازی محمود دھرم پال۔ بی۔ اے

ایڈیٹر "المسلم"۔ لودیانہ

المُسلم

نومبر ۱۹۱۴ء

سُلّمُ الاِسلام

پچیسویں فصل

نتائج

دوستو!

دیوسماج اور اُس کے بانی کے بارے میں جسقدر واقعات قلمبند کئے جاچکے ہیں اُن سے ہر ایک شخص دیوسماج اور اُس کے بانی کے متعلق ایک صحیح رائے قائم کرنے میں مدد پاسکتا ہے۔ میں نے اِن تجربات اور مشاہدات کی بنا پر اپنے لئے جو نتائج اخذ کئے وہ مفصلہ ذیل تھے :-

اوّل۔ میں لکھ چکا ہوں۔ کہ میں خدا سے اس لئے روٹھ گیا تھا۔ کیونکہ اُس نے لیلۃ القدر میں مجھے اپنی روشنی سے محروم رکھا تھا۔ چنانچہ اسی ناراضگی کی بنا پر میں نے خدا سے مُنکر لوگوں کے ساتھ کامن کاز بنایا تھا۔ اور بجائے خدا کے میں نے ایک اِنسان کی حمد و ثنا کر کے اُس کی جیوتی اور شکتی کو اپنے لئے سہارے کی چیز بنایا۔ اور کئی سال تک بالکل نیک نیتی اور صدق دلی سے اُس اِنسان کی پرستش کی یہاں تک کہ میں نے اپنی مرضی کو بھی اُس کی مرضی میں فنا کر ڈالا۔ اور اُس اِنسان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے میں نے تمام دنیوی امیدوں اور آسایشوں پر لات مار کر ایک فقیرانہ زندگی بسر کرنی شروع کی۔ اور اُسی اِنسان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے میں جو بھی بڑی سے بڑی قربانی کر سکتا تھا۔ میں نے کر ڈالی۔ اور اُس کے لئے وفادار ثابت ہوا۔ مگر جب وہ اِنسان باوجود میری اِن تمام کوششوں قربانیوں اور رونے دھونے کے نہایت ہی خود غرض۔ کمینہ اور غدار ثابت ہوا۔ تو میرے دِل کے اندر سے نہ صرف سرد آہ نکلی۔ بلکہ ایک جلا دینے والا دھوآں اُٹھا۔ میں نے محسوس کیا۔ کہ ایک نہایت ہی خوفناک تاریک گھٹا میرے دِل پر مستولی ہے۔ آندھی چل رہی ہے۔ سمندر موجزن ہے اور میری زندگی کی کشتی بحر ہلاکت میں ڈوبنے کے لئے تیار ہے۔ کنارہ آنکھوں سے اوجھل ہے۔ جس اِنسان کی میں پوجا کر رہا تھا۔ وہ کنارے پر بیٹھا ہوا ایک مجسم شیطان کی شکل میں میری زندگی کی کشتی پر گولہ باری کر رہا ہے۔ اُس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے۔ اُس کے دِل میں نہ رحم ہے۔ نہ شرم ہے۔ نہ حیا ہے نہ وفا ہے۔ وہ بے ایمانی اور غداری کی ایک مجسم تصویر ہے۔ وہ ایک بدترین قسم کا درندہ ہے۔ جو کہ اِس شخص کے خون میں ہاتھ رنگ رہا ہے۔ جس نے اِس کی بے غرضانہ خدمت کی۔ وہ ایک اِنسان کی زندگی کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو سہارا دینے کی بجائے اِس پر ایک بطور سمندری ڈاکو کے گولہ باری کر رہا ہے۔ اِس موجزن سمندر میں تھپیڑے کھاتے ہوئے اِنسان کو سہارا دینے والا کون ہے؟ کون ہے جس سے وہ مدد کے لئے مُنہ کھولے۔ کون ہے جس کے سامنے وہ دردِ دِل کا اظہار کرے۔ وہ کس کا دامن پکڑے۔ وہ ایک شیطان سیرت اِنسان کی سفاکی کے مقابلہ میں کس کی پناہ ڈھونڈے۔ اِس خوفناک آندھی اور

طوفان کے آنے پر میرا دل پھٹ گیا۔ میں ذبح کئے ہوئے جانور کی طرح تڑپ اٹھا اپنی مرضی سے نہیں بلکہ کسی زبردست طاقت سے مجبور کئے جا کر میں سربسجود ہو گیا۔ اور میرے اندر سے خود بخود یہ پکار تھا یا دُعا نکلنی شروع ہوئی :۔

"اے خدا تو میرا ہاتھ پکڑ۔ تو بے سہاروں کا سہارا ہے۔ تو ڈوبتے ہوؤں کو بچانیوالا ہے۔ تو بے کسوں کی پناہ ہے۔ تو اندھیرے میں بھٹکنے والوں کے لئے روشنی ہے۔ تیرے سوا میرا کوئی یار و مددگار نہیں۔ میں نے نہایت ہی بیوقوفی سے تیری طرف سے منہہ موڑا۔ اور ایک انسان کو تیری جگہ قائم کیا۔ مگر وہ انسان نہایت ہی کمینہ۔ غدار۔ بے ایمان۔ اور شیطان ثابت ہوا۔ اے خدا! میں اِس لائق نہیں ہوں۔ کہ تیری نافرمانی کر کے میں تیرے سامنے آسکوں۔ اور تجھ سے مدد مانگوں۔ مگر تو ستّار ہے۔ تو غفار ہے۔ تو رحیم ہے۔ تو کریم ہے۔ اگر میری بغاوت تیرے حضور میں چشم پوشی کے قابل سمجھی جا سکتی ہے تو میری اِس نافرمانی۔ سرکشی اور بغاوت پر تو پردہ پوشی کر۔ اور تو اپنے اِس بے بس اور بے کس بندے کو گرداب ہلاکت سے نکال۔ اُس کے ڈوبتے ہوئے دل کو سہارا دے۔ اُس کی زندگی کی کشتی کو سلامتی کا کنارا دکھا۔ اُس کو تاریکی سے نکال کر روشنی سے بہرہ اندوز کر۔ اے میرے خدا! اگر تیری نظروں میں میری بغاوت۔ سرکشی اور نافرمانی اِس قابل نہیں ہے۔ کہ اِس پر چشم پوشی کیجاوے۔ تو تو مجھ کو ہلاک کر دے۔ اِس لئے کہ تیرے بغیر میری زندگی ایک لعنتی کی زندگی ہے۔ اے میرے خدا! میں تیرے دروازہ سے روگردان ہو کر بھاگا تھا۔ مگر تو نے مجھ کو پکڑا۔ تیری پکڑ بے خطا ہے۔ اے خدا۔ میں ایک قیدی کی شکل میں تیرے رحم و کرم کی زنجیروں سے جکڑا ہوا تیرے حضور میں موجود ہوں۔ تو اپنے بندے پر رحم کر۔ اور اُس کا مددگار ہو۔ اے خدا! وہ دل جس میں ایک شیطان سیرت اِنسان نے گھر بنا لیا تھا۔ وہ دل ناپاک ہو چکا ہے۔ مگر تو اُس کو پاک کر۔ وہ دل

جو کسی وقت تیری محبت میں سرگرم تھا۔ وہ آج سرد پڑا ہے۔ تو اس پر
اپنی تجلی ڈال۔ اے میرے خدا! میں نے تیری پرستش کو چھوڑ کر ایک
اِنسان کی پرستش کی۔ اور میں نے گناہ کیا۔ اے خدا! جسقدر میں نے
ایک غدار اور مکار اِنسان کی پرستش کی۔ اگر میں اُس سے آدھی بھی تیری
پرستش کرتا۔ تو تو آج میرا ساتھ نہ چھوڑتا۔ اے میرے خدا! تو مجھ کو طاقت
دے۔ کہ میں تیرے دامن کو اب مضبوطی سے پکڑ لوں۔ تو میرا ہاتھ پکڑ!
تو ہی میرا مددگار ہے۔ میں تجھ سے ہی مدد مانگتا ہوں۔ تیرے سوائے
میرا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ اے خدا! تو آ! اور میرے تاریک دِل کو منور
کر۔ تو نا امیدوں کی امید ہے۔ تو بے پناہوں کی پناہ ہے! میں سچے
دل سے تیری پناہ میں آگیا ہوں۔ میں تیرا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ تو نے
مجھ کو ہلاک نہیں کر ڈالا۔ بلکہ مجھے مہلت دی۔ کہ میں اپنی سرکشی اور
بغاوت سے تائب ہو کر تیری طرف آسکوں۔ اے خدا! آج تیرا
گنہگار بندہ تیرے رحم و کرم۔ تیری ستاری و غفاری کی زنجیروں سے
جکڑا ہوا اپنے سر کو۔ اپنے دِل کو تیرے حضور میں جُھکائے کھڑا ہے۔
تو اُس پر رحم کر۔ رحم کر۔ رحم کر"+

اِس پرارتھنا یا دُعا کے بعد میں نے سر اُٹھایا۔ مجھ پر عجیب رقت طاری تھی میں زار
زار رو رہا تھا اور خداوند قدوس کی حضوری کے سوائے باقی تمام خیالات میرے دِل
سے محو ہو چکے تھے۔ میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ میرے اور میرے خدا کے سوائے دنیا میں
اور کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ یہ عاشق و معشوق کے ملاپ کا سا وقت نہیں تھا۔
بلکہ یہ ایک نافرمانبردار بیٹے اور رحیم و کریم باپ کی ملاقات کا سا وقت تھا۔ جبکہ باپ
اپنے فرزند کی تمام سرکشی۔ بغاوت اور نافرمانی کے باوجود اس کے تائب ہونے پر اُسکو
اپنی آغوش میں لیتا ہے۔ اور بیٹا اپنی پشیمانی کے آنسوؤں کے پانی سے نہا کر پاک
ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا۔ جبکہ میں صدقِ دل سے خدا کے حضور میں
پشیمانی کے آنسوؤں میں نہا رہا تھا۔ ہاں یہ وہ وقت تھا۔ کہ جس کی یاد اسوقت بھی
جبکہ میں سطور لکھ رہا ہوں۔ مجھے اشکِ رواں میں غسل دے رہی ہے۔ یہ ایک توبہ تھی

جس کی دوبارہ ضرورت نہیں پڑ سکتی تھی۔ یہ ایک عہد تھا۔ جو توڑ کر دوبارہ باندھنے کے لئے نہیں تھا۔ بلکہ یہ ہمیشہ کے لئے توبہ اور ہمیشہ کے لئے سچا عہد تھا۔ جو کہ میں نے خدا کے ساتھ باندھا تھا۔ اِس عہد کے بعد اگرچہ مجھے بہت سے تبدیل کرنے والے حالات کے اندر سے گذرنا پڑا۔ مگر میرے اِس عہد میں کبھی جنبش نہیں ہوئی۔ یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے ملحدوں کے لٹریچر کا مطالعہ بھی مجھے خدا سے دور لیجانے کی بجائے اُس کے زیادہ نزدیک لانے کا موجب ہوا۔ جیسا کہ میں آگے چل کر بیان کرونگا۔ یہاں پر اِس جملہ معترضہ کو نظر انداز کر کے یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے کیونکر خدا کو دوبارہ حاصل کیا۔ میں نے خدا کو بطور ایک تجربہ اور مشاہدہ کے حاصل کیا۔ میں روشنی میں رہتا ہوا۔ روشنی میں حرکت کرتا ہوا بھی روشنی کا قائل نہیں تھا۔ مگر جب مجھے اندھیرے میں پھینکا گیا اور ارد گرد کی چیزوں سے ٹکرا کر میرے اعضا ٹوٹنے لگے تو تجربہ نے مجھے بتا دیا۔ کہ میری وہ حالت جبکہ میں اِس طرح اِرد گرد کی چیزوں سے ٹکرا کر چوٹیں کھاتا تھا۔ روشنی کی حالت تھی۔ میں روٹی کھاتا تھا۔ مگر میں اِس بات کا قائل نہیں تھا۔ کہ روٹی کھانے سے بھوک دور ہوتی ہے اور جسم میں طاقت آتی ہے۔ لیکن جب مجھ سے روٹی اور روٹی کا سامان چھین لیا گیا۔ اور مجھے ریت پھانکنا پڑا۔ تو تجربہ نے مجھے بتا دیا۔ کہ آٹا اور ریت الگ الگ چیزیں ہیں۔ میں ایک باغ میں نہر کے کنارے لیٹا ہوا تھا۔ مگر میں اِس بات کا قائل نہیں تھا۔ کہ باغ میں ٹھنڈک اور نہر کے پانی میں تازگی بخشنے کی طاقت ہے۔ لیکن جب مجھے ایک ریگستان میں پھینکا گیا۔ اور بادِ سموم کے جھونکوں نے مجھے جھلسنا شروع کیا۔ تو تجربہ نے مجھے بتا دیا۔ کہ باغ کا سایہ اور نہر کا کنارہ درحقیقت روح افزا تھے۔ میں ایک برفانی پہاڑ کی چوٹی پر گرم کپڑے اوڑھے ہوئے لحاف میں آرام سے لیٹ رہا تھا۔ لیکن میں اِس بات کا قائل نہیں تھا۔ کہ گرم کپڑے گرم مکان اور لحاف سردی کو روکنے والے ہیں۔ مگر جب مجھے ایک لنگوٹی باندھ کر برف کے پہاڑ پر کھڑا کر دیا گیا۔ اور جسم کو چھیدنیوالی سرد ہوا کے جھونکوں اور بارش کی بوچھاڑ نے مجھے سُن کرنا شروع کر دیا۔ تو تجربہ نے مجھے بتا دیا کہ درحقیقت گرم کپڑے لحاف اور گرم مکان مجھے ٹھٹھر کر مرجانے سے بچانیوالی چیزیں تھیں۔ اِسی طرح میں خداوند قدوس کی عبادت میں سرشار اور اُس کی حمد و ثنا کے ذریعہ اپنی روح کی

خوراک پانیوالا تھا- لیکن میں اِس بات کا قائل نہیں تھا- کہ خدا کی یہ عبادت یا حمد و ثنا میری روح کو تازگی بخشتی اور مجھے زندگی دیتی ہے- لیکن جب مجھے اُس خدا سے روگردان ہو کر ایک اِنسان کی پرستش اور حمد و ثنا کرنی پڑی- اور اُس اِنسان نے اپنی عیاری- مکاری- ریاکاری- اور غداری کے آلات سے آخرکار میری روح کو چھیدنا اور مجھے آگ میں جلانا شروع کر دیا- تو تجربہ نے مجھے بتا دیا- کہ خدا اور اُس کی پرستش کا کیا نتیجہ ہے- اور شیطان اور اُس کی حمد و ثنا کا کیا انجام ہوتا ہے- مجھے خدا کی خدائی کے ذریعہ خدا کو جاننے اور پہچاننے کا ورثہ ملا تھا- مگر میں نے اُس کی بے قدری کی- آخرکار مجھے شیطان کی شیطنت کے ذریعہ خدا کی خدائی کا پتہ لگا- یہ پہلا نتیجہ تھا- جو کہ میں نے دیوسماج سے الگ ہوتے کے ساتھ ہی تجربات اور مشاہدات کی بنا پر اخذ کیا- اور اِس تجربہ اور مشاہدہ نے مجھے نہایت ہی صدق دلی سے اُس خداوند بے نیاز کی بارگاہ پر سر عبودیت خم کرنے کے لئے مجبور کر دیا- کہ جس بارگاہ عالی سے میں روگردان ہو چکا تھا- خدا اور خداپرستی کا وہ مقدس ورثہ جو مجھے اپنے خداترس و خداپرست- دیندار متقی- عالم باعمل والد مرحوم سے ملا تھا- اور جس کو میں نے اپنی نالائقی- حماقت- اور جہالت کی وجہ سے پرے پھینک دیا تھا- مجھے از سر نو برکت کی چیز- خیر و خوبی کی چیز- حمد و ثنا کی چیز- پوجا پاٹھ کی چیز نظر آیا- میں نے خدا اور خداپرستی کو اپنے دِل کے بہترین گوشہ میں جگہ دی- اور میں خداپرست بن گیا۔

دوئم- دیوسماج سے الگ ہو کر تجربات اور مشاہدات کی بنا پر میں نے جو دوسرا نتیجہ اخذ کیا- وہ یہ تھا- کہ دیوسماج کا بانی ایک ہندو شخص ہے- ہندو سوسائٹی کے بچوں کا دماغ صدہا سال کے اثرات کے بعد ربڑ کی طرح بڑا لچکدار ہو چکا ہے- اگر اُس کو کھینچا جائے- تو وہ پھیلنے کی گنجایش رکھتا ہے- اور وہ پھیل جاتا ہے- لیکن جب ہی اُس پر سے کھچاوٹ کا زور کم ہو جاتا ہے- وہ اپنی پہلی حالت پر آجاتا ہے دیوسماج کے بانی کا دماغ بھی اِسی ساخت کا ہے- جب اُس کو کھینچا گیا تو وہ ربڑ کی طرح اسقدر بڑھ گیا- کہ اُس میں ہر ایک غیر ہندو کے لئے گنجایش نکل آئی- چنانچہ اِس کھچاوٹ میں آکر دیوسماج نے- بودی- جنیو- چوکہ- چولھا- ذات پات- چھوت چھات کا صفایا کر ڈالا- اور غیر ہندوؤں کے ساتھ کھلم کھلا کھانا پینا شروع کر دیا- چونکہ یہ وسعت

محض مصنوعی یا بناوٹی تھی۔ اور وہ قدرتی طور پر ظہور میں نہیں آئی تھی۔ بنابریں جب اِس پر سے تصنع کا ملمع اُتر گیا۔ یا کھچاوٹ کا دباؤ دور ہو گیا۔ تو دیو سماج کے بانی کا دماغ پُرانی ہندو سطح پر واپس آگیا۔ بلکہ اس سے بھی چند انچ پیچھے ہٹ گیا۔ اور وہ اسی چوٹی۔ جنیو۔ چوکہ۔ چولھا۔ ذات پات۔ چھوت چھات اور دیگر ہندو توہمات کا شکار ہو گیا جن سے کہ اُس نے نکلنے کی کوشش کی تھی۔ بنابریں وہ ایک غیر ہندو یا مسلم کو باوجود اُس کی تمام قربانیوں کے اپنے اندر جذب کرنے سے قاصر رہا۔

سوئم۔ دیو سماج ایک ہندو تحریک ہے۔ ہر ایک وہ تحریک جو ہندوازم کی زمین سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ سوڈا واٹر کی بوتل کی طرح دیکھنے میں بڑی خوبصورت ہوتی ہے اور وہ اُن ابخرات کی بدولت مُنہ کھلنے کے ساتھ بڑا زور شور بھی کرتی ہوئی سُنی جاتی ہے۔ جو کہ مصنوعی طور پر اس میں پیدا کئے جاتے ہیں۔ جب یہ ابخرات خارج ہو جاتے ہیں۔ تو ہر ایک ہندو تحریک ہندوازم کی مُردہ سطح کے برابر ہو جاتی ہے۔ اس قسم کے سینکڑوں ابخرات ہندوازم میں پیدا ہوئے اور مر گئے۔ ان میں سے بعض بہت دیر کے مُردہ ہیں۔ اور بعض ہماری آنکھوں کے سامنے مُردہ ہوئے جاتے ہیں۔ برہمو سماج۔ آریہ سماج اور دیو سماج کی لاشیں ابھی بہت تازہ ہیں۔ سکھ ازم اور ہندوازم میں کشمکش جاری ہے۔ مگر یہ کشمکش زیادہ دیر تک جاری نہیں رہیگی۔ ہندوازم کی زرخیز زمین میں مذہبی تحریکیں برسات کے گھاس پات کی طرح پیدا ہوتی ہیں مگر اُن میں سے کوئی تحریک عرب اور فلسطین میں پیدا شدہ مذاہب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ دیو سماج اسی ہندوازم کی زرخیز زمین کا ایک ننھا سا گھاس کا تنکا ہے۔ اور وہ اِسقدر کمزور ہے۔ کہ وہ ایک بھی غیر ہندو کو اپنے اندر جذب نہیں کر سکا۔ اور نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ قدرت نے ہندوازم کو سر دیا ہے مگر معدہ نہیں دیا۔ ایک ہندو بچہ کا دماغ اِسقدر اونچا اُڑ سکتا ہے۔ کہ وہ ہمہ اوست کے چکر میں پھنس کر خود خدا یا برہم بن جاتا ہے۔ مگر وہ برہم "صرف" "ہندوازم" کا ہی برہم رہتا ہے۔ کیونکہ جب یہ "برہم" کسی مسلمان یا مسیحی کے دستر خوان پر پہنچتا ہے۔ تو وہ تمام ویدانت بھول جاتا ہے۔ اور وہ "برہم" کے درجے سے گر کر ایک دھوتی پوش ہندو کی شکل اختیار کر کے چھوت چھات کے جھگڑے میں پھنسا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

یہی حال دیو سماج اور اُس کے بانی کا ہے۔ وہ سائنس یا وگیان کا نام لیکر بہت لمبے لمبے فراٹے بھرتا ہے۔ مگر ایک مسلمان یا مسیحی کے دسترخوان کے سامنے وہ اپنے تمام فراٹے بھول کر ایک معمولی دھوتی پوش ہندو کی سطح پر آ جاتا ہے۔ اور وہ ایک مسلم یا مسیحی کو کتے سے بھی زیادہ ناپاک سمجھنے لگ جاتا ہے۔ اور اُس کا تمام کرم دھرم اُس کا تمام وگیان یا سائنس "ہم کر چوکے" میں جل کر خاک سیاہ ہو جاتا ہے ✦

چہارم۔ دیو سماج کا بانی ہندو ہے۔ ہندوؤں میں اگرچہ سنیاس یا ترک دنیا کی رسم دیکھی جاتی ہے۔ مگر سنیاس کی یہ رسم عمر کے اُس زمانہ سے تعلق رکھتی ہے۔ جبکہ نہ منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت رہے۔ عمر کے پہلے ۲۵ سال برہمچرج میں گذارنے اور ۲۵ سے ۵۰ تک دنیا کمانے۔ اور ۵۰ سے ۷۵ سال تک بان پرستھ کرنے اور عمر کے آخری حصہ میں سنیاس آشرم میں داخل ہونے کی ہدایت ہے۔ جب جوانی گذر گئی۔ طاقتوں نے جواب دیدیا۔ اور مرتا کیا نہ کرتا کی حالت ہو گئی۔ تو ایسی صورت میں جبکہ ایک کتا بھی سنیاس آشرم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اگر ایک انسان ایسی عمر میں ترکِ دنیا کا دم بھرے۔ تو اُس کی کوئی خوبی نہیں ہے۔ دیو سماج کے بانی نے ہندوازم کے اِس قسم کے مضحکہ خیز سنیاس کا خاکہ اُڑانے کے لئے عین عالم شباب میں سنیاس لے لیا۔ مگر واقعات نے ثابت کر دیا۔ کہ ہندو سپرٹ رکھتے ہوئے ہندوازم کی سرزمین عرب اور فلسطین کے سنیاسیوں کا ثانی پیدا نہیں کر سکتی۔ گوتم بدھ کی مثال بے شک قابل تعریف ہے۔ مگر وہ صرف اِسی لئے کہ گوتم بدھ نے ہندوازم کے جامے کو اُتار پھینکا تھا۔ مگر اِس "بدعت" کی سزا زمانہ مابعد میں بدھ ازم کو ہندوازم کے ہاتھ سے بھگتنی پڑی۔ اور اُس کو اپنا بوریا بندھنا باندھکر ہندوستان کو بھی ترک کر کے بطور ایک مہاجر کے ممالک غیر میں جا کر پناہ لینی پڑی۔ گویا بدھ کی ایک مثال کے سوائے ہندو تواریخ آجتک ہمارے سامنے کوئی سنیاسی ایسا پیش نہیں کر سکی۔ جو عرب اور فلسطین کے سنیاسیوں کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے۔ دیو سماج کا بانی تو بیچارہ ایک "کاروباری" انسان تھا۔ اُس نے اگر سنیاس لیا تھا۔ تو وہ "دکانداری" کے نقطہ خیال سے تھا۔ جب اُس کو اپنی "دکان" میں گھاٹا نظر آیا۔ تو اُس نے ایک صحیح ترازو کو چھوڑ کر "پاسنگ" والا ترازو پکڑ لیا۔

اور وہ ایک "ہندو دُکاندار" بن گیا۔ اور اُس نے اپنی دُکان کا دروازہ عملی طور پر غیر ہندوؤں کے لئے بند کر دیا +

پنجم۔ دیو سماج کے بارے میں جسقدر واقعات دئے جا چکے ہیں اُن سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے۔ کہ دیو سماج "اشتہار بازی" کے طریقہ پر چلایا جا رہا ہے۔ مگر جو کچھ اشتہار میں درج کیا جاتا ہے۔ وہ حد سے زیادہ مبالغہ آمیز ہوتا ہے۔ جیسے ایک معمولی یا بناوٹی حکیم یا وید کے اشتہاروں کو پڑھ کر بہت سے زود اعتقاد لوگ اس قسم کے حکیموں یا ویدوں کے دام میں پھنس جایا کرتے ہیں۔ اسی طرح دیو سماج کی اس قسم کی "اشتہار بازی" کو دیکھ کر بہت سے سادہ لوح اُس کے جال میں پھنس جاتے ہیں وہ جو اس جال میں پھنس کر اپنے پر کٹوا لیتے ہیں۔ وہ اِس سے باہر نہیں نکل سکتے اور اُسی جگہ ذلت کی زندگی کاٹنے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ لیکن وہ جو اپنے پر نہیں کٹواتے۔ وہ تجربہ اور مشاہدہ کے بعد بدیر و زود اس جال سے نکل آتے ہیں۔ وہ جو حد سے زیادہ ستائے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ تو اس جال سے نکلتے کے ساتھ ہی اُس کو توڑنے لگ جاتے ہیں۔ لیکن وہ جن کو نسبتاً کم نقصان پہنچا ہوتا ہے وہ ذرا برداشت سے کام لیتے ہیں۔ میں لکھ چکا ہوں کہ میں نے دیو سماج کے ساتھ صرف اس لئے کامن کاز بنایا تھا۔ کیونکہ دیو سماج اُسی خدا کے برخلاف جہاد کر رہا تھا جس سے کہ میں روٹھا ہوا تھا۔ جب خدا کے ساتھ میرا تعلق بحال ہو گیا۔ تو میں نے دیو سماج کے ساتھ باوجود اس کے کارندوں کی متواتر شرارتوں کے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ کرنے سے سالہا سال تک پہلو تہی کیا +

ششم۔ میں نے نتیجہ نکالا۔ اور ہر ایک شخص نتیجہ نکال سکتا ہے۔ کہ دیو سماج کا بانی خودی۔ خود پسند۔ خود رائی۔ خود ستائی۔ کی ایک مجسم تصویر ہے۔ وہ یا تو ایک پاگل انسان ہے جس کے دماغ میں متواتر صدمات سے فتور آ چکا ہے۔ یا وہ اول درجہ کا عیار شخص ہے۔ جو مختلف قسم کی حیلہ سازیوں سے سادہ لوح انسانوں کو اپنے دام تزویر میں پھانستا اور اُن کو احمق بناتا ہے +

ہفتم۔ میں نے نتیجہ نکالا۔ کہ دیو سماج میں بڑا آدمی بننے یا دیو سماج کے بانی کی قربت حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنی بد معاشیوں کی ننگی تصویر اُس کے

سامنے پیش کیجاوے۔ اور اگر کسی شخص نے کوئی بد معاشی نہ کی ہو تو وہ جھوٹ موٹ ہی بات کا بتنگڑ بنائے۔ اور روئے دھوئے۔ تاکہ دیو سماج کا بانی اس کو اپنا مخلص سیوک سمجھ سکے۔ اس روش نے دیو سماج میں ریاکاری کی سپرٹ پھونک رکھی ہے۔ اور اُس کے ممبر زیادہ تر ریاکار ہیں۔ دیو سماج کا یہ دعویٰ کہ اُس کے ممبر تمام گناہوں سے پاک ہیں محض بے بنیاد اور جھوٹ ہے +

ہشتم۔ دیو سماج کا بانی ایک عیش پسند شخص ہے۔ وہ اپنی عیش و عشرت میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے مذہب کا اور اس سے بھی بڑھ کر وگیان یا سائنس کا نہایت ہی ناجائز استعمال کرنے والا آدمی ہے۔ وہ ایک مذہبی دُکاندار ہے۔ اس دُکانداری اور اشتہار بازی سے پیشتر نوکری کی حالت میں وہ گھاٹے میں تھا۔ لیکن اس دُکانداری کے بعد وہ ہزاروں لاکھوں روپیہ کی جائداد کا مالک بن گیا۔ اُس کے لئے گرمائی اور سرمائی محل بن گئے۔ ایک دو کی بجائے اُس کو سینکڑوں مفت کے خدمتگار مل گئے۔ وہ سونے اور چاندی کا تاج پہننے لگ گیا۔ وہ ایک بدترین "گورو" ہے۔ جو برہمن قوم نے پیدا کیا ہے۔ اُس کا تمام زور اپنی عیش پسندی پر لگ رہا ہے۔ اُس نے اپنی عبادت یا پرستش کے علاوہ اپنی تصویر کے سامنے گھی کے چراغ جلانے۔ تصویر کے تلک لگانے۔ پھولوں کے ہار ڈالنے کے علاوہ تصویر کو ہی دیوگورو بھگوان تصور کر کے اُس کے سامنے دُعا یا پرارتھنا کرنے۔ رونے دھونے۔ اُس کے سامنے چت لیٹ کر زمین پر ناک گھسنے۔ ستھار گڑنے کی جو ذلت آمیز تعلیم دی ہے۔ اُس نے سینکڑوں انسانوں کو باطل پرستی کی زنجیروں میں جکڑ کر حق و حقانیت کی طرف سے بالکل اندھا کر دیا ہے۔ وہ اور بھی سخت نفرت کی چیز ہو جاتا ہے جبکہ وہ یہ سب کچھ سائنس یا وگیان کے نام سے کرتا اور کرواتا ہے +

نہم۔ دیو سماج کے بانی کا مدعا انسانوں کی قوت ارادہ۔ اُن کی۔ مذہبی۔ ذہنی اور روحانی آزادی کو قتل کر کے اپنا اندھا بھگت بنانے سے ہے۔ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے وہ اپنے بھگتوں کو رونے دھونے چیخنے چلانے۔ سرد آہیں بھرنے کی جو مشق کرواتا ہے۔ اُس سے اُن کی صحت پر نہایت ہی خراب اثر پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دیو سماج کے ممبر زیادہ تر زرد رو ہوتے ہیں۔ اُن کی آنکھیں

اندر کو گھسی ہوئی ہوتی ہیں۔ اُن کے چہروں پر مُردنی چھائی ہوئی نظر آتی ہے۔ جب وہ کسی سے بات کرتے ہیں۔ تو وہ بیچ بیچ میں سرد آہ بھرتے اور ایک عجیب طریقہ پر "ہاں اور ہوں۔ اور بے شک بے شک" کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ وہ ایک بناوٹی ہنسی یا مسکراہٹ سے کام لیتے ہیں۔ وہ نہ ورزش کرتے ہیں۔ نہ صبح یا شام کو سیر کے لئے باہر جاتے ہیں۔ کیونکہ صبح اور شام کے دونوں وقت اُن کے "کیرنے ڈالنے" کے ہیں۔ وہ دن چڑھنے سے پہلے اور شام کو سورج غروب ہونے کے بعد اپنے اپنے ہاں کے "سادھن سنھالوں" میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اور وہاں پر مرد اور عورتیں دیو گورو بھگوان کو یاد کر کے باری باری سے روتے اور چیخیں مارتے ہیں۔ چونکہ اُن میں مردوں اور عورتوں کو آپس میں ملنے جُلنے کی پوری آزادی حاصل ہے۔ اِس لئے اُن میں اکثر بد اخلاقی کی واردات ہوتی رہتی ہیں +

دہم۔ دیو سماج میں دوسرے لوگوں کو پھانسنے کے لئے اُس کے کارندوں کو جو تعلیم دی جاتی ہے۔ وہ قابل مطالعہ ہے۔ میں نے اپنے استعفے میں جن کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ اُن میں "پرچار کے کام کے تجربے" کی ۳ کاپیوں کا نام بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ مجھے یہ کاپیاں اِس لئے دی گئی تھیں۔ تاکہ میں اِن تجربات کا مطالعہ کر کے دوسرے لوگوں کو دیو سماج میں پھانسنا شروع کر دوں۔ اِن تجربوں میں زیادہ تر اِس سپرٹ سے کام لینے کی ضرورت بتائی گئی ہے۔ جو کہ لومڑی نے کوّے کے مُنہ سے پنیر کا ٹکڑا چھین لینے کے لئے اُس کو بے وقوف بنانے میں اختیار کی تھی یعنی جس شخص کو پھانسنا منظور ہو۔ پہلے آہستہ آہستہ بطور ایک جنٹلمین کے اُس سے صاحب سلامت کرنی چاہئے۔ جب وہ ذرا روشناس ہو جائے۔ تو اُس کی ہر ایک حرکت۔ ہر ایک ادا کی تعریف کرنی چاہئے۔ تاکہ وہ سمجھ لے کہ تعریف کنندہ اِس کا مخلص دوست ہے۔ اِس درجہ پر پہنچنے کے بعد اُس کے کسی ایک آدھ نقص پر نکتہ چینی کرنی چاہئے۔ جب وہ اِس نقص کو مان لے۔ تو پھر اِس بات کا اظہار کرنا چاہئے۔ کہ مجھ میں پہلے یہ بلکہ اِس سے کئی گنا بڑھ کر بد معاشی کی عادتیں تھیں چنانچہ اُس کو آہستہ آہستہ اپنی چند ایک بد معاشیاں سُنا دینی چاہئیں۔ پھر ان بد معاشیوں پر شخص مذکور کے سامنے سرد آہیں بھر لی اور اگر ہو سکے تو مکاری

کے دو چار آنسو ٹپکا دینے چاہئیں۔ جب وہ شخص اِن سرد آہوں یا مکاری کے آنسوؤں کا اثر قبول کرلے تو پھر جھٹ پٹ اُس کے سامنے شری دیوگورو مہاراج جی کی جیوتی اور شکتی کا بیان شروع کر دینا چاہئے۔ اور اس بات پر زور دینا چاہئے کہ میری یہ تمام بد معاشیاں محض اُن کی کرپا سے دور ہوئی ہیں۔ اور شخص مذکور کے دِل میں دیوگورو مہاراج سے ملنے کے لئے شوق پیدا کرنا چاہئے۔ جب اُس کے دل میں یہ شوق پیدا ہو جائے۔ تو اُس کے سامنے دیوگورو مہاراج جی کی ایسی تصویر کھینچنی چاہئے گویا کہ وہ عرشِ معلے پر بیٹھا ہوا ہے۔ اور کہ اُس تک پہنچنے اور اُس کا درشن کرنے کے لئے ہر ایک شخص کو ادھیکار یا حق حاصل نہیں ہے۔ بلکہ کسی قسمت والے کو ہی اُس کے درشن ہو سکتے ہیں۔ جب وہ دیوگورو کے درشن کرنے کا ادھیکاری یا مستحق بننے کی خواہش ظاہر کرے۔ تو پھر اُس کے سامنے چند ایک پوجا بھینٹ کی شرائط رکھ دینی چاہئیں۔ جب وہ اِن باتوں کو بھی تسلیم کرلے۔ تو پھر اُس کو دیوگورو مہاراج سے ملنے کے لئے لیجانا چاہئے۔ دیوگورو کے دربار تک پہنچنے سے پیشتر یہ ضروری ہے۔ کہ چند ایک ثقہ صورت مرد اور عورتیں شخص مذکور کو جھک جھک کر پرنام کریں۔ تاکہ اُس کا دِل اچھی طرح جکڑا جاوے۔ اِس منزل کے اندر سے گذار کر اُس کو دیوگورو کے حضور میں پیش کر دینا چاہئے۔ جو کہ اُسوقت عجیب شکل بنائے بیٹھے ہوتے ہیں۔ جب ایک دفعہ درشن ہو گئے تو پھر آہستہ آہستہ اُس کو "کھیسے" میں جوتنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جب اُس کے تمام دم خم نکل جائیں اور وہ اچھی طرح سے جال میں پھنس جائے۔ تو اُس کو موقع بے موقع لعنت ملامت کرنے۔ اُس کو نیچ۔ میلا۔ گندہ۔ بے وفا۔ وغیرہ کہنے۔ اور "دھرتکہ" پر زور دینے کی مشق کرنی چاہئے۔ اور جہاں تک ہو سکے۔ اُس کے سامنے دنیا کے تمام مذاہب اور بانیان مذاہب کی مکروہ سے مکروہ تصویر کھینچکر اُس کو دیوگورو کا اندھا بھگت بنا ڈالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ جب وہ اندھا بھگت بن گیا۔ تو سمجھو۔ وہ گریجوایٹ بن گیا۔ مگر اِس تمام عمل میں عامل کو صبر اور استقلال سے کام لینا چاہئے۔ کیونکہ یہ عمل چند روز یا چند مہینوں کی بجائے بعض اوقات برسوں میں جاکر پورا ہوتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کہ دیوسماج میں مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ سرگرمی سے

کام کرتی ہیں - اور وہ دیو سماج کے لئے زیادہ روپیہ اور "سٹر دھالو" بہم پہنچاتی ہیں +

یازدہم - دیو سماج چونکہ خالص معنوں میں ہندو سوسائٹی ہے - اِس لئے غیر ہندوؤں اور خاص کر مسلمانوں کو اس سے نہ کوئی فائدہ پہنچا نہ پہنچ سکتا ہے مسلمانوں کے لئے دیو سماج کا عدم وجود دونوں برابر ہیں - اور اِس تحریک کا مسلمانوں کی قوم پر کوئی اثر نہیں پڑا - اور نہیں پڑ سکتا - ہندوؤں میں علاوہ ہزارہا فرقوں کے دیو سماج نے اپنے وجود سے ایک نئے فرقہ کا اضافہ کر دیا ہے - لیکن جس طرح دوسرے ہندو فرقے آخرکار ہندو ازم میں سڑ گل کر رہ گئے - اور اُن کا غیر ہندوؤں پر کوئی گہرا یا پائدار اثر نہیں پڑا - اِسی طرح دیو سماج بھی ایک دن سڑ گل کر رہ جائیگا - بلکہ سڑ گل رہا ہے - وہ وقت دور نہیں جبکہ دیو سماج کی خطرناک باطل پرستی دیو سماج کو ہندو سوسائٹی میں ہر ایک قسم کے فسق و فجور کا اڈہ بنا دیگی - اور دیو سماج کے افراد خطرناک جرائم اور بدترین قسم کی بد اخلاقی کے مرتکب دیکھے جایا کرینگے +

دوازدہم - دیو سماج کے بانی کی یہ پالیسی ہے - کہ اگر کوئی شخص دیو سماج سے استعفا دیتا ہے - تو وہ بطور ایک دیانتدار شخص کے اُس کے استعفے کو منظور نہیں کریگا - بلکہ استعفے کو دبا چھوڑیگا - اور یہ حکم جاری کریگا - کہ چونکہ تم نے فلاں گناہ کیا ہے - بنابریں تم کو دیو سماج کی ممبری سے خارج کیا جاتا ہے - تاکہ اگر وہ شخص دیو سماج سے باہر جا کر دیو سماج کی مخالفت کرنے لگے - تو اُس کے برخلاف اِس ہتھیار سے کام لیا جائے جسقدر اصحاب دیو سماج سے باہر نکل چکے ہیں - دیو گورو مہاراج نے اُن کے چال چلن پر مکروہ سے مکروہ دھبے لگائے اور اپنے کارندوں سے لگوائے ہیں - اگر کوئی شخص اُن کی اِس شرارت سے محفوظ رہا ہے - تو وہ صرف میں ہوں - وہ آجتک میرے دیو سماج کے زمانہ کے چال چلن کے برخلاف ایک لفظ تک بھی نہیں کہہ سکے بلکہ وہ سرکاری عدالتوں میں انگریز مجسٹریٹوں کے سامنے میرے بارے میں یہ حلفیہ بیان دے چکے ہیں - کہ جب تک میں دیو سماج میں رہا - میرا چال چلن ہر ایک قسم کے شک و شبہ سے پاک تھا - اور کہ مجھے کسی گناہ کے بدلے دیو سماج سے خارج نہیں کیا گیا تھا - بلکہ میں نے خود استعفیٰ دیا تھا - میں سمجھتا ہوں کہ اِس کلیہ قاعدہ

میں جو کہ دیو سماج سے قطع تعلق کرنے والے اصحاب کے چال چلن کے لئے مقرر ہے۔ اگر کوئی استثنا مل سکتی ہے۔ تو وہ صرف میری استثنا ہے۔ یہ امر واقعہ اِس حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لئے بہت بڑا مددگار ہو سکتا ہے۔ کہ میں اگر دیو سماج میں گیا تھا۔ تو کسی قسم کے دنیوی لالچ کے لئے نہیں گیا تھا۔ بلکہ بطور ایک حق وحقانیت کے متلاشی کے گیا تھا۔ جب میری تحقیقات مکمل ہو چکی۔ تو میں دیو سماج سے ایک شریفانہ طریقہ پر اور شریفانہ سپرٹ میں استعفے دیکر الگ ہو گیا +

چھبیسویں فصل

برزخ

دیوسماج سے الگ ہو کر میں خدا پرست بن گیا۔ میں نے خدا کا علم تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر ٹھیک اِس طرح حاصل کیا۔ جس طرح کہ جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خس و خاشاک سے مُنہہ موڑ کر خدا کی طرف رُخ کیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم فیٹی شزم (Fetishism) کی پرستار تھی۔ چنانچہ قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ:۔

اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً۔ اِنِّیْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ +

جناب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے سوال کیا کہ آپ اِن خس و خاشاک کی پرستش کیوں کرتے ہیں۔ اُن کے باپ نے غالباً اُن کو یہی جواب دیا ہوگا۔ کہ ہم انکی پرستش محض اِسلئے کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہمارا قومی طریقہ عبادت ہے۔ ایک متلاشیِ حق کو یہ جواب تسلی نہیں دے سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی اِس سے کوئی تسلی نہ ہوئی۔ کیونکہ یہ جواب بغیر کسی قسم کی دلیل کے تھا۔ حضرت ابراہیم نے یہ جواب سُن کر فرمایا۔ کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ اور آپ کی قوم کا یہ طریقۂ عبادت محض غلط ہے۔ مگر ضروری تھا۔ کہ جناب ممدوح کی محققانہ و متجسّسانہ طبیعت حقیقت کا پتہ لگاتی۔ چنانچہ اُنہوں نے تحقیقات کا سلسلہ شروع کر دیا +

وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ +

مگر اُن کی یہ تحقیقات اِنسانی کتابوں کو لیکر نہیں تھی۔ بلکہ اُس الٰہی کتاب کو لیکر تھی۔ جو ہر ایک اِنسان کے لئے ہر وقت کھلی رہتی ہے۔ اور جو بہترین اُستاد

ہے۔ یہ کتاب خدا کی خدائی ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں زمین و آسمان کی کائنات اور اُن کے اندر جو قوانین کام کر رہے ہیں۔ وہی ایک الٰہی کتاب ہے۔ جو خداوند قدوس نے اپنے دست مبارک سے لکھ کر ہمارے سامنے کھول کر رکھدی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی الٰہی کتاب کی طرف اپنی توجہ کو مبذول کیا۔ تاکہ اُن کو حق و حقانیت کا پتہ لگے +

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ +

جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کی فیٹی شزم (Fetishism) سے اپنی نظر کو ذرا بلند کیا۔ اور خس و خاشاک سے بہتر معبود کی تلاش کی۔ اُن کی نظر اُن چمکتے ہوئے ستاروں پر پڑی۔ جو کہ اماوس کی اندھیری رات میں جلوہ دکھاتے ہیں جناب ممدوح کی طبیعت بلند پرواز واقع ہوئی تھی۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنی قوم کے فیٹی شزم سے جو کہ بد ترین قسم کی عبادت تھی۔ مُنہہ موڑ کر اپنے لئے بجائے خاک۔ پتھر اور گھاس۔ پات کے ان چمکدار ستاروں کو بطور معبود کے پسند کیا۔ اور نہیں معلوم وہ کتنی مُدت تک ان آسمانی قندیلوں کو اپنا معبود سمجھتے رہے۔ مگر اُن ستاروں کے طلوع و غروب نے اُن کے دِل کو بے چین کر دیا۔ کیونکہ بطور ایک صادق عابد کے وہ اپنے معبود کو ہر وقت اپنے سامنے دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ اُس کی جُدائی کے صدمہ کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ لیکن جب اُنہوں نے دیکھا کہ جن ستاروں کی میں پرستش کرتا ہوں۔ وہ ایسے بے وفا ہیں۔ کہ اپنے عابد صادق کی مطلق پرواہ نہ کرکے یا تو قطعی غائب ہو جاتے ہیں یا چاند کے نکلنے پر ماند پڑ جاتے ہیں۔ تو اُن کے ترقی کن دماغ نے اِن حقیر چیزوں کو معبود کے درجہ سے ساقط کر دیا +

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ +

کسی نے سچ کہا ہے کہ انسان ایک پرستش کرنے والا حیوان ہے۔ وہ پرستش کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اگر اُس کے سامنے کوئی اعلیٰ ہستی بطور معبود کے نہیں ہوگی

تو وہ ادنٰے سے ادنٰے چیز کی ہی پرستش کرنے لگ جائیگا۔ یہی حالت جناب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تھی۔ وہ اپنی قوم کی فیٹی۔شزم سے بیزار ہو چکے تھے۔ وہ ستاروں کی پرستش سے بھی بیزار ہو گئے۔ اب اُنہوں نے تجربہ اور مشاہدہ کی مدد۔ اور دلیل و برہان کے وسیلہ سے ایک قدم اور آگے اُٹھایا۔ اور چاند کو اپنا معبود بنایا۔ اِس لئے کہ تجربہ نے اُن کو بتایا۔ اور دلیل نے اُن کی رہبری کی۔ کہ چاند ستاروں سے زیادہ بڑا۔ زیادہ روشنی دینے والا۔ اور زیادہ پُر جلال ہے۔ اور وہ ایسا زبردست ہے۔ کہ اُس کے سامنے تمام ستارے بھی ماند پڑ جاتے ہیں۔ پس یہ ضرور قابل پرستش ہے۔ اور یہی میرا معبود ہے۔ نہیں معلوم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کتنے عرصے تک چاند کی پرستش کرتے رہے لیکن چاند کے گھٹنے بڑھنے۔ اور طلوع و غروب کے نظاروں نے اُن کے دل کو پھر بے چین کر دیا۔ اور اُن کے ترقی کن دماغ نے اُن کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ جو چیز اپنی شکل کو ہر روز بدلتی رہتی ہو۔ اور طلوع و غروب ہوتی رہتی ہو۔ وہ میرا معبود نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اب وہ چاند پرستی سے بھی بیزار ہو گئے۔ اور یہ کہکر کہ اب تو جو میرا حقیقی معبود ہوگا۔ جب وہی مجھے راہ راست دکھائیگا۔ تو میں اُس کی پرستش کرونگا ورنہ فضول ٹھوکریں کھانے سے کیا فائدہ۔ اُنہوں نے اپنے مصلے کو تہ کر ڈالا۔ لیکن اُن کی بے چین طبیعت نے اُن کو پھر بھی نچلا نہ بیٹھنے دیا +

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَۃً قَالَ ھٰذَا رَبِّیْ ھٰذَآ اَکْبَرُ۔ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ +

بلکہ اُنہوں نے مزید تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اور سورج کو اپنا خدا بنایا۔ تجربہ نے اُن کی مدد کی اور دلیل نے اُن کو سوجھایا۔ کہ یہ ستاروں اور چاند سے زیادہ بڑا ہے۔ اور اُن سب سے زیادہ روشن ہے۔ اسقدر بڑا اور اسقدر روشن کہ اس کی موجودگی میں رات کی تاریکی۔ ستارے چاند وغیرہ سب غائب ہو جاتے ہیں پس یہی میرا اعلیٰ معبود ہے۔ مگر اُن کے ترقی کن اور متجسس دماغ نے سورج کے طلوع و غروب کے نظاروں سے اُن کی وہی حالت کر دی جو کہ پیرو ملک امریکہ کے سرخ فام باشندوں کے بادشاہ "ہیو نا کیپک" کی ہوئی تھی۔ پیرو کے سرخ فام باشندے سُورج کی پرستش کرتے تھے۔ "ہیو نا کیپک" اُن کے بادشاہ کے دل میں دو سوال

پیدا ہوئے۔ چنانچہ اُس نے اپنے ہاں کے پروہتوں کو بلایا۔ اور کہا:۔
"میں تم سے دو سوال پوچھتا ہوں۔ تم مجھے اُن کا جواب دو۔ دیکھو! میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ کیا تم میں کوئی ایسا گستاخ اور نڈر شخص ہے جو مجھ سے یہ کہہ سکے کہ اُٹھو اور ہماری خوشی کے لئے اتنا چکر لگاؤ؟
دوئم۔ کیا میرے تمام مالدار اور زبردست جاگیرداروں میں سے کوئی بھی ایسا زبردست سردار ہے کہ میں اُس کو کہوں۔ کہ تم اِسوقت فوراً چلی کے صوبہ کی طرف جاؤ اور وہ نہ جائے"؟
بادشاہ کے پروہتوں نے بادشاہ کے اِن دونوں سوالوں کا جواب نفی میں دیا۔ اِس پر بادشاہ نے اُن سورج پرست پروہتوں کو کہا:۔
"میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ اِس سورج سے بھی ایک زبردست خدا ہے جو کہ اِس سورج کو روزانہ چکر لگانے کے لئے حکم دیتا ہے۔ کیونکہ اگر یہی سورج خدا یا حاکم واحد ہوتا۔ تو وہ اپنی مرضی سے بیچ بیچ میں اِس سفر کو چھوڑ بھی دیا کرتا۔ خواہ اُس کو ترکِ سفر کی کوئی ضرورت بھی نہ ہوتی"۔
اِسی طرح اِسی ملک پیرو کے ایک دوسرے بادشاہ "توپک یپانیقوئی" نے اپنی سورج پرست قوم کو سمجھانے کے لئے کہا کہ:۔
"لوگ کہتے ہیں کہ سورج زندہ ہے۔ اور وہی سب کام کرتا ہے۔ مگر اُن کو سوچنا چاہیئے۔ کہ جب کوئی شخص کوئی کام کیا کرتا ہے۔ تو وہ اُس کام کو کرتے وقت اُس کام یا چیز کے عین پاس ہوا کرتا ہے حالانکہ دنیا میں بہت سے کام اُسوقت ہوتے ہیں۔ جب کہ سورج غائب ہوتا ہے۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ سورج ہر ایک کام کو نہیں کرتا۔ پھر اگر سورج زندہ چیز ہوتا تو کیا وہ روزمرہ کے اتنے لمبے سفر سے تھک نہ جاتا۔ اگر وہ زندہ ہوتا تو ہماری طرح تکان محسوس کرتا۔ اگر وہ آزاد ہوتا۔ تو وہ آسمان کے دوسرے حصوں میں بھی چلا جایا کرتا۔ جن میں کہ وہ کبھی نہیں جاتا حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک ایسی چیز ہے جس کو کام پر لگا دیا گیا ہو۔ اور وہ اپنے مقررہ رستہ پر گردش

کر رہی ہو۔ یا وہ ایک تیر کی طرح ہے۔ جس کو کہ جس طرف تیر انداز چلا دیتا ہے۔ تیر اُس طرف کو چلا جاتا ہے۔ تیر کی اپنی مرضی کچھ بھی نہیں ہے"۔

سورج پرستی کے برخلاف یہ دلائل امریکہ کے سُرخ فام اصلی باشندوں کے دماغ سے برآمد شدہ دیکھ کر کہنا پڑتا ہے۔ کہ تجربہ اور مشاہدہ نے۔ دلیل اور برہان نے انسان کی ہر حالت میں اور ہر ایک آب وہوا میں یکساں رہنمائی کی ہے۔ یہی تجربہ اور مشاہدہ تھا۔ یہی دلیل و برہان تھی۔ جس نے آخر کار حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اُس نتیجہ پر پہنچا دیا۔ کہ سورج ایسی چیز نہیں ہے۔ جس کو اپنا معبود بنایا جاوے۔ چنانچہ اُنہوں نے اِس تجربہ اور مشاہدہ دلیل و برہان کی مدد سے نڈر ہوکر اپنی تمام قوم کے سامنے سورج پرستی کی کمزوری کو ظاہر کیا۔ اور

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (پ ۷۔ انعام ع ۹)

سب کو سُنا دیا۔ کہ میں خاک پتھر۔ اینٹ۔ روڑے۔ اور سورج۔ چاند۔ ستاروں کی پرستش کو محض باطل پرستی سمجھتا ہوں۔ اور میں اپنا معبود اُس ذات پاک کو بناتا ہوں۔ جس نے آسمان و زمین کو بنایا۔ سورج۔ چاند۔ اور ستاروں کو روشنی دی۔ اور اُن کو مقررہ رستوں پر چلایا۔ میں اُس ذاتِ پاک کے سوائے کسی دوسری چیز کو اپنا معبود نہیں بنا سکتا۔ اب میں صرف اُسی کا ہوں۔ علم و عقل۔ دلیل و برہان۔ تجربہ اور مشاہدہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بطور ایک رشلسٹ کے مختلف حالتوں کے اندر سے گذار کر آخر کار منزل مقصود پر پہنچا دیا۔ اور اُنہوں نے ذات پاک کے سامنے اپنے سر کو جُھکا دیا۔ اِس مثال کے پیش کرنے سے میرا مقصد یہ ہے۔ کہ حق و حقانیت کے متلاشیوں کو بہت سی ٹھوکریں کھا کر حقیقت تک پہنچنا پڑتا ہے۔ اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ دادا یا اپنی قوم کی لکیر کے فقیر بنے رہتے۔ تو اُن کو مذکورہ بالا قسم کی کوئی کشمکش نہ کرنی پڑتی۔ میں لکھ چکا ہوں کہ میں خدا سے کیوں روٹھ گیا تھا۔ ایک عرصہ دراز کے بعد مختلف تجربوں اور مشاہدوں نے مجھے خدا کی طرف آنے کے لیئے مجبور کر دیا۔ مگر اب میرا

خدا اُس خدا سے بالکل مختلف تھا۔ جو کہ مُلّاں لوگ میرے سامنے پیش کرتے تھے۔ میں اب خدا کو مُلّانوں کی طرح ساتویں آسمان سے اوپر کسی جگہ کرسی نشین نہیں سمجھتا تھا۔ میں اب اُس کو رمضان شریف کی کسی رات میں شہاب ثاقب کی طرح چمکنے والی چیز تصور نہیں کرتا تھا۔ مُلّانوں کی طرح میں اُس کو اب تیمور لنگ کی قسم کا بادشاہ نہیں سمجھتا تھا کہ جس کو فرشتوں نے کہاروں کی طرح پالکی میں سوار کرکے اُٹھا رکھا ہو۔ میں اسکو ایسا مجسٹریٹ نہیں مانتا تھا۔ کہ جو کثرت کام کی وجہ سے ملزموں کے مقدمات کو دوسروں سپرد کر دیتا ہو۔ یا لمبی لمبی تاریخیں ڈالتا رہتا ہو۔ الغرض خدا کے بارے میں میرا تصور اب اُس تصور سے بالکل جدا تھا۔ جو کہ مُلّاں لوگ میرے سامنے پیش کرتے تھے۔ میں اِس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا۔ کہ خدا میرے ہر اک سانس میں۔ میری ہر ایک حرکت میں میرے ہر ایک رگ و ریشہ میں طاری و ساری ہے۔ میں خدا میں ہوں اور خدا مجھ میں ہے۔ نہ صرف میں بلکہ یہ تمام کائنات اور کائنات کا ذرہ ذرہ خدا میں ہے۔ اور خدا اِس تمام کائنات اور اِس کائنات کے ذرہ ذرہ میں موجود ہے۔ کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں وہ نہ ہو۔ اُس کی تلاش کے لئے اور اُس کو شہاب ثاقب کی طرح آسمان پر روشن ہوتے ہوئے دیکھنے کے لئے میرا مُلّانوں کے کہنے پر آسمان کی طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنا محض حماقت تھی۔ اِس حقیقت کے انکشاف کے بعد خدا میرے لئے دلی عظمت اور پرستش کی چیز ہو گیا۔ اور بطور ایک صداقت کے وہ مجھے اِس تمام تجربہ اور مشاہدہ کے بعد نہایت ہی عزت اور محبت کی چیز محسوس ہونے لگا۔ مگر خدا کے متعلق اِس بہترین قسم کی تبدیلی کے ساتھ مُلّانوں کے لئے میرے دل میں بدترین قسم کی تبدیلی ہوتی گئی اور مجھے یہ لوگ سخت قابل نفرت معلوم ہونے لگے۔ میں کہا کرتا تھا کہ قرآن مجید میں حضرت آدم کو راہ راست سے بہکانیوالے جس شخص کا ذکر آتا ہے۔ وہ غالباً کوئی مُلّاں ہی ہوگا۔ اور میں خیال کرتا تھا کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں اخوان الشیٰطین سے بچنے کی نصیحت کی گئی ہے اِس کا مقصد مُلّانوں سے بچنے سے ہے۔ اگر اِن لوگوں کی رعونت دریا۔ نخوت و تکبر۔ کفر و تکفیر۔ مذہبی امور میں دنگہ و فساد۔ اپنے آپ کو جنتی اور دوسروں کو جہنمی بنانے اور بتانے کے پیشہ۔ جھوٹے قصے۔ اور بے بنیاد کہانیاں گھڑ کر لوگوں کو گمراہ کرنے کے کام پر

نظر باری جاوے تو میری اِس نفرت کے لئے جو کہ میرے دِل میں اِس گروہ کے لئے پیدا ہو گئی تھی بہت کچھ گنجایش نکل سکتی ہے۔ خدا کو اپنا اور اپنے آپ کو خدا کا بنا کر میں نے بدستور سابق درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور موگہ میں رہتے ہوئے وہاں کے سرکاری سکول میں ایک طرف تو میں بطور تھرڈ ماسٹر کے کام کرنے لگ پڑا۔ دوسری طرف میں نے رات کے وقت دوکانداروں یا دیگر مزدوری پیشہ اصحاب کو بغیر کسی قسم کی فیس وغیرہ کے مفت پڑھانے کے لئے ایک نائٹ سکول جاری کر دیا۔ اسی اثنا میں میرے پاس گوجرانوالہ اسلامیہ ہائی سکول کے منیجر صاحب کے خطوط آنے لگے کہ اگر میں گوجرانوالہ آجاؤں تو وہ مجھے وہاں کے ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر مقرر کر دینگے۔ چونکہ منیجر صاحب میرے بہنوئی کے سگے چچا تھے۔ اور میں اُن کا لحاظ بھی کرتا تھا۔ اِس لئے اُن کے زیادہ زور دینے پر میں گوجرانوالہ چلا گیا۔ اور وہاں اسلامیہ ہائی سکول میں میں نے بطور ہیڈ ماسٹر کے کام کرنا شروع کر دیا۔ مگر یہ عالم برزخ بھی بہت جلدی ہی ختم ہو گیا۔ اور اِس کے خاتمہ کا باعث بھی طلازم ہی ہوا +

ستائیسویں فصل

زندہ قبرستان

اتنے عرصہ تک "کافرستان" میں پھرنے کے بعد جب میں اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ کا ہیڈ ماسٹر ہوکر گوجرانوالہ پہنچا۔ تو مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ کہ آخر میں اپنے ایک قومی انسٹی ٹیوشن میں آگیا۔ میں نے دیکھا۔ کہ بدانتظامی کی وجہ سے سکول کی حالت نہایت ابتر ہو رہی ہے۔ اُستادوں اور طالب علموں کے تعلقات سخت قابل اعتراض ہیں۔ فنڈ کی قلت کی وجہ سے اُستادوں کو وقت پر تنخواہ نہ ملنے کے باعث "مزدور خوش دل کند کار بیش" کے قطعی برعکس ہو رہا ہے۔ فیس کی وصولی کا کوئی باقاعدہ انتظام نہیں۔ لڑکے ایسے گستاخ ہیں۔ کہ سکول کے گھنٹوں میں اُستادوں کا مقابلہ کرتے ہیں۔ میرا پہلا مہینہ سکول کے اِن تمام نقائص کو دور کرنے میں لگ گیا۔ اور مجھے اِس میں پوری کامیابی ہوئی۔ سکول ترقی کی شاہ راہ پر چل پڑا۔ مگر میں لڑکوں کو صرف کتابی تعلیم ہی دینا نہیں چاہتا تھا۔ بلکہ اُن کو دینی معاملات میں بھی کچھ سُنانا چاہتا تھا۔ یہاں سے ہی میری مُلّانوں سے چھڑ گئی۔ سکول میں دو مرتبہ نصف گھنٹہ کی چھٹی کی جاتی تھی۔ دو مرتبہ چھٹی کا مطلب یہ رکھا گیا تھا۔ کہ پہلی دفعہ تو لڑکے تفریح کرتے تھے اِس کے بعد دو ڈھائی بجے اُن کو پھر نصف گھنٹہ کی چھٹی نماز پڑھنے کے لئے دیجاتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ لڑکے بجائے نماز پڑھنے کے بازاروں میں آوارہ پھرتے حُقّے پیتے۔ تاش کھیلتے۔ اور اِس قسم کی حرکات میں وقت ضائع کرتے ہیں۔ میں نے سکول کے ٹائم ٹیبل میں ایسی تبدیلی کر دی۔ کہ دو دفعہ چھٹی کے بجائے ڈیڑھ بجے کے قریب صرف ایک ہی دفعہ چھٹی دیجایا کرے۔ اِس وقت میں جس نے نماز پڑھنی ہو۔ وہ نماز پڑھ لے۔ جس نے کچھ کھانا پینا ہو وہ کھا پی لے۔ اور جس نے آرام کرنا ہو۔ وہ آرام کرے۔ اِس

تبدیلی سے میں نے سکول ٹائم کا نصف گھنٹہ ضائع ہونے سے بچا لیا۔ اور نماز پڑھنے والوں کو نماز کے لئے بھی پورا وقت مل گیا۔ ہر ایک عقلمند آدمی سمجھ سکتا تھا۔ کہ یہ نہایت ہی عمدہ تبدیلی تھی۔ اور اس میں کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش نہیں تھی۔ مگر اس مفید تبدیلی پر مُلّانوں کو جن کے حق میں قرآن پاک نے "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ" فرمایا ہے۔ سخت طیش آ گیا۔ اور انہوں نے اس تبدیلی کا یہ نتیجہ نکالا۔ کہ چونکہ میں "آریہ" ہوں۔ اس لئے میں نے سکول میں نماز کی چھٹی بند کر دی ہے۔ اور لڑکوں کو نماز پڑھنے سے روک دیا ہے۔ حالانکہ میں آریہ نہیں تھا۔ اور نہ ہی میں نے لڑکوں کو نماز پڑھنے سے روکا تھا۔ میں چونکہ کسی قسم کے شور شرابہ سے دبنے والا نہیں تھا۔ اس لئے میں نے ملانوں کی اس بکواس کی پرکاہ کے برابر بھی پرواہ نہ کی۔ اس اصلاح کے بعد اب میں نے مسلمان طلباء کو نماز کے متعلق لکچر دینا شروع کیا۔ میں نے اُن سے سوال کیا۔ کہ کیا جو کچھ تم نماز کے وقت مُنہ سے کہتے ہو اُس کے تم مطالب و معانی بھی جانتے ہو یا نہیں۔ مجھے معلوم ہوا۔ کہ تمام لڑکے بالکل کورے ہیں۔ اُن میں سے بعض کو تو سورہ فاتحہ بھی یاد نہیں تھی۔ جن کو یاد تھی۔ وہ اس کے معانی سے بالکل ناآشنا تھے۔ میں نے اُن کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ قرآن مجید ہمیں ہدایت کرتا ہے۔ کہ

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ۔ (نساء ع ۷)

تم نشے کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ جب تمہارا نشہ اُتر جائے۔ اور تم اس بات کو سمجھنے لگ جاؤ۔ کہ تم کیا کہتے ہو۔ اُسوقت نماز پڑھو۔ میں نے طلباء کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ یہاں نشہ سے مراد فقط شراب نوشی سے ہی ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ ہر ایک ایسی حالت سے ہے جو کہ ہمارے اور ہمارے خدا کے درمیان جُدائی کا پردہ ڈال دیتی ہو۔ شراب کا نشہ بھی نشہ ہے۔ مگر نخوت و تکبر۔ ریا و رعونت غیض و غضب۔ اور سب سے بڑھ کر جہالت بھی ایک نشہ ہے۔ جو شخص محض اس لئے نماز پڑھتا ہے کہ وہ اپنی قوم میں نمازی کہلائے۔ اور وہ اپنے نمازی ہونے کے گھمنڈ میں دوسروں پر کفر کے فتوے لگائے۔ یا جو شخص محض رسمی طور پر چند حرکات ادا کر کے

یہ سمجھ لیتا ہے۔ کہ اُس نے خدا کو "رشوت" دے دی۔ اور خدا اُس کی اِن حرکات سے دھوکہ میں آگیا۔ وہ شخص نماز نہیں پڑھتا۔ بلکہ وہ خدا کے ساتھ دل لگی کرتا ہے۔ وہ نماز کی ادائگی کے لئے مسجد کی طرف قدم نہیں اُٹھا رہا۔ بلکہ جہنم کی طرف جا رہا ہے۔ جو شخص بقول پنجابی مثل "دن نوں اللہ ہو۔ رات نوں جندے دھوۓ" مسجد میں جا کر الحمد للہ رب العلمین کے ذریعہ یہ اقرار کرتا ہے۔ کہ وہ سب کے خالق ورازق خدا کا ویسا ہی بندہ ہے۔ جیسے کہ اُس کے دوسرے بھائی ہیں۔ مگر جب مسجد سے باہر نکلتا ہے۔ تو اپنے ہی بھائیوں کو ایذا دیتا ہے۔ دنگہ فساد کرتا ہے۔ دھوکہ دیتا ہے۔ جھوٹ بولتا ہے۔ شراب پیتا ہے۔ اور ہر ایک قسم کا فسق وفجور کرتا ہے۔ ایسا شخص مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے نہیں جاتا۔ بلکہ خدا کے ساتھ مخول کرنے کے لئے جاتا ہے۔ اِس لئے کہ نماز کا مدعا "اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ" ہے۔ اگر کسی شخص کی نماز اُس کو ہر ایک قسم کی شرارت اور فسق وفجور سے روکنے میں عاجز ہے۔ تو سمجھنا چاہئے۔ کہ اُس شخص نے نماز کا مقصد نہیں سمجھا۔ اور اُس نے خدا کی حضوری میں کھڑے ہو کر خدا کے سامنے تمام خواہشات ومنکرات سے بچنے کا عہد نہیں کیا۔ بلکہ اُس نے نہایت ہی بے شرمی اور ڈھٹائی سے خانہ خدا میں جا کر خدا کے سامنے کھڑے ہو کر خدا کو چیلنج دیا ہے۔ کہ میں تیرے حق غازی کی ذرہ بھر پرواہ نہیں کرونگا۔ بلکہ بدستور سابق فواحشات منکرات کا ارتکاب کرونگا۔ ایسے بے شرم لوگوں کے لئے بھی قرآن مجید کا یہی حکم ہے۔ کہ وہ خانہ خدا میں جا کر نماز کے بہانے سے خدا کے ساتھ دل لگی نہ کریں۔ اسی طرح جو شخص خدا کی حضوری میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ اور وہ منہ سے قرآن مجید کی چند آئتیں پڑھ بھی دیتا ہے۔ لیکن اُس کو اِس بات کا پتہ نہیں ہے۔ کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے۔ اُس کا کیا مطلب ہے۔ وہ بھی ایک مخمور کی پوزیشن میں ہے۔ جب تم ایک معمولی ڈپٹی کمشنر کے پاس جاتے ہو تو تم کو اچھی طرح پتہ ہوتا ہے کہ تم نے اُس کے سامنے کیا عرض ومعروض کرنی ہے۔ ڈپٹی کمشنر کے اِس سوال پر کہ تم کیا چاہتے ہو۔ تم فوراً کہہ دیتے ہو۔ کہ ہم یہ یا وہ بات چاہتے ہیں۔ شرم کی بات ہے کہ تم رب العلمین کی حضوری میں جاؤ۔ لیکن تم کو اِس بات کا علم نہ ہو۔ کہ تم اُس کے پاس کیوں جاتے ہو؟ اور کیا عرض ومعروض کرنا

چاہتے ہو؟ تم جو کچھ اُس کے سامنے بول رہے ہو۔ اُس کا کیا مطلب ہے؟ اور تمہارا مدعا کیا ہے؟ تم فرض کر سکتے ہو۔ کہ تم نے نماز ادا کرلی۔ اور تم خدا کی بندگی سے سبکدوش ہوگئے۔ مگر قرآن مجید تمہاری اِس قسم کی نماز کو نماز تسلیم نہیں کرتا۔ بلکہ ایک شرابی یا مخمور کی حرکات سے تشبیہ دیتا ہے۔ جس کو کچھ علم نہیں ہے۔ کہ وہ کیا بک رہا ہے اور کیا کر رہا ہے۔ اِس قسم کی نماز محض دھوکہ بازی ہے۔ اور وہ لوگ جو اِس طرح خانہ خدا میں جاکر یا مذہب کی آڑ میں خدا کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ اُن کے متعلق کہا گیا ہے۔ کہ

"یُخٰدِعُوْنَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا یَشْعُرُوْنَ" کہ وہ مذہب اور مذہبی شعائر کی آڑ میں خدا کو اور خدا کے مخلص بندوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے۔ کہ وہ خود بیوقوف بن رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ تم بے نماز کہلاؤ۔ تاکہ تم ریاکاری اور دھوکہ دہی کے جرم سے بچے رہو۔ بہتر ہے کہ تم "جامہ تذویر مکن چوں دگراں قرآں را" پر عمل کرو۔ مگر خدا کو اور خدا کے بندوں کو اپنی نماز کی آڑ میں دھوکہ مت دو۔ اِس لئے کہ جب تم نماز کی غرض و غایت۔ نماز کے مقصد و معراج پر خاک ڈال لیتے ہو تو تمہارے اُٹھنے بیٹھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اور ہر ایک ایسے شخص کے لئے جو نہیں جانتا۔ نہیں سمجھتا۔ کہ وہ خدا کی حضوری میں کھڑا ہو کر کیا کہتا ہے۔ قرآن مجید نے حکم دیا ہے۔ کہ وہ نماز کے نام سے خدا کے ساتھ دل لگی نہ کرے۔ اور وہ اِس فعل سے باز رہے۔

اِس لکچر کے بعد میں نے طلباء کو تاکید کی۔ کہ وہ کم از کم سورۂ فاتحہ کے معانی جاننے کی کوشش کریں۔ جب میرے اِن خیالات کی رپورٹ ملاؤں کو ملی۔ تو اُن میں سخت ہل چل مچ گئی۔ اسی ہفتہ دو تین مسلم اخبارات نے بھی میرے برخلاف شور مچا دیا۔ کہ اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ کا ہیڈ ماسٹر آریہ ہے۔ اور وہ لڑکوں کو نماز پڑھنے سے منع کرتا ہے۔ حالانکہ یہ محض جھوٹ تھا۔ بلکہ اصلیت بالکل کچھ اور تھی۔ مگر اُن مُلّاؤں کے جو "تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوا الْحَقَّ" کے مخاطب ہیں۔ ایک بات ہاتھ لگ گئی۔ اور وہ اصلیت کو جاننے کے بغیر آپے سے باہر ہوگئے۔ مگر چونکہ سکول کا منیجر نسبتاً آزاد شخص تھا۔ اور وہی سکول کے اخراجات ادا کرنے کا

ذمہ وار بھی تھا۔ اور کچھ رشتہ داری کی وجہ سے وہ میرا لحاظ بھی کرتا تھا۔ اِس لئے ملانوں کی اُس کی موجودگی میں کوئی پیش نہ گئی۔ مگر اتفاقاً منیجر صاحب کو دو تین روز کے لئے گوجرانوالہ سے باہر جانا پڑا۔ ملانوں نے اِس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور وہ پرہ باندھ کر سکول میں آ گئے۔ اُن کے ٹخنوں سے بالشت بھر اونچے پائجامے۔ اُن کی لمبی لمبی داڑھیاں اُن کی نراشیدہ موچھیں۔ اُن کے ٹیڑھے ترچھے عمامے۔ اور اُن کے لمبے لمبے چوغے حضرت مسیح علیہ السلام کے الفاظ میں "چونہ کی ہوئی قبروں" کا زندہ نظارہ پیش کر رہے تھے۔ میں انٹرنس کے طلباء کو پڑھا رہا تھا۔ کہ اِتنے میں یہ "زندہ قبرستان" میرے کمرے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ مجھے اِس بات کا علم نہیں تھا۔ کہ اِن میں سے کس کس شخص کا مینیجنگ کمیٹی سے تعلق ہے۔ میں نے اُن کو محض ملاقاتی سمجھا۔ اور میں نے اُن کو اپنے کمرے میں بُلا لیا۔ اُن میں سے ایک شخص نے مجھ سے آرڈر بک دیکھنے کے لئے مانگی۔ میں نے اُس کو دیدی۔ اِتنے میں ایک مُلّاں صاحب نے اِس بات پر گفتگو شروع کی۔ کہ میں نے سکول میں نماز کی چھٹی کیوں بند کر دی ہے۔ میں نے اِس کا جواب دیا۔ جب اِس پر اُن کا ناخن نہ اٹکا۔ تو اُنہوں نے میرے اِس لکچر پر گفتگو شروع کی۔ جو کہ میں نماز کے متعلق طلبا کو سُنا چکا تھا۔ جب میں نے اُن کے سامنے بھی اُن ہی خیالات کا اعادہ کیا۔ تو وہ سخت جھلا اُٹھے۔ اِتنے میں جس شخص نے مجھ سے آرڈر بک دیکھنے کے لئے مانگی تھی۔ اُس میں اُس نے میرے نام حکم لکھا۔ کہ چونکہ تمہارے خیالات ٹھیک نہیں ہیں اِس لئے سکول ہذا میں تمہاری خدمات کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ حکم لکھ کر اُس نے مجھے کہا۔ کہ اِس پر دستخط کر دو۔ جب میں نے اِس حکم کو پڑھا۔ تو مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ اِس "زندہ قبرستان" کا سکول میں آنے کا کیا مدعا تھا۔ میں نے آرڈر بک میں سے اُس "ابلیس نامہ" کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے بوٹ کے نیچے مسل ڈالا اور میں نے اُن سے کہا۔ کہ میں نہیں جانتا۔ آپ کون شخص ہیں۔ جو منیجر کی عدم موجودگی میں بلوہ کرنے کے لئے سکول میں آ گھسے ہیں۔ یا تو آپ باہر تشریف لے جائیں۔ ورنہ میں باہر چلا جاؤنگا۔ کیونکہ میں فساد کے حق میں نہیں ہوں۔ ملانوں نے باہر جانے سے انکار کر دیا۔ میں نے چند ضروری رجسٹر اور آرڈر بک اُٹھائے اور گھر چلا گیا۔ تاکہ فساد نہ ہو۔ چند روز کے بعد منیجر صاحب بھی تشریف لے آئے۔ میں نے اُن کو سارا قصہ سُنا کر

اُن کے سامنے اپنا استعفےٰ رکھ دیا۔ اُنہوں نے اِس بات پر زور دیا۔ کہ میں استعفےٰ نہ دوں۔ اور کہ اُن کی غیر حاضری میں کسی شخص کا یہ حق نہیں تھا۔ کہ وہ مجھے کچھ کہتا لیکن جب مجھے معلوم ہوا۔ کہ سکول کی مینیجنگ کمیٹی میں زیادہ عنصر ملاتوں کا ہے۔ تو میں نے استعفےٰ واپس لینے سے اِنکار کر دیا۔ اِس لئے کہ میں اِس سے پیشتر ہی ملانوں سے سخت متنفر ہو چکا تھا۔ اور میں اُن کی اطاعت کرنے یا اُن سے دوستی رکھنے کو شیطان کی اطاعت کرنے یا دوستی رکھنے کا مترادف سمجھتا تھا۔ اور میرا یہ خیال تھا۔ کہ اگر دنیا میں اجبث الناس یا شر البریّۃ یا بدترین مخلوق کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ تو صرف اِسی گروہ پر ہو سکتا ہے۔ اِسی گروہ کو حضرت مسیح علیہ السلام نے "چونہ کی ہوئی قبروں" اور "سانپوں کے بچوں" کا خطاب دیا ہے۔ جو باہر سے ٹھیک ٹھاک اور خوبصورت۔ مگر اندر سے بدبودار۔ اور اپنی کچلیوں میں زہر پوشیدہ رکھتا ہے۔ میں خیال کرتا تھا۔ کہ میں نے اپنی جس زندگی کو ایک ہندو درسگاہ کے لئے قربان کرنے کا عہد کیا تھا۔ میں اپنے اِس عہد کو ایک مسلم یا اپنی قومی درسگاہ میں پورا کرنے کا موقع پا سکونگا۔ یہی وجہ تھی کہ باوجود گریجوایٹ ہونے کے میں اِس سکول میں نہایت ہی قلیل گذارہ لیکر بطور ہیڈ ماسٹر کے کام کر رہا تھا۔ مجھے کہا گیا۔ کہ اگر میں اِستعفےٰ واپس لے لوں۔ تو میری تنخواہ پہلے سے ڈبل کر دی جائیگی۔ مگر یہ تنخواہ کا جھگڑا نہیں تھا۔ بلکہ خیالات کی آزادی کا سوال تھا میں اپنے خیالات کو بڑی سے بڑی تنخواہ یا لالچ کے لئے بھی فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اور اگر مجھے خیالات کی آزادی مل گئی ہوتی۔ تو میں سوکھے ٹکڑے کھا کر بھی سکول میں اپنے فرائض کو پورا کرتا چلا جاتا۔ لیکن مُلّاں لوگوں کو یہ منظور نہیں تھا۔ میں نے بھی جب دیکھا کہ یہ مُلّاں لوگ سب جگہ میرا تعاقب کر رہے ہیں۔ تو میں نے کسی بلند جگہ پر مورچہ قائم کر کے اِن پر گولہ باری کرنے کی ٹھان لی +

اٹھائیسویں فصل

محاذ

میرا خیال تھا کہ میں ایک صراط المستقیم یا ترقی کے راستے پر چل رہا ہوں - اور کہ میرے راستے میں اگر کوئی ٹھوکر کھلانے والا پتھر ہے - تو یہی مُلّاں لوگ ہیں - چونکہ اِس پتھر کے ساتھ میں دو مرتبہ ٹھوکر کھا چکا تھا - اِس لئے میں نے اُس کو ایک لعنت کی چیز تصور کیا - اور اُس کو راستے میں سے اُکھاڑ پھینکنے کی سوچی - مُلانوں سے میری یہ نفرت دِن بدن بڑھتی چلی جا رہی تھی - میں اِسلام کو روزمرہ کی زندگی میں کام میں آنے کی چیز بنانے کے درپے تھا - لیکن مُلّاں لوگ اِسلام کو محض اعتقادات تک محدود رکھنے کے حق میں تھے - یہی وجہ تھی - کہ جب وہ میرے اعتقادات کو اپنے معیار کے مطابق نہیں پاتے تھے - تو وہ میرے برخلاف شورش کرتے تھے - اور جب میں اُن کے اعمال کو اپنے معیار کے مطابق نہیں دیکھتا تھا - تو میں اُن کے حق میں کوئی کلمۂ خیر کہنے کے لئے تیار نہیں تھا - لیکن مُلّانوں کا پلڑا بھاری تھا - اِس لئے کہ اُن کے ہاتھ میں سوسائٹی کی باگ ڈور تھی - وہ درسگاہوں کے مالک تھے - اخبارات کے کالم اُن کے لئے کُھلے تھے - وہ مجھ پر ہر ایک قسم کا وار کر سکتے تھے - بلکہ کر رہے تھے - مجھے اتنی آزادی بھی حاصل نہیں تھی - کہ شاہجہاں کی طرح چند بچّوں کے سامنے ہی اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا - مگر میں دنیا کی بڑی سے بڑی چیز کی خاطر بھی اپنے خیالات کی آزادی کو فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا - اور نہ ہی میری طبیعت اِس بات کو گوارا کر سکتی تھی کہ میں اپنے خیالات کو پوشیدہ رکھوں - آخر کار جب میرا دم گھٹنے لگا - تو میں نے سوچا - کہ یا تو گھر میں رہ کر ہی اِس بھڑوں کے چھتے میں آگ لگا دینی چاہیئے یا گھر سے باہر نکل کر گھر کو ہی پھونک دینا چاہیئے - تاکہ بھڑیں بیچ میں جل کر خاک سیاہ

ہو جائیں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ ایک بند کمرے کے اندر رہتے ہوئے بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا میرے لئے نہایت خطرناک ہوگا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ میں اس کمرے سے پہلے باہر نکل جاؤں اور کسی محفوظ جگہ پر مورچہ قائم کر کے اس گھر پر جس میں کہ مجھے ایذا دینے والی اور ستانیوالی بھڑوں کا چھتا لگ رہا ہے۔ گولہ باری کروں اور بھڑوں کو مکان کے اندر ہی بھون ڈالوں۔ تجربہ اور عمر کے لحاظ سے میرا یہ فیصلہ ایک پُر خطر فیصلہ تھا۔ میری عمر مشکل سے اُسوقت اکیس برس کی ہوگی۔ تجربے کے لحاظ سے میں ایک کچا نوجوان تھا۔ مگر میری جوانی کے جوش نے مجھے مذہبی دنگل میں اُترنے کی ترغیب دی۔ میں دریا کی طرح اپنا انجنیر آپ ہی تھا۔ اگر میرے سر پر کوئی تجربہ کار صلاح کار یا مشیر ہوتا۔ تو شائد میں اس خار دار راستے پر قدم نہ رکھتا۔ بلکہ میں آج ایک اعلیٰ درجہ کا کامیاب پلیڈر۔ یا اعلیٰ درجہ کا ڈاکٹر بن کر بجائے کانٹوں کے بستر پر سونے کے ایک آرام دہ بستر پر لیٹا ہوا ہوتا۔ اور اس کے ساتھ ہی جس کام کی تکمیل میں مجھے آج صدہا مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے۔ میں اس کام کو بھی بوجوہ احسن پورا کر سکتا۔ مگر قدرت کو یہ منظور نہیں تھا۔ بلکہ اُس کو یہی منظور تھا۔ کہ میں یعقوب کی طرح کُشتی لڑوں۔ خواہ اس کُشتی میں میری ران کی نس کھچ ہی کیوں نہ جائے۔ میں خدا کے ساتھ کشتی لڑ چکا تھا۔ اور اُس کشتی میں خدا نے مجھے چاروں شانے چت گرا دیا تھا۔ اور میں خدا کی قدرت۔ جبروت۔ طاقت اور عظمت کا ایسا قائل ہو چکا تھا۔ کہ اُس کے بعد خدا کی ہستی سے انکار کرنے کا مجھے کبھی حوصلہ نہیں ہوا۔ یہ اسلام کا پہلا جز لا الٰہ الا اللہ تھا۔ جو کہ تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر میرے دل پر نقش ہو چکا تھا۔ مگر اسلام کا دوسرا جز ملانوں کے قبضے میں تھا۔ اور ملانوں سے میں سخت نفرت کرتا تھا۔ اس نفرت کے ساتھ میرے دل میں اسلام کے دوسرے جز کے لئے بھی نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ خدا کو یہی منظور تھا کہ میں ملانوں کے ساتھ بھی جنگ کروں۔ چنانچہ میں نے جنگ کی ٹھان لی۔ میں ایک مدت سے دیگر مذاہب کی کتب کا مطالعہ کرتا چلا آ رہا تھا۔ میں ان مذاہب میں سے کسی ایک کو اس جنگ میں بطور محاذ کے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد میں نے اپنے لئے مسیحیت اور آریہ سماج میں سے ایک کا انتخاب کرنا چاہا۔

میرے تعلقات زیادہ تر مسیحیوں کے ساتھ تھے۔ چونکہ میں مشن کالج لاہور کا تعلیم یافتہ تھا۔ اس لئے مسیحیوں کو حق شفع کا موقع حاصل تھا۔ میں بڑے غور اور عزت کے ساتھ بائبل کا مطالعہ کیا کرتا تھا۔ رومن کیتھولک گرجاؤں میں مسیحی شہیدوں اور حضرت مسیح اور حضرت مریم علیہما السلام کی جسقدر تصاویر دیکھنے میں آتی تھیں۔ اُن میں سے بہت سی تصاویر کو میں نے خوبصورت چوکٹوں میں جڑوا کر اپنے مطالعہ کے کمرہ میں لگا رکھا تھا۔ اور میں اُن کو ایک رومن کیتھولک مسیحی کی نظر سے دیکھا کرتا تھا۔ گو میں مسیحی نہیں تھا۔ اگر میں امن چین اور راحت و آرام کی زندگی بسر کرنے کا خواہشمند ہوتا۔ تو مجھے فوراً مسیحی ہو جانا چاہئے تھا۔ اس لئے کہ مسیحی ہو کر مجھے ہر ایک قسم کے دنیوی مفاد مل سکتے تھے۔ لیکن میں اس قسم کی زندگی بسر کرنے کا طالب نہیں تھا۔ بلکہ میں میدانِ کارزار کی تلاش میں تھا۔ اور میں اپنے توپ خانے کو جمانے کے لئے کسی ایسی پہاڑی کی تلاش کر رہا تھا کہ جہاں سے میں خاطر خواہ ملانوں پر گولہ برسا سکوں۔ میں نے دیکھا کہ مسیحی لوگ اس پہلو میں بہت مرعوب سے ہیں۔ وہ ملانوں پر حملہ تو کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن جب ملانوں کی طرف سے اُن کے حملہ کا جواب ملتا ہے تو وہ میدان چھوڑ جاتے ہیں۔ میں نے خیال کیا۔ کہ اگر میں مسیحیوں میں اپنا مورچہ قائم کر کے ملانوں پر گولہ برساؤنگا تو مسیحی اس جنگ کی ہرگز تاب نہیں لا سکینگے۔ اور اس بارے میں وہ میری کسی قسم کی مدد کرنے کی بجائے اُلٹا میری ٹانگ کو پیچھے گھسیٹنے کی کوشش کرینگے۔ دوسری خرابی یہ ہے۔ کہ ملانوں کی جس قسم کی تنگ ظرفی کے برخلاف میں جہاد کرنا چاہتا ہوں۔ تقریباً اسی قسم کی بلکہ بعض صورتوں میں اس سے زیادہ بڑھی ہوئی تنگدلی مسیحیوں میں دیکھی جاتی ہے۔ پس اگر ملانوں نے میرے جواب میں مسیحیوں کے اعتقادات پر حملہ کیا۔ تو میں اس حملہ کا کوئی جواب نہیں دے سکونگا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ مجھے ندامت اُٹھانی پڑیگی۔ اور میری وجہ سے مسیحیوں کو بھی نقصان پہنچیگا۔ پس مجھے مسیحیوں کی کمزور زمین پر اپنا مورچہ نہیں بنانا چاہئے۔ کیونکہ یہ میری شکست کا موجب ہوگا۔ بنابریں میں نے مسیحیت کو اپنے فیصلہ میں خارج کر دیا۔ اب صرف آریہ سماج میرے لئے باقی رہ گیا۔ میں نے دیکھا کہ آریہ سماج کا ممبر بننے کے لئے میرے لئے آریہ سماج کے مفصلہ ذیل دس نیموں یا اصولوں کو ماننا ہی کافی ہوگا۔

آریہ سماج کے دس نیم

(۱) سب ستیہ ودیا اور ستیہ ودیا سے جو پدارتھ جانے جاتے ہیں۔ اُن سب کا آدمی مُول پرمیشور ہے ٭

(۲) ایشور۔ سچدانند سروپ۔ نراکار۔ سروشکتیمان۔ نیاء کاری۔ دیالو۔ اجنما۔ انت نروکار۔ انادی۔ انوپم۔ سروآدھار۔ سروایشور۔ سروویاپک۔ سروانتریامی اجر۔ امر۔ ابھے۔ نیتہ پوتر اور سرشٹی کرتا ہے۔ اُس کی اُپاسنا کرنی یوگیہ ہے ٭

(۳) وید ستیہ ودیاؤں کا پستک ہے۔ وید کا پڑھنا۔ پڑھانا اور سُننا سُنانا سب آریوں کا پرم دھرم ہے ٭

(۴) ستیہ کے گرہن کرنے اور استیہ کے چھوڑنے میں سَروداُدیّت رہنا چاہیئے ٭

(۵) سب کام دھرم انوسار ارتھات ستیہ اور استیہ کو وچار کر کرنے چاہئیں ٭

(۶) سنسار کا اُپکار کرنا اس سماج کا مکھیہ اُدیش ہے۔ ارتھات شاریرک آتمک اور ساماجک اُنتی کرنا ٭

(۷) سب سے پریتی پوروک دھرم انوسار یتھایوگیہ برتنا چاہیئے ٭

(۸) اوویا کا ناش اور ودیا کی وردھی کرنی چاہیئے ٭

(۹) پرتیک کو اپنی ہی اُنتی سے سنتشٹ نہ رہنا چاہیئے۔ کنتو سب کی اُنتی میں اپنی اُنتی سمجھنی چاہیئے ٭

(۱۰) سب منشیوں کو ساماجک سروہتکاری نیم پالنے میں پرتنتر رہنا چاہیئے اور پرتیک ہتکاری نیم میں سب سوتنتر رہیں ٭

اِن اصولوں میں سے صرف تیسرا اصول ایسا تھا۔ کہ جس کو سمجھنے کے لئے مجھے کسی قدر دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اِس لئے کہ میں نے وید کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔ اور میں نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہ وید درحقیقت ستیہ ودیاؤں کا پستک ہے یا نہیں۔ اِس مشکل کو حل کرنے کے لئے میں نے سوامی دیانند کی تصانیف ستیارتھ پرکاش رگویدآدی بھاشیہ بھومکا۔ آریہ بھونے۔ اور کسیقدر حصہ وید بھاشیہ کا بھی پڑھ ڈالا۔

اور میں نے نتیجہ نکال لیا کہ وید کو سنتیہ ودیاؤں کا پستک ماننے سے کیا مراد ہے۔
میں نے سوچا کہ ملانوں پر گولہ باری کرنے کے لئے آریہ سماج ایک بہترین محاذ ہے
جہاں پر میں مورچہ بنا سکتا ہوں۔ اگر وہ میرے حملوں کے جواب میں آریہ سماج پر
یا مجھ پر کوئی حملہ کرینگے۔ تو میں اُن کے ہر ایک ایسے حملہ کو آریہ سماج کے دس
اصولوں کی آڑ میں رکھ کر باطل کر دونگا۔ اور اگر وہ کسی ایسی کمزور جگہ پر ہاتھ ڈالینگے
کہ جس کا میرے پاس کوئی جواب نہ ہو۔ تو میں اُن کی اِس گرفت سے یہ کہکر کہ آریہ سماج
کے دس اصولوں میں اِس کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ بنا بریں میں اِس کا قائل نہیں
ہوں۔ فوراً نکل جاؤنگا۔ میں نے سوچا کہ آریہ سماج کے دس اصول ملانوں کو مارنے
کے لئے بہترین ڈھال ہیں۔ یہ ڈھال میرے لئے اور بھی زیادہ کشش کی چیز
ہو گئی۔ جبکہ میں نے دیکھا۔ کہ آریہ سماجی لوگ مجھ سے پیشتر ہی ملانوں کے ساتھ اُلجھ
رہے تھے۔ خاصکر پنڈت لیکھرام کے قتل نے آریوں کے خون میں مسلمانوں کے
برخلاف ایک تازہ اُبال دے رکھا تھا۔ میں نے اِن تمام حالات کو اپنے حق میں
پایا۔ اور میں منتظر تھا۔ کہ کوئی آریہ سماجی اِس پہلو میں میرے ساتھ گفتگو شروع
کرے۔ اور میں فیصلہ کر ڈالوں۔ چنانچہ یہ موقع بھی مجھے جلدی ہی مل گیا۔ ایک روز
جبکہ میں شام کے وقت ریل کی ساتھ والی سڑک پر سیر کے لئے جا رہا تھا۔ تو شہر سے
میل سوا میل کے فاصلہ پر مجھے سرکنڈوں میں ایک چھوٹا سا لڑکا پیلی دھوتی پہنے
ہوئے کھڑا نظر آیا۔ میں نے سمجھا کہ یہ لڑکا شاید اپنے والدین سے پیچھے رہ گیا ہے
یا راستہ بھول گیا ہے۔ اور یہ سرکنڈوں میں اُلجھ رہا ہے۔ میں اُس کی مدد کے
لئے آگے بڑھا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ تم یہاں کیوں کھڑے ہو۔ وہ لڑکا میرے
سوال کا جواب دینے کی بجائے چھلاوے کی طرح میرے سامنے سے بھاگا۔ اور سرکنڈوں
میں سے کودتا پھاندتا ایک چھوٹے سے باغیچہ میں چلا گیا۔ میں بھی اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیا
وہاں جاکر میں نے دیکھا۔ کہ وہ اکیلا ہی نہیں ہے۔ بلکہ اُس کے ساتھ کے اور بھی کتنے
ہی پیلی دھوتی پہنے ہوئے لڑکے موجود ہیں۔ میں مکان کے اندر چلا گیا۔ وہاں ایک
سفید ریش بزرگ بیٹھے تھے۔ دوسری طرف ایک دُبلا پتلا جنٹلمین پاؤں سے ننگا
سر سے ننگا۔ پتلون کرتے کے اوپر ٹانکے ہوئے ٹہل رہا تھا۔ لڑکے اُس کو "ماں۔ماں"

کر کے پکارتے تھے۔ ان دونوں صاحبان سے میری علیک سلیک ہوئی۔ وہ بڑی شرافت سے پیش آئے۔ مجھے معلوم ہوا۔ کہ وہ آریوں کا سکول ہے۔ اس کو ویدک پاٹھ شالا اور گوروکل کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ سفید ریش بزرگ اور اس پتلون پوش جنٹلمین سے میری بہت دیر تک مذہبی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ اس گفتگو کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ ہم پہلی ہی ملاقات میں ایک دوسرے کے خاصے دوست بن گئے۔ دوسرے دن پھر چلا گیا۔ اور کچھ مزید گفتگو ہوئی۔ چند دن کے بعد ہمارا اتارورہ مل گیا۔ میں تو پہلے ہی سے آریہ سماج کے مقابلہ پر اپنا مورچہ بنانے کی فکر میں تھا۔ اونگھتے کو ٹھیلنے کا بہانہ مل گیا۔ آخر کار آریہ سماج گوجرانوالہ کے ممبروں کی صلاح مشورہ کے بعد اخبارات میں ایک عام نوٹس دیدیا گیا۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ ایک جنم کے مسلمان عالم۔ فاضل۔ مولوی۔ یونیورسٹی کے گریجوایٹ۔ اور اسلامیہ ہائی سکول گوجرانوالہ کے ہیڈ ماسٹر سالہا سال کی تحقیقات کے بعد ویدک دھرم کی صداقت کے قائل ہو گئے ہیں۔ اب ۱۴ رجون ۱۹۰۳ء کو ان کی شدھی ہوگی۔ وغیرہ وغیرہ۔ نوٹس کی عبارت آرائی میں میں نے کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ بلکہ آریہ دوستوں نے خود ہی جو الفاظ موقع کے مناسب سمجھے۔ نوٹس میں لکھ دئے۔

نوٹس کے شائع ہوتے کے ساتھ ہی چاروں طرف تہلکہ مچ گیا۔ ہندوؤں نے تو رام رام کرنا شروع کر دیا۔ خود آریہ سماج کے ہی بہت سے اصحاب نے جو ہندو خیالات کے تھے۔ اس بات کی مخالفت کی۔ مگر ہندوؤں یا آریوں کی مخالفت کا جواب دینا آریوں کا کام تھا۔ چنانچہ آریہ سماج گوجرانوالہ کے ممبر اس مخالفت پر برابر پانی ڈالتے رہے۔ ادھر ملانوں کی طرف سے میرے پاس خط پر خط آنے لگے۔ کہ شدھ ہونے سے پہلے ایک دفعہ ہم سے بات چیت کر لو۔ جس قدر میرے پاس اس قسم کے خطوط آتے تھے اسی قدر میرے دل میں اس گروہ کے لئے نفرت کا شعلہ بھڑکتا تھا۔ کیونکہ اسی فرقہ کے جھوٹے اور بے بنیاد فتووں نے میری زندگی کے اتنے سال خراب کئے تھے۔ اور اسی گروہ نے اب دوبارہ میرے خیالات کی آزادی کو جس کو کہ میں نے نہایت ہی سخت جد وجہد کے بعد حاصل کیا تھا۔ کچل ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے یہ گروہ بدترین دکھائی دیتا تھا۔ اب میں ان لوگوں کا منہ تک دیکھنے کے لئے بھی تیار نہیں تھا۔ اسی کشمکش میں ۱۴ رجون ۱۹۰۳ء کا دن آگیا۔

اُنتیسویں فصل

خشتِ اوّل

کسی نے سچ کہا ہے ؎

خشتِ اوّل چو نہد معمار کج
تا ثریّا مے رود دیوار کج

جس ”شدھی“ کا ہفتوں بلکہ مہینوں پہلے سے شور مچ رہا تھا جس شدھی کے متعلق اس قسم کے فقرات تراشے جا رہے تھے۔ کہ ”ایک جنم کا مسلمان۔ ایک عالم فاضل مولوی۔ اور پھر ایک بی۔ اے۔ اس پر طرہ یہ کہ اسلامیہ ہائی سکول کا ہیڈ ماسٹر سالہا سال کی جانچ پڑتال کے بعد ویدک دھرم کی صداقتوں کا قائل ہو کر اوم کے جھنڈے تلے آنے والا ہے“ اس شدھی کی سب سے پہلی اینٹ ہی ایسی کج رکھی گئی۔ کہ آخری دم تک صرف یہی نہیں۔ کہ وہ اینٹ سیدھی نہ ہوئی۔ بلکہ اس پر جو دیوار بنائی گئی۔ وہ بھی ٹیڑھی ہی بنی۔ ایسی ٹیڑھی بنی۔ کہ آخر کار ”شدھی“ کا تمام خیالی محل دھڑام سے زمین پر آ گرا اور شدھی کرنے والے اس ملوہ کے ڈھیر کے نیچے ایسے دب گئے۔ کہ گویا مر گئے۔ ۱۴ رجون ۱۹۰۳ء کا دن میری ہی زندگی کا ایک خاص دن نہیں تھا۔ بلکہ وہ آریہ سماج کی تواریخ میں بھی ایک خاص دن تھا۔ آریہ سماج گوجرانوالہ کا سماج مندر خوب سجایا گیا۔ فرش بچھایا گیا۔ شامیانے لگائے گئے۔ ہون کنڈ خاص طور سے بنایا گیا۔ ہزارہا مرد اور عورت جمع تھے۔ بھجن ہو رہے تھے۔ مگر ”دولھا“ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ سب کی آنکھیں اس کی راہ دیکھ رہی تھیں۔ مسلمانوں کو اندر آنے کی خاص طور پر ممانعت کر دی گئی تھی۔ ۱۴ رجون ۱۹۰۳ء کو بہت سویرے اٹھ کر میں نے حسب معمول نہا دھو کر کپڑے بدلے۔ پیلی دھوتی پہنی۔ سندھیا اگنی ہوتر کئے۔ اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ سماج مندر میں چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔ کہ اتنے میں آریہ سماج

کے چند بیڈ ونگ ممبران میرے پاس تشریف لائے۔ اُن کے ساتھ ایک میلا کچیلا سا آدمی بطور "نظربٹو" کے چلا آرہا تھا۔ آریہ دوستوں نے نمستے کی۔ مگر اس "نظربٹو" نے مجھے سر سے پاؤں تک تاڑا۔ اتنے میں ایک ذمہ دار آریہ مہاشے نے مجھے کہا۔ کہ آپ تیار ہوجائیے۔ میں نے کہا۔ کہ میں تیار ہوں +

آریہ۔ نہیں تیاری سے یہ مطلب نہیں ہے +

میں۔ تو اور کیا؟

آریہ۔ تیاری سے مطلب ہے منڈن کروانے کے لیے تیار ہوجائیں +

میں۔ وہ کیا؟

آریہ۔ شدھی سے پہلے ضروری ہے کہ سر۔ ڈاڑھی اور مونچھ کا منڈن کیا جائے +

میں۔ وہ کیوں؟

آریہ۔ یہ ضروری ہے +

میں۔ کیا جب آپ آریہ سماج کے ممبر بنے تھے۔ تو آپ کے سر۔ مونچھ اور ڈاڑھی کی صفائی ہوئی تھی؟

آریہ۔ نہیں +

میں۔ تو پھر میری منڈن کے کیا معنی؟

آریہ۔ اِس لئے کہ آپ مسلمانوں میں سے آریہ بننے لگے ہیں +

میں۔ تو کیا ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے ایک ہی دوکان میں دو بھاؤ رکھے ہوئے ہیں۔ آریہ سماج کے اصولوں میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے +

آریہ۔ بے شک اصولوں میں تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ آخر ہمیں ہندوؤں میں کام کرنا ہے۔ اُن کی ہمدردی کو حاصل کرنے کے لیے ہمیں یہ بتانا ضروری ہے۔ کہ ہم اگر مسلمانوں کو آریہ بناتے ہیں تو اچھی طرح شدھ کر کے بناتے ہیں۔ یوں ہی اپنے ساتھ نہیں ملا لیتے +

میں۔ مگر میں ہندو بننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ نہ ہی مجھے ہندوؤں کی ہمدردی کی ضرورت ہے۔ میں تو آریہ بننا چاہتا ہوں۔ اور اُن ہی شرائط کو لیکر بننا چاہتا ہوں۔ جن شرائط پر آپ آریہ بنے ہیں +

آریہ۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر آپ منڈن نہیں کروائینگے۔ تو ہندو ہماری بہت سخت مخالفت کرینگے ٭

میں۔ یہ تو بہت افسوس بلکہ شرم کی بات ہے۔ کہ آپ ہندوؤں کی مخالفت سے ڈر کر اصول کا خون کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ میں اپنے تمام عزیز واقارب کو چھوڑ کر۔ اپنی نوبت کو چھوڑ کر اپنے مذہب کو چھوڑ کر آپ کی طرف آتا ہوں۔ اور آپ ایک اصول کی خاطر ہندوؤں کی مخالفت برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اگر یہی آپ کی بہادری ہے تو معاف کیجئے۔ میں ایسی شدھی سے باز آیا۔ جب آپ پہلی ہی منزل پر میرے سامنے دو رخی کارروائی کی مثال قایم کر رہے ہیں۔ تو پھر میں آگے چلکر آپ سے دھرم نباہ کرنے کی کیا خاک امید کر سکتا ہوں ٭

آریہ۔ مگر آپ اس ذراسی بات کے لئے اتنی ضد کیوں کر رہے ہیں ٭

میں۔ میں ذراسی بات کے لئے ضد نہیں کر رہا۔ بلکہ ایک بڑے بھاری اصول کے لئے لڑ رہا ہوں آپ مجھے ریاکاری کا سبق پڑھانا چاہتے ہیں۔ اور میں اس سبق کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اگر آپنے آریہ سماج کا ممبر بنتے وقت سر مونچھ وغیرہ منڈوائے ہوتے تو میں بھی منڈوا لیتا لیکن جب آپنے ایسا نہیں کروایا تو میں کیوں کروں۔ اس جواب کو سنکر آریہ دوست خاموش ہو گئے اُنکا خاموش ہو جانا ضروری تھا۔ اس لئے کہ میں راستی پر تھا۔ چنانچہ میں نے شدھی سے بھی انکار کر دیا۔ جب آریہ دوستوں نے دیکھا۔ کہ بنا بنایا کھیل بگڑ رہا ہے تو وہ ذراسی دیر کے لئے کانا پھوسی کر کے کہنے لگے ٭

آریہ۔ اچھا۔ اگر آپ منڈن نہیں کروانا چاہتے تو نہ کروائیں۔ مگر کرپا کر کے آپ پگڑی باندھ لیں۔ تاکہ کچھ تو پردہ ہو جائے ٭

میں۔ میں پردہ سسٹم کا قائل نہیں ہوں۔ مگر خیر میں پگڑی باندھ لونگا۔ میں نے پگڑی باندھی گاڑی تیار تھی۔ آریہ دوستوں کے ساتھ سوار ہو کر سماج مندر کی طرف چل پڑا۔ میں نے سوچا خیالات کی آزادی کی خاطر میں ادھر بھاگا آیا تھا۔ لیکن آثار بُرے نظر آ رہے ہیں۔ شاید ادھر بھی کسی روز مجھے اپنی آزادی کی خاطر جنگ کرنا پڑے۔ خیر دیکھا جاویگا۔ چلیے تو سہی۔ میں سماج مندر میں پہنچا۔ خوب جیبر دیئے گئے۔ اگنی ہوتر میں شامل ہوا۔ گرمی تو پہلے ہی شدت کی پڑ رہی تھی۔ ادھر آگ کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔ میرے دل نے چٹکی لی۔ کہ اب "پردہ سسٹم" کو اڑانے کا بہت عمدہ موقع ہے۔ چنانچہ میں نے ذرا

پگڑی اتار کر ایک طرف رکھدی۔ ساتھ بیٹھا ہوا پنڈت "ہوں۔ہوں" کرتا ہی رہ گیا۔ مگر میں نے یہ سوچکر کہ جب میں مسلمانوں کی مخالفت کی آگ میں کود رہا ہوں۔ تو تم بھی تو ہندوؤں کی مخالفت کا مزہ لو۔ پگڑی کو دوبارہ سر پر نہ رکھا۔ تاکہ ہندو لوگ اچھی طرح درشن کرلیں۔ کہ میرے سر کا ایک بھی بال استرے سے کٹا ہوا نہیں ہے۔ حاضرین کو تو جو لطف آیا ہوگا۔ وہ آیا ہوگا۔ مگر مجھے پنڈت کی "ہوں۔ہوں" پر مزہ آگیا۔ اگنی ہونز کے بعد یگیوپویت دیا گیا۔ اور مجھے برہمچریہ کا اپدیش سنا کر پچیس سال کی عمر تک برہمچاری رہنے کی آگیا دی گئی۔ اسکے بعد میں لیکچر کے لئے کھڑا ہوا لیکچر پیشتر سے ہی قلم بند کر لیا گیا تھا۔ میں نے اپنے لیکچر میں ایک لمبی چوڑی تمہید کے بعد ۱۱۵ اعتراضات قرآن مجید پر جمع کئے تھے۔ اور بعض مقامات پر میں نے بہت سخت الفاظ کو ٹھونسا تھا۔ تاکہ ملانوں کے دلوں کو چھیدنے میں مدد مل سکے۔ ضرورت نہیں کہ میں ان الفاظ کو یہاں پر نقل کروں مگر چونکہ میں نے آگے چل کر ان اعتراضات پر ریویو کیا ہے۔ جو کہ میں نے قرآن مجید پر کئے تھے۔ اس لئے سخت الفاظ کو نظر انداز کر کے میں صرف ان اعتراضات کو یہاں پر نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

(۱) قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا بڑا مکار اور فریبی ہے دیکھئے وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ ترجمہ۔ مکر کیا کافروں نے۔ اور مکر کیا خدا نے۔ اور خدا بہتر ہے مکر کرنے والوں میں سے۔ پس۔ آل عمران آیت ۵۳ اور اسی طرح سیپارہ ۹ سورۃ انفال آیت ۳۰ اور پھر سیپارہ ۳۰ سورۃ الطارق آیت ۱۰ و ۱۱ اور چند دیگر مقامات میں بھی خدا کو مکاروں کا مکار اور فریبیوں کا فریبی لکھا گیا ہے۔ بعض مفسروں نے جب دیکھا کہ یہ خدا پر الزام لگتا ہے تو انہوں نے مَكَرَ اللّٰهُ کے معنے "خدا نے ان لوگوں کو مکر کی خوب سزا دی" کر دیئے۔ مگر یہ امر غلط ہے سزا اور جزا کے معنے مَكَرَ اللّٰهُ میں سے مطلق نہیں نکلتے۔

مفسر صاحبان خواہ مخواہ معنے غلط کر رہے ہیں۔ اسی طرح اور بھی کتنے ہی الفاظ ہیں۔ کہ جہاں معنے غلط کئے ہیں محض اس لئے کہ خدا پر جو مکار۔ فریبی۔ مخولیا۔ ٹھٹھا کرنے وغیرہ کے الزام لگائے گئے ہیں۔ وہ دھل جائیں۔ مگر غلط معنے کرنے سے الزام نہیں دھل سکا کرتا۔ تفسیریں چنداں قابل اعتبار نہیں ہیں۔

۲۔ قرآن کی تعلیم ہے کہ خدا فریب کرتا ہے۔ اور دھوکہ بازی کرتا ہے لوگ سے

بھلے مانس آدمی پر جو سچ مچ فریبی نہ ہو۔ یہ الزام لگایا جاوے تو وہ گلے پڑ جائیگا اور عدالت تک پہنچیگا۔ مگر خدا پر فریب بازی کا الزام لگانا کسی بڑے ہی من چلے آدمی کا کام ہو سکتا ہے۔ افسوس میں اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا +

۳۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا روحانی بیماروں کی روحانی بیماری کو دیدہ دانستہ زیادہ کرتا ہے اور پھر اوپر سے عذاب بھی دیتا ہے بے شک یہ پرلے درجے کی بے رحمی اور ظلم ہے۔ کوئی عقلمند پڑھا لکھا خدا کو ایسا ظالم اور بے رحم تصور نہیں کر سکتا +

۴۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا لڑاکا ہے۔ بھلا جب خدا ہی لڑاکا ہو گیا۔ تو پھر زمین پر صلح اور امن کون قائم کر سکتا ہے۔ لڑاکا شخص خدا کو بھی لڑاکا کہہ سکتا ہے۔ مگر وہ جو لڑائی سے نفرت کرتا ہے۔ وہ خدا پر ایسا خوفناک دھبہ نہیں لگا سکتا +

۵۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا لوگوں میں دشمنی ڈال دیتا ہے۔ اور قیامت کے دن تک باہمی کینہ پھیلا دیتا ہے۔ طالب حق اور عاشق خدا کے لیئے اس سے بڑھکر مکروہ تعلیم کیا ہو سکتی ہے۔ کہ جس خدا کو وہ اپنا مقصد زندگی اور پرم پتا سمجھتا ہے۔ اس پر ایسے قبیح اور مذموم دھبے لگائے جاویں اگر فتنہ پرداز اور کینہ انداز شخص خدا کو بھی فتنہ پرداز اور کینہ انداز تصور کریں۔ تو ممکن ہے۔ مگر عاشق خدا خدا کی پاک ذات پر ایسا مکروہ اور ناپاک حملہ نہیں کر سکتا +

۶۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ خدا منصف ہے۔ مگر توبہ قبول کر لیتا ہے اور گناہ معاف کر دیتا ہے بھلا انصاف اور معافی کا میل کہاں۔ جہاں معافی آئی۔ انصاف اُڑ گیا۔ دنیا کا مطلق العنان بادشاہ جسکو چاہے چھوڑ دے جس کو چاہے قتل کر دے۔ مگر اس سے وہ عادل اور منصف نہیں ہو سکتا۔ خدا کے بارے میں یہ تعلیم سخت قابل اعتراض ہے۔

۷۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا غفار ہے۔ مگر قرآن کو پڑھتے جاؤ اور دوزخیوں کی آہ و زاری پر خیال کرو۔ کہ کس طرح سے چلا رہے ہیں معافی مانگ رہے ہیں توبہ کر رہے ہیں مگر خدا کچھ نہیں سنتا۔ کیا خدا کی غفاری اگر وہ کوئی چیز ہے۔ تو قیامت کے دن اُڑ جائیگی اور خدا سنگدل ہو جائیگا +

۸۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا بدی کو ناپسند کرتا ہے۔ مگر اُس کو بدی کا پیدا

کرنیوالا مانا گیا ہے۔ نادان لوگ تقدیر یا ورتدبیر اور آزمایش وغیرہ کا ڈھکوسلا بیچ میں لاکر خدا کو اس الزام سے پاک کرنا چاہتے ہیں +

۹۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے۔ تو پھر زناکاروں کی زناکاری۔ شراب نوشی۔ ڈاکہ۔ چوری۔ قتل۔ خون۔ لوٹ مار وغیرہ تمام کام بھی خدا کے حکم سے ہی ہوئے۔ شیطان بیچارے کو کیوں بدنام کیا جاتا ہے +

۱۰۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا لوگوں کی ہدایت کے لئے نبی بھیجتا ہے۔ مگر جگہ جگہ قرآن میں دیکھو گے۔ کہ خدا ہی لوگوں کو صریحاً گمراہ کر رہا ہے وہ آپ ہی اس بات کا معترف گردانا گیا ہے" ہاں ہم گمراہ کرتے ہیں اور جسکو ہم گمراہ کرتے ہیں۔ اسکو کوئی راہ نہیں دکھا سکتا" بھلا پھر پیغمبروں کی جان کھپانے کی کیا ضرورت۔ اور کتابوں کی بھرمار کی کیا حاجت اور شیطانوں کو ملزم گرداننے کی کیوں نوبت آئی +

۱۱۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا پاکیزگی کو پسند کرتا ہے۔ مگر قرآن کو بغور پڑھنے سے پتہ لگتا ہے۔ کہ خدا نے ناپاک دل کو پاک نہ کرنا چاہا۔ بلکہ ناپاکی کو اور بھی زیادہ کردیا اور گمراہی بڑھا دی +

۱۲۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا تمام عیوب سے پاک ہے مگر دیکھیے شیطان کو بہکانے والا۔ اور گمراہ کرنے والا خدا ہی ہے۔ ہم شیطانی ڈھکوسلے سے فرض کرسکتے ہیں۔ کہ شیطان لوگوں کو بہکاتا ہے۔ مگر شیطان کا گمراہ کنندہ خدا ہے۔ شیطان نے خود خدا کے منہہ پر کہہ دیا کہ اے خدا جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا۔ میں بھی اسی طرح تیرے لوگوں کو گمراہ کرونگا۔ خدا شیطان کی اس بات کو سنکر محض دوزخ کی دھمکی دیکر خاموش ہو رہا۔ اور اس نے اُف تک نہ کی۔ اور یہ نہ کہہ سکا۔ کہ اے شیطان میں نے تم کو گمراہ نہیں کیا +

۱۳۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا ہنسی مخول کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ مگر افسوس وہی خدا مسخرا۔ مخولیا۔ اور ٹھٹھول گردانا گیا ہے۔ کتنی شرمناک بات ہے۔ کہ خدا کو مسخرا اور ٹھٹھول کہا جاوے۔ خدا پر ایسے الزام وہ شخص لگا سکتا ہے جو یا تو منکر از خدا ہو۔ یا جس نے خدا کی ہستی کو مطلقاً نہ پہچانا ہو +

۱۴۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا قسم کھانے کو اچھا نہیں سمجھتا مگر قرآن

کی ورق گردانی کرو۔ دیکھو گے۔ خدا گھوڑوں۔ اونٹوں۔ درختوں۔ پہاڑوں کتابوں۔ ہواؤں۔ سورج۔ چاند۔ ستاروں وغیرہ کی بے در پے قسمیں کھا رہا ہے گویا اس کی بات کا کوئی اعتبار نہیں کرتا ہے۔ لہذا قسم کھانے پر مجبور ہوتا ہے۔ دیگر قسم اس چیز کی کھائی جاتی ہے جس کو قسم کھانے والا اپنے سے بزرگ قابل تعظیم اور قابل پرستش سمجھتا ہے۔ کیا خدا گھوڑے۔ اونٹ۔ پہاڑ۔ پتھر۔ وغیرہ کو اپنے سے بزرگ سمجھکر ان کی قسم کھاتا ہے۔ یا کچھ اور بھید ہے؟

۱۵۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا کُن کہنے سے سب کچھ کر سکتا ہے۔ مگر گویا وہ اپنی کُن کی طاقت کو بھول گیا تھا۔ کہ خواہ مخواہ زمین و آسمان بنانے میں چھ دن لگا دیئے۔ کیوں نہ کُن ہی کہہ دیا یا کیوں نہ تین دن میں ہی سب کچھ بنا دیا؟

۱۶۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا اقدس ہے۔ مگر قرآن کو پڑھنے سے معلوم ہے کہ اس کی روح ایک عورت کے رحم میں بھی جا سکتی ہے۔ برسوں تک انسانی جامہ میں مقید ہو کر بذریعہ پھانسی نجات پا سکتی ہے؟

۱۷۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا زمین اور آسمان پر کرسی نشین ہے۔ گویا سب جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اور اُس کا کوئی خاص مقام نہیں ہے۔ مگر آسمان کے اوپر عرش کا آٹھ فرشتوں کے سر پر اُٹھائے کھڑے ہونا جبرائیل کا خدا کی طرف سے نازل ہونا۔ حضرت عیسے کا آسمانوں پر اُڑ جانا۔ پیغمبر عربی کا براق پر سوار ہو کر آسمانوں کی سیر اور خدا سے بات چیت کر آنا۔ شیطانوں کا آسمانوں پر جا کر چھپ چھپا کر خدا اور فرشتوں کی بات چیت کا سننا اور اُن پر ستارے ٹوٹ کر مارے جانا وغیرہ وغیرہ کیا اس قسم کے ڈھکوسلے ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ خدا زمین پر بھی ہے۔ اگر زمین پر بھی ہوتا تو پھر مذکورہ بالا ڈھکوسلوں کی کیا ضرورت تھی؟

۱۸۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا مشرکوں سے بیزار ہے۔ مشرک ناپاک ہیں۔ مگر خدا نے ہی سب سے پہلے شرک کی تعلیم فرشتوں کو دی کہ آدم کو سجدہ کرو اور جب ایک فرشتے نے شرک کرنے سے انکار کیا۔ تو اسکو ملعون کر دیا؟

۱۹۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ بھلا خدا نے چند آدمیوں کی خاطر کہ جنہوں نے نوح کا کہنا نہ مانا۔ تمام دنیا کو کیوں ڈبو دیا۔ دیگر

انسانوں نے کیا گناہ کیا تھا۔ حیوانوں نے کیا قصور کیا تھا۔ کہ ان سب کو بھی غرق طوفان کیا +

۲۰۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا نے اکثر لوگوں کے دلوں پر مہر لگادی اور کانوں میں پردے ڈال دیئے۔ تاکہ وہ اُس کی بات کو نہ سمجھ سکیں مگر پھر اُن کو سمجھانے کے لئے نبی بھیجتا ہے۔ اور جب اُس نے خود ہی کانوں پر مہر لگادی۔ تو عذاب اُن کو کیوں چاہیئے +

۲۱۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا کے ہاں کسی کی سفارش منظور نہیں ہوتی ہے۔ مگر پھر فوراً کہدیا۔ کہ ہاں بعضوں کی سفارش خدا منظور کریگا۔ بھلا سفارش اور گناہ کا کیا تعلق +

۲۲۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ اور اس میں روح پھونکی۔ یعنے پہلے ایک مٹی کا پُتلا بنایا گیا۔ اور پھر اُس میں جان ڈالی گئی وہ روح کہاں سے آگئی۔ اگر ہم یہ کہیں کہ خدا نے اپنی روح اس میں ڈالی تو ماننا پڑیگا کہ خدا میں بھی وہ صفات ذمیمہ موجود ہیں۔ جو اس کے ایک حصہ روح میں جو آدم میں آیا موجود تھیں۔ اگر یہ کہیں کہ خدا نے نیستی سے روح پیدا کی تو یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ نیستی سے کوئی چیز پیدا نہیں ہوسکتی نیستی نام ہی اُس چیز کا ہے۔ کہ جس کا کوئی وجود و مفہوم نہیں ہوسکتا +

۲۳۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا نے آدم سے اُس کی بیوی کو پیدا کیا مگر یہ صاف معلوم نہیں ہوتا کہ آدم کی بیوی اُس سے کیونکر پیدا کی گئی۔ کیا آدم میں عورتوں کی طرح بچہ دان یا رحم تھا۔ اور اگر رحم سے پیدا ہوئی تو نطفہ کہاں سے آگیا اور کیا پھر ایک بیوی کو پیدا کرکے آدم کا بچہ دان گم ہوگیا۔ زیادہ اولاد آدم کے رحم سے کیوں نہ پیدا ہوئی۔ اس لحاظ سے کیا آدم کو ہم مذکر کہیں یا مونث۔ اگر مذکر کہیں تو اس کے پیٹ سے اُس کی بیوی کیسے پیدا ہوئی۔ اگر مونث کہیں تو پھر اُس کو بیوی کی کیا ضرورت۔ اگر ہم یہ کہیں کہ آدم کے بچہ دان تو نہیں تھا بلکہ اُس کی بیوی اُس کی پسلی سے پیدا کی گئی تھی تو یہ اور بھی ہنسی کی بات ہے۔ بھلا آدم کو خدا کی پسلی توڑنے کی کیا ضرورت پڑی تھی کیا مٹی ختم ہوگئی تھی۔ یا خدا آدم کا پتلا بنا کر ہی تھک گیا تھا۔ یا

دوسرا پُتلا بنانا ہی بھول گیا تھا جہاں ایک پتلا بنایا تھا۔ وہاں اُس کی عورت کا پتلا بھی ساتھ ہی تیار کرکے اُس میں بھی پھونک بھر دیتا +

۲۴۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا نے آدم کو معہ اُس کی بیوی کے بہشت میں رکھ دیا۔ کہ خوب کھاؤ پیو۔ مگر اُس درخت کے پاس مت جانا گنہگار ہو جاؤ گے ہمیں قرآن سے انار انگور۔ زیتون۔ کیلے وغیرہ درختوں کے نام تو ملتے ہیں۔ مگر اس ممنوع درخت کا نام کہیں نہیں ملتا۔ اس کے لئے ہمیں بائبل تلاش کرنی پڑتی ہے ممکن ہے کہ جب خدا نے بائبل نازل کی اُس وقت وہ درخت موجود ہو۔ اور جب قرآن نازل کیا تو اُس وقت وہ بالکل مفقود ہو گیا ہو۔ یہاں تک کہ اس کا نام بھی لوح محفوظ سے گھس کر مٹ گیا ہو +

۲۵۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ آدم معہ اپنی بیوی کے بہشت سے نکالا گیا۔ اور زمین پر پھینکا گیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ بائبل کے پڑھنے سے بابا آدم کا قصہ کم از کم ہمیں ایک مسلسل کہانی معلوم ہوتی ہے۔ مگر قرآن میں سلسلہ ندارد ہے۔

۲۶۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ ایک دن نرسنگا پھونکا جاویگا۔ تمام جاندار جاویںگے۔ نہ معلوم یہ نرسنگا کس جگہ پھونکا جاویگا اور اس کی آواز روئے زمین پر کس طرح یک لخت پہنچیگی۔ اور تمام جاندار یک لخت کیوں کر تباہ ہو جاوینگے۔ اور یہ واقعات کب ہونگے۔ اور آیا پھر خدا ساری دنیا کا خاتمہ کرکے بعضوں کو دائمی بہشت میں اور بعضوں کو ہمیشہ کے لئے دوزخ کے عذاب میں گرفتار کرکے آپ ہمیشہ کے لئے بالکل بیکار ہو جائیگا +

۲۷۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا فرشتوں کی قطار کے ساتھ میدان حشر میں آئیگا اور اُس کے تخت کو آٹھ فرشتے اُٹھائے ہوئے ہونگے۔ بھلا اگر خدا مجسم اور عرش مجسم اور محدود چیزیں نہیں تو پھر اُس کو اُٹھانے کے لئے مجسم فرشتوں کا ہونا چہ معنے دارد۔ اور اگر کوئی کہے کہ فرشتے بھی مجسم نہیں ہیں تو جبرائیل و میکائیل وغیرہ کے قد و قامت کا بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ حضرت مریم کے پاس انسان کی شکل میں فرشتہ بھیجنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے +

۲۸۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ مردے جاگ اُٹھینگے۔ یہ عجیب بات ہے کہ جس

پات کی طرح مردے زمین سے سر نکالیں گے۔ بھلا جو جلا دیئے گئے۔ جن کی راکھ دریاؤں میں بہا دی گئی۔ جن کو شیر بھیڑیئے کھا گئے۔ وہ قبروں میں سے کیونکر پیدا ہو جاوینگے +

۲۹-قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا ترازو لگا کر بیٹھیگا۔ اور لوگوں کے اعمال نیک و بد تولیگا۔ اور بہشتیوں کو اُن کے اعمال نامے داہنے ہاتھ میں اور دوزخیوں کو بائیں ہاتھ میں دیگا۔ معلوم نہیں ہوتا۔ کہ خدا کو دوکانداروں کی طرح تکڑی بٹے لی کیا ضرورت پڑیگی۔ بھلا اعمال بھی کوئی مادی چیز ہیں۔ کہ جن کو وزن کر لیا جاویگا۔ اعمال کا وزن کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسا کوئی شخص تکڑی بٹے کے ساتھ اپنے وہمی خیالات کو تولنے لگ جائے جو سراسر نادانی کی حرکت ہے خدا اگر علیم کل ہے۔ تو فوراً سب کو بتلائے۔ کہ تمہارے اعمال یہ یہ ہیں +

۳۰-قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ قیامت کے دن پہاڑ روئی کی طرح اُڑتے پھرینگے کیا خوب اگر گپ بھی ماری جاوے تو ذرا وزندار بھلا ہمالیہ کا پہاڑ جو کئی سو میل لمبا اور کتنے ہی میل چوڑا ہے۔ اڑ کر کہاں جاویگا ادھر امریکہ اور یورپ کے پہاڑ روئی کی طرح اُڑ کر کس آسمان میں پہنچینگے

۳۱-قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ قیامت کے دن چاند سورج کے ساتھ جا ملیگا۔ مگر دیگر سیارے جو سورج اور چاند سے بھی بڑے ہیں۔ وہ کہاں جائینگے۔ اُن سیاروں کا کہیں خدا نے ذکر تک نہیں کیا +

۳۲-قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ ستارے گر پڑینگے۔ بھلا وہ گر کر کہاں جا پڑینگے کیا زمین پر آ جائینگے۔ اگر ہاں تو زمین پر اتنے ستاروں کے لئے کہاں جگہ ہوگی۔ اور پھر جب خدا زمین کو بھی لپیٹ لیگا۔ تو ستارے کدھر بھاگینگے۔ میں اس بات کو تسلیم نہیں کر سکتا

۳۳-قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ قیامت کے دن زمین باتیں کریگی اور خدا کو اپنا سارا قصہ سنائیگی۔ معلوم نہیں کہ سورج اور چاند کیوں باتیں نہیں کرینگے ستارے کیوں خاموش رہینگے۔ یہ سب نادانوں کی باتیں ہیں۔ جن کو میں تسلیم نہیں کر سکتا +

۳۴-قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ قیامت کے دن خدا لوگوں کے منہ پر مُہر لگا دیگا۔ اور اِن کے ہاتھ پاؤں کان اور چمڑا وغیرہ بولینگے۔ اور آدمی کے اعمال کو بتا دینگے آدمی اُن کی اِس بیوفائی کو دیکھ کر کہیگا۔ کہ تم میرے برخلاف گواہی کیوں دیتے ہو۔ یہ جو

عجیب بات ہے - کہ آدمی کے ہاتھ پاؤں وغیرہ زبان کا کام دینگے - میں اسکو نہیں مان سکتا

۳۵ - قرآن کی تعلیم ہے - کہ نیک کام کرو - تاکہ ہمیشہ کے لئے بہشت میں جاؤ - جہاں غم کا نشان نہیں ہے - انسان کبھی بھی ایک حالت پر رہنا پسند نہیں کر سکتا اگر اسکو دائمی خوشی میں ہی رکھہ دیا جاوے - تو وہ خوشی اس کے لئے اس طرح وبال جان ہو جائیگی جس طرح کہ بنی اسرائیل کے لئے من اور سلوی بے تیز ہو گئیں جن کے بدلے اُنھوں نے خدا سے لسن - پیاز - موٹھ اور مونگ کی دال کی درخواست کی - بہشتی لوگ جب بہشت کی نعمتیں کھاتے کھاتے تنگ جاوینگے - تو اُن کو دوزخ کی تمنا کرنی پڑیگی

۳۶ - قرآن کی تعلیم ہے - کہ بہشتیوں کو پینے کے لئے شراب اور کھانے کے لئے جانوروں کے کباب ملینگے - واہ شراب اور کباب کا کیا اچھا جوڑ کیا ہے بھلا جانور جو ذبح کئے جاوینگے - اُن کا خون کہاں کریگا - اور اگر بغیر ذبح کئے کے ہی جانور بھون لئے جایا کرینگے - تو وہ حرام نہیں ہونگے؟ افسوس ہے کہ میرے کتنے ہی بھائی محض شراب کے پیالوں اور جانوروں کے گوشت کی خاطر نماز روزے حج زکوٰۃ وغیرہ کام کرنے کی تکالیف اُٹھا رہے ہیں +

۳۷ - قرآن کی تعلیم ہے - کہ بہشت میں ریشمی کپڑے پہننے کو ملینگے حاضرین ریشم کے ساتھ آپ کے سامنے فوراً ریشم کے کیڑوں - شہتوت کے درختوں - کپڑا بننے کی کلوں کا نقشہ آسکتا ہے - اتنا سامان بہشت میں کہاں سے آئیگا - اور اتنے ریشمی کپڑے کون بنیگا - کیا خدا بنیگا - اگر نہیں تو پھر کیا بہشت میں بعضے آدمی بنینگے - اگر ہاں - تو پھر وہاں بھی معمولی مزدوروں کی طرح مزدوری کرنی پڑیگی - خصوصیت کیا ہوئی +

۳۸ - قرآن کی تعلیم ہے - کہ بہشت میں دودھ اور شہد کی نہریں ہونگی بھلا اگر دودھ اور شہد کی نہریں ہونگی - تو دودھ کے لئے بھینسوں اور شہد کے لئے مکھیوں کی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے - جو ایک معمولی بات ہے - مفسروں نے تو یہانتک گپ ہانکی ہے کہ جو شخص ایک دفعہ کوثر اور تسنیم کی نہروں سے پانی پی لیگا - اُس کو پھر پیاس نہیں لگیگی - اگر پیاس نہیں لگیگی - تو پھر نہروں کے رکھنے کا کیا فائدہ - اگر یہ کہا جاوے کہ نہانے کے لئے تو کونسا عقلمند ہے - کہ جو شراب اور شہد اور دودھ سے نہانا پسند کریگا افسوس کی بات ہے - کہ نہروں کا پانی پینے کے لئے تنگی کیجاوے +

۳۹۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ بہشتیوں کو سونے اور چاندی کے کنگن پہنائے جاوینگے۔ بھلا یہ کوئی شائستگی اور تہذیب کی بات ہے۔ کہ عورتوں کا گہنا آدمی پہننے لگ جاویں۔ ذرا غور تو کیجیئے۔ اگر ایک پڑھا لکھا بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ یا کوئی مولوی صاحب ہی کنگنوں کی جوڑی پہن کر بازار میں پھرے تو اُس کو کتنی شرم آئیگی اور لوگ اسپر کتنا تمسخر کرینگے۔ کیا بہشت میں یہ شرم جاتی رہیگی۔ اور کیا ہمارے موجودہ زمانے کے بڑے بڑے لیڈر اور مہذب شخص جو زیور پہننے سے کتراتے ہیں وہاں ہیجڑوں اور عورتوں کی طرح کنگن پہنکر پھرا کرینگے۔ کنگن بنانے کے لئے سونا چاندی۔ سنار۔ کوٹھے۔ بھٹی وغیرہ کی بھی ضرورت پڑیگی۔ یا خدا خود بنا کر دیدیا کریگا؟

۴۰۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ بہشتیوں کو گوری۔ کنواری۔ ہم عمر نوجوان سیاہ آنکھوں والی دوشیزہ عورتیں ملینگی۔ حاضرین جس مطلب کے لئے ہونگی وہ آپ خود ہی سمجھ سکتے ہیں؟

۴۱۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ بہشت والوں کو لڑکے بھی ملیں گے جو بغیر داڑھی مونچھ کے نوجوان ہونگے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ لڑکوں کی وہاں کیا ضرورت۔ لڑکے کن کو ملینگے۔ آدمیوں کو یا عورتوں کو؟

۴۲۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا کے نام پر قربانی کرو۔ قربانی کا گوشت آپ کھاؤ۔ دوسروں کو کھلاؤ۔ بعض مفسروں نے تو یہاں تک بھی بیان کیا ہے کہ جو لوگ اس دنیا میں جانوروں کی قربانی کرتے ہیں۔ وہ قیامت کے دن اُن کی گردن پر سوار ہو کر پل صراط پر سے اس طرح گذر جائیں گے۔ جس طرح بجلی۔ عید الضحٰے کے دن کسی مسجد میں جا کر خطبہ سُنئے۔ بھائیو۔ شکر کرو۔ کہ خدا نے تم سے دنبہ بھیڑ بکری وغیرہ کی ہی قربانی لینی منظور کی ہے۔ اگر اسمٰعیل ذبح ہو جاتا۔ تو آج ہر ایک اہل اسلام کو اپنا بڑا بیٹا ذبح کرنا پڑتا۔ وغیرہ وغیرہ طول وطویل کہانی سُنائی جاتی ہے۔ سُننے والے لوگ بھی "شکر ہے" "شکر ہے" کہہ دیتے ہیں۔

۴۳۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ مُردار۔ سؤر۔ اور خون حرام ہیں۔ مُردار کسے کہتے ہیں۔ وہ جس میں سے روح پرواز کر گئی ہو۔ وہ لاٹھی مارنے سے ہو۔ یا چھری مارنے سے۔ وہ شیطان کا نام لینے سے کاٹا گیا ہو یا رحمٰن کا نام لینے

ہے۔ مگر مردار وہ ہے کہ جس میں اب روح نہیں ہے کیا خدا کا نام لینے سے ذبح کیا جاوے۔ تو وہ مردار یا خالی از روح نہیں ہو جائیگا؟ پھر وہ حرام کیوں نہ ہوا۔ اگر خون حرام ہے تو پھر گوشت کیوں حلال ہو گیا۔ کیونکہ وہ بھی خون سے ہی بنتا ہے سور کیوں حرام ہے۔ کیا اس لئے کہ وہ گندگی کھاتا ہے اگر یہی سبب ہے۔ تو مرغے مرغیاں اور بھیڑیں بھی حرام ہونی چاہئیں۔ جو گندہ خور ہیں۔ یا کیا اس لئے کہ وہ شہوت پرست جانور ہے اُس کے گوشت سے شہوت پرستی زیادہ ہوتی ہے تو پھر مرغے اور بکروں سے بڑھکر شہوت پرست کونسا جانور وہ بھی حرام ہونے چاہئیں مجھے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ کہ سور کیوں حرام کیا جاوے۔ اور دیگر جانوروں کو کیوں حلال سمجھا جاوے +

۴۴۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خون حرام ہے۔ یہاں تک کہ اگر اسکا قطرہ کپڑے پر لگ جاوے۔ تو وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ تو کیا منجمد خون یعنے گوشت کھانے سے جسم اور روح دونوں ناپاک نہیں ہونگے۔ افسوس ہے کہ جسم اور روح کو کپڑے سے ادنے خیال کیا جاوے +

۴۵۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ بیت اللہ یعنے خانہ کعبہ میں جو حرمت کی جگہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ خون مت گراؤ کیا خدا اکا گھر عرب کے ایک کونے کی چاردیواری تک ہی محدود ہے۔ اور باقی تمام دنیا شیطان کا گھر ہے۔ کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ کہ اس گھر میں تو خون بہانا منع کیا جاوے۔ اور دوسری جگہوں پر جائز سمجھا جاوے۔ اس سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا محدود بالمکان ہے۔ اور عرب کے ایک گوشہ میں اپنا گھر رکھتا ہے +

۴۶۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ احرام کے دنوں میں شکار کھیلنا اور کسی جانور کا مارنا حرام ہے۔ احرام سے وہ دن مراد ہیں۔ جبکہ حاجی لوگ خدا کے گھر کی زیارت کرنے کے لئے مصمم ارادہ کرتے ہیں۔ مگر کیا محض عربی مہینے کی خاص تاریخ مقرر ہو سکتی ہے۔ جبکہ انسان کو بالکل بے بنیاد ہو جانا چاہئے۔ اگر ہاں تو ماننا پڑیگا کہ خدا بھی ایک خاص موقع پر اپنے گھر میں حاضر ہوتا ہے۔ اور باقی دن غائب رہتا ہے مگر ایسا نہیں خدا ہر وقت اور ہر جگہ حاضر ناظر ہے۔ وہ جو پکا حاجی ہے وہ

ہمیشہ ہی بے ایذا زندگی بسر کرتا ہے

۴۷۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا خدا نے بڑا بھاری سانپ بنا دیا۔ جس کو دیکھ کر فرعون جو ایک منکر از خدا بادشاہ تھا ڈر گیا۔ اس نے سمجھا کہ موسیٰ بڑا جادوگر ہے۔ تمام جادوگروں کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جادوگروں نے لاٹھیوں اور رسیوں کے سانپ بنا دیئے۔ موسیٰ بھی یہ تماشا دیکھ کر ڈر گیا خدا نے اُسی وقت فرشتہ بھیجا کہ مت ڈر تو جیت جائیگا۔ اپنی لاٹھی زمین پر پھینک دے۔ پس موسیٰ نے حسب ارشاد خدا اپنا ڈنڈا زمین پر دے مارا۔ پھر وہ فَاِذَا هِیَ ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ دیکھتے کے دیکھتے ہی ایک بھاری اژدہا بن گیا۔ اور فَاِذَا هِیَ تَلْقَفُ مَا یَاْفِكُوْنَ" جادوگروں کے ڈنڈوں اور رسوں سے بنائے ہوئے تمام سانپوں کو کھا گیا۔ مفسرین نے تو یہاں تک گپ ہانکی ہے۔ کہ یہ تمام رسے اور ڈنڈے چالیس گدھوں پر لاد کر تماشا گاہ میں لائے گئے تھے۔ اور کئی سو من وزن میں تھے۔ موسیٰ کی لاٹھی نے کئی سو من رسوں کو کھا کر ڈکار تک بھی نہ لیا۔ اور جگالی تک نہ کی۔ کہا گیا ہے۔ کہ ارد گرد کے جو تماشبین جمع تھے۔ وہ اس عجیب الخلقت اژدہا کو دیکھ کر ایسے بے تحاشا بھاگے کہ اس لگڑ دگڑ میں پچیس ہزار آدمی پاؤں کے نیچے روندے جا کر مارے گئے۔ موسیٰ نے جب دیکھا۔ کہ یہ تو بڑا ظلم ہوا۔ اتنی خلق خدا یوں ہی ماری گئی تو انہوں نے فوراً سانپ کو پکڑ لیا۔ اور وہ ویسے کی ویسی ہی لاٹھی بن گئی جائے تعجب ہے کہ اُس لاٹھی کا وزن کئی سو من رسے اور ڈنڈے کھا کر بھی اتنا ہی رہا۔ جتنا کہ پہلے تھا۔ اور اسکا پیٹ ذرا بھی بڑا نہ ہوا۔ اور نہ ہی کہیں وہ خوراک نظر آئی۔ سچ ہے۔ معجزہ ہو تو ایسا ہی ہو۔

۴۸۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ موسیٰ نے مذکورہ بالا لاٹھی مار کر سمندر کو پھاڑ دیا۔ اور اس میں بارہ راستے بن گئے۔ موسیٰ کا سارا لشکر اُن میں سے گذر گیا۔ اور جب فرعون کا لشکر گذرنے لگا۔ تو سمندر مل گیا۔ اور وہ سارے ڈوب گئے۔ اور موسےٰ معہ بنی اسرائیل کے بچ گئے۔ واہ کیا عجیب لاٹھی تھی جو موسےٰ کے ساتھ تنہائی میں باتیں کرتی تھی۔ رات کو پہرہ دیتی تھی۔ دن کو چھتری کا کام دیتی تھی۔ اور حسب خواہش چھوٹی بڑی ہو جاتی تھی تب ہی تو اُس نے سمندر کو پھاڑ دیا۔ مگر معلوم نہیں کہ

حضرت موسےٰ کی وفات کے بعد وہ لاٹھی کہاں چلی گئی۔ فی الحقیقت ایسی چیز عجائب گھر میں رکھی جانی چاہیے تھی۔

۴۹۔ قرآن تعلیم ہے۔ کہ حضرت موسےٰ نے ڈنڈا مار کر پتھر میں سے بارہ چشمے نکال دیئے۔ بنی اسرائیل اپنے خوب سیر ہو کر پانی پیا۔ اعلےٰ دماغ مفسر صاحبان تو اس گپ کو یہاں تک ہانکتے ہیں۔ کہ جب حضرت موسیٰ خاص شہر بنام یہتہ میں داخل ہوئے۔ تو راستے میں ان کو ایک چھوٹا سا پتھر ملا۔ اس نے حضرت موسےٰ سے بات چیت کی۔ اور کہا کہ مجھے اٹھا لے میں کسی مشکل کے وقت تیرے کام آؤنگا چنانچہ حضرت موسےٰ نے وہ پتھر اٹھا کر اپنے توبرے میں ڈال لیا۔ جب بنی اسرائیل نے پانی مانگا تو خدا نے کہا۔ کہ وہ پتھر جو تیرے توبرے میں ہے۔ اُس کو نکال۔ اور لاٹھی سے مار۔ اس میں سے بارہ چشمے نکل آئینگے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۵۰۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ جب بنی اسرائیل گمراہ ہو گئے اور خدا کی باتوں کو بھول گئے۔ تو خدا نے پہاڑ اٹھا لیا۔ اور ان سے کہا۔ کہ یا تو میری باتوں کو مان لو۔ ورنہ ابھی پہاڑ تمہارے سر پر گرتا ہے۔ بڑی حیرانی کی بات ہے۔ کہ خدا نے پہاڑ اٹھانے کی تکلیف گوارا کی۔

۵۱۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ حضرت سلیمان ایک دن میدان میں سے گذر رہے تھے۔ وہاں کی چیونٹیوں نے جب اُن کے لشکر کو آتے دیکھا۔ تو اُن میں سے ایک چیونٹی بولی کہ بھاگو اپنے بلوں میں گھس جاؤ۔ ایسا نہ ہو۔ سلیمان اور اس کا لشکر تم کو پاؤں کے نیچے کچل ڈالیں حضرت سلیمان اس بات کو سنکر بہت ہنسے اور انہوں نے خدا کا شکر کیا۔ کہ وہ چیونٹیوں کی بات چیت کو بھی سن سکتے تھے ڈارون جیسے شخصوں نے مکھیوں اور چیونٹیوں کے پیچھے عمریں ضائع کر دیں۔ مگر وہ ان کی بولی نہ سمجھ سکے۔ روشن دماغ مفسروں نے یہاں تک حاشیہ افزائی کی ہے۔ کہ اس چیونٹی کا قد بھیڑ کے برابر تھا۔ اور اس کا نام منذرہ تھا۔ اور سلیمان نے اس کی آواز تین میل کے فاصلے سے سن لی۔ اثنائے گفتگو میں سلیمان نے بی بی چیونٹی سے پوچھا کہ تیرا لشکر کتنا ہے۔ چیونٹی بولی۔ کہ میرے پاس چار ہزار سپاہی۔ اور ہر ایک سپاہی کے ماتحت چالیس چالیس ہزار نقیب اور ہر ایک نقیب کے ماتحت چالیس چالیس ہزار

ہیں چیونٹیاں ہیں - غرض سلیمان اور بی بی چیونٹی کا بہت عجیب وغریب مکالمہ ہے - افسوس ہے مفسروں کے دماغ پر اُن کی عقل پر کہ چیونٹیوں کے قصے کہانیوں سے الہام کا نام بدنام کرتے ہیں +

۵۲ - قرآن کی تعلیم ہے - کہ حضرت سلیمان جانوروں کی بولی جانتے تھے - چنانچہ ہدہد یا چکی راہے کا جو قرآن میں قصہ دیا ہے - وہ عجیب ہے ہدہد کی سلیمان کے ساتھ بات چیت چکی راہے کا ملکہ کی طرف سے خط لیجانا - اور وہاں سے جواب لانا - ملکہ کا سلیمان کے پاس آنا وغیرہ وغیرہ ایک دلچسپ حکایت ہے شاید اسی لئے لوگ ہدہد کو سلیمان کا بیٹا کہتے ہیں - مگر کیا آجکل وہ اپنی سلیمانی بولی بھول گیا ہے -

۵۳ - قرآن کی تعلیم ہے - کہ ہوا سلیمان کے حکم سے چلتی تھی - اور ان کے تخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتی تھی - ممکن ہے کہ کوئی اہل قرآن یہاں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے کہ یوروپ والوں نے تو اب بیلون بنایا ہے - مگر قرآن میں اس کا ذکر پہلے سے ہی موجود ہے - سلیمان بیلون پر اڑا کرتے تھے شاید قرآن میں سے ریل اور تار برقی بھی نکل آوے - مگر سلیمان کا ہوا کو حکماً چلانا بہت ہی عجیب بات ہے - ہوا کیونکر اُن کے حکم کو سنتی ہوگی - اسی بات کو لیکر شاید ایک ظریف نے ہوا اور مچھروں کا مقدمہ سلیمان کی کچہری میں پیش کیا ہے +

۵۴ - قرآن کی تعلیم ہے - کہ خدا کی وحی محض پیغمبروں کے پاس ہی نہیں آئی - بلکہ وہ شہد کی مکھیوں کے پاس بھی آئی ہے - چنانچہ مکھیوں کا شہد جمع کرنا اور گھر بنانا اسی وحی کے مطابق ہے - کہ جس وحی کے مطابق قرآن ہے - اس لحاظ سے تو چڑیوں - ابابیلوں - کوؤں - کبوتروں کے گھونسلے بھی خدا کی وحی کے ذریعہ ہی بنتے ہیں - مگر جبرائیل کس کس کے پاس پہنچتا ہوگا اور دیگر لوگ بھی تو پھر خدا کی وحی کے مطابق ہی تمام کام کرتے ہونگے - مگر جبرائیل کی شکل وہ کیوں نہیں دیکھ سکتے - اور کیوں نہیں وہ الہام کا دم بھرتے ؟

۵۵ - قرآن کی تعلیم ہے - کہ خدا نے منکراز خدا لوگوں کو معتقد بہ خدا بنانے کے لئے ایک خاص اونٹنی پیدا کی - مفسر لوگ تو یہاں تک گپ ہانکتے ہیں کہ وہ اونٹنی ایک پتھر میں سے پیدا ہوئی - اور پیدا ہوتے کے ساتھ ہی اُس نے بچہ بھی دیدیا

پھر کافروں نے اُس اونٹنی کو مار ڈالا۔ اور اُن پر عذاب نازل ہوا۔ مفسر صاحبان فرماتے ہیں کہ اس اونٹنی کا بچہ ڈر کر پہاڑ کی طرف بھاگ گیا۔ اور وہاں تین دفعہ چلایا۔ اور پھر آسمان کی طرف اُڑ گیا۔ چنانچہ قیامت کے دن یہ اونٹنی معہ بچہ کے بہشت میں چرے پھرے گی +

۵۷ - قرآن کی تعلیم ہے - کہ خدا نے بنی اسرائیل کو اُن کی گستاخی کے سبب بجلی سے ہلاک کر دیا۔ مفسر صاحبان کہتے ہیں - کہ حضرت موسےٰ صاحب اس بات کو دیکھ کر رو پڑے - کہ لوگ مجھے کیا کہیں گے - چنانچہ خدا نے اُن سب کو پھر از سر نو زندہ کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے - کہ یہ کسی نے دوسری باتوں کی طرح یوں ہی گپ ہانک دی ہے ورنہ بجلی کے ساتھ ہلاک ہو جانا اور پھر زندہ ہو جانا چہ معنے دارد +

۵۸ - قرآن کی تعلیم ہے - کہ جب بنی اسرائیل مصر سے نکل کر بھوکے مرنے لگے - تو خدا نے اُن پر من اور سلویٰ آسمان سے نازل کیا۔ مفسر صاحبان فرماتے ہیں - کہ سلویٰ ایک قسم کی چڑیاں ہوتی تھیں - جو گھاس پر آ کر بیٹھتیں - اور پیچھے کرنے کے بعد خود بخود بھُن کر نیچے گر پڑتیں - اُن میں نہ رگ ہوتی - نہ خون نہ ہڈی - روشن دماغ مفسر سے کوئی پوچھے کہ چڑیاں خود بخود بھُن کر کس طرح گر پڑا کرتی تھیں - اور اگر اُن میں رگ - خون - ہڈی وغیرہ نہیں تھی - تو وہ اُڑنے والی چڑیاں کس طرح ہو گئیں +

۵۹ - قرآن کی تعلیم ہے - کہ بنی اسرائیل کو دھوپ نے ستایا تو خدا نے اُن پر بادل بھیجدیا - اور وہ بطور سائبان کے کام دینے لگا۔ بعضے لوگ تو یہانتک گستاخی کرتے ہیں - کہ وہ بادل بنی اسرائیل کے ساتھ ساتھ سروں پر چلا کرتا تھا - اور سایہ رکھتا تھا۔ کیا خوب میں اُس کو تسلیم نہیں کر سکتا +

۶۰ - قرآن کی تعلیم ہے - کہ خدا نے بنی اسرئیل کو کہا - کہ گائے ذبح کرو - لوگ بڑے چڑائے - حضرت موسےٰ سے کہنے لگے - کہ تم ہمارے ساتھ مسخری کرتے ہو - اُن کے چڑانے کی یہ وجہ تھی کہ ان میں سے ایک شخص کو کسی نے قتل کر دیا تھا - مقتول کا قاتل نہیں ملتا تھا - اِس لیئے خدا نے حکم دیا - کہ گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا لیکر مقتول کے مارو - مقتول زندہ ہو جائیگا اور خود ہی اپنے قاتل کا نام بتا دیگا - چنانچہ خدا کے ساتھ بہت سی ردّ و بدل کے بعد گائے کے رنگ عمر قد وغیرہ کا فیصلہ ہوا - اور گائے ذبح کی گئی - مفسر صاحبان اس بات کو نورٌ علیٰ نور

کرنے کے لیے لکھتے ہیں۔ کہ گائے کی دُم لیکر مقتول کے ماری گئی۔ مقتول فوراً زندہ ہو گیا اور قاتلوں کا نام بتا کر پھر اُسی وقت مر گیا۔ دیکھیئے گائے کی دُم میں مُردے کو زندہ کر دینے کی طاقت ہے۔ اِس لیے اگر بعض ہندو گائے کی دُم پکڑ کر مکتی پا لینا تصوّر کرلیں۔ تو کیا تعجب ہے ‡

۶۱- **قرآن کی تعلیم** ہے۔ کہ خدا نے فرعون کے لوگوں پر مینڈک جھچڑی وغیرہ کا عذاب نازل کیا۔ اور فرعونیوں کے گھروں کو طوفان میں غرق کر دیا مفسر صاحبان لکھتے ہیں۔ فرعون کے گھروں میں تو پانی بھر گیا۔ مگر اسرائیلیوں کے گھر باوجودیکہ بیچ تھے بالکل خشک رہے۔ اور پھر خدا نے تمام دریائے نیل کا پانی خون کر دیا۔ جب فرعونی لوگ پیتے تھے تب خون ہو جاتا تھا۔ اور جب اسرائیلی پیتے تب ویسے کا ویسا ہی پانی رہتا ‡

۶۲- **قرآن کی تعلیم** ہے۔ کہ جب موسیٰ کوہ طور پر خدا سے باتیں کرنے میں مشغول تھے۔ تو بنی اسرائیل نے ایک بچھڑے کی پرستش شروع کر دی۔ جو کہ سونے اور چاندی کے زیورات کو ڈھال کر بنا دیا گیا تھا۔ اور وہ گائے کی طرح بولا کرتا تھا۔ تعجب ہے۔ کہ دھات سے بنا ہوا بچھڑا گائے کی طرح بولے۔ مفسر صاحبان نے اس بات کو حل کر دیا ہے کہ جب بنی اسرائیل دریائے نیل کو عبور کر رہے تھے تو حضرت جبرائیل گھوڑے پر سوار ہو کر اُن کے آگے چلتے تھے۔ ایک شخص مسمی سامری نے جبرائیل کو دیکھ لیا اور اُن کے گھوڑے کے سُم کے نیچے کی خاک سے ایک مٹھی بھر لی۔ جب اُس نے موسیٰ کی غیر حاضری میں سونے چاندی کو ڈھال کر بچھڑا بنا لیا۔ تو اُس کے منہ میں وہ مٹی ڈال دی۔ وہ فوراً بولنے لگا اور اُس کی آواز سنتے کے ساتھ ہی بنی اسرائیل اُس کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلے زمانہ میں گائے کی پوجا روئے زمین پر تھی ‡

۶۳- **قرآن کی تعلیم** ہے۔ کہ خدا نے ابراہیم کو کہا۔ کہ اپنا بیٹا میرے نام پر ذبح کر۔ پس وہ ذبح کرنے لگے۔ مگر چھری نے کاٹ نہ کی۔ اور خدا نے ایک دنبہ بدست جبرائیل بہشت سے بھیجا۔ اور کہا کہ اے ابراہیم تو بڑا دلیر ہے۔ لے اس مینڈھے کو اپنے بیٹے کے بدلے ذبح کر۔ مفسر صاحبان اس پر حاشیہ آرائی

کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ اسمٰعیل کی گردن تانبے کی بن گئی تھی اس لیئے چھری نے کاٹ نہ کی۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ کٹ جاتی تھی۔ اور پھر مل جاتی تھی۔ اور دنبہ جو بہشت سے لایا گیا تھا۔ وہ وہی تھا۔ جو ایک دفعہ آدم کے بیٹے ہابیل نے خدا کے نام پر ذبح کیا تھا۔ وہ چونکہ بہشت میں تھا۔ اب دوبارہ ذبح ہوا۔ اُسکے بڑے بڑے سینگ تھے اور چالیس برس تک بہشت کی انگوری چرتا رہا تھا*

۶۴- قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا کے پیغمبر ابراہیم کو آگ میں ڈالدیا گیا۔ آگ بالکل سرد ہوگئی۔ چاروں طرف پھول کھل پڑے۔ اور پانی کے چشمے جاری ہوگئے۔ تعجب کی بات ہے۔ کہ لیٹیمر اور کرنمر جیسے خدا پرست آگ میں پھینکے گئے اور وہ سرد نہ ہوئی۔ کیا خدا اُن کو بھول گیا تھا۔ اور ابراہیم سے ساتھ خدا کی خاص محبت تھی کہ وہاں تو آگ کے پھول بنا دیئے اور یہاں سرد تک نہ کی*

۶۵- قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ موسیٰ ایک خدا رسیدہ شخص سے ملنے گیا۔ پتہ یہ کہ جہاں بھنی ہوئی مچھلی زندہ ہوکر پانی میں چلی جاوے۔ وہاں پر ہی وہ شخص ملیگا۔ بہت جدوجہد کے بعد موسیٰ ایک جگہ پہنچے۔ جہاں مچھلی زندہ ہوکر پانی میں چلی گئی۔ اور اس خدا رسیدہ شخص سے بات چیت کی۔ میں پوچھتا ہوں کہ بھنی ہوئی مچھلی کیونکر زندہ ہوگئی*

۶۶- قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ مٹی کے کھلونے بنا کر ان میں روح ڈال دیتا تھا۔ اور اپنے ہمجولیوں کے سامنے ہی اُن کو اڑا دیا کرتا تھا۔ یہ اس کا معجزہ تھا۔ اہل قرآن تو یہ تسلیم کر سکتے ہیں۔ کہ چونکہ حضرت عیسےٰ اُن کے نزدیک بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ اس لیئے وہ جانوروں کو بھی بغیر باپ کے پیدا کر سکتے تھے۔ مگر میں اتنی بڑی گپوں اور خلاف از قانون قدرت باتوں کو ہرگز نہیں مان سکتا*

۶۷- قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے مفسروں نے جو اس پر عقل کو برسر طاق رکھ کر خامہ فرسائی کی ہے۔ وہ بندی کھلی ہے

۶۸- قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ یہودیوں نے نہ تو حضرت عیسےٰ کو مارا اور نہ ہی پھانسی دیا۔ بلکہ اُن لوگوں کو خاص شبہ پڑ گیا۔ اس شبہ کو مفسروں نے یوں حل کیا ہے۔ کہ حضرت عیسےٰ کو خدا نے آسمان پر بلالیا۔ اور اُس کی جگہ اس کے ایک دشمن

کی شکل جو عیسےٰ کے مارنے کے درپے تھا ہو بہو عیسیٰ کے مشابہ بنادی۔ لوگوں نے اسکو مار ڈالا۔ اور حضرت عیسےٰ صاحب آسمانوں پر بھاگ گئے۔ معلوم نہیں آسمانوں پر کس طرح اُڑ گئے اور چالیس پچاس میل اوپر جاکر وہ سانس کس طرح لیتے رہے۔ یہ بائبل کی نقل کی گئی ہے +

۶۹- قرآن کی تعلیم ہے - کہ خدا نے ایک شخص کو قیامت کا یقین دلانے کے لئے مار دیا۔ اور سو سال کے بعد زندہ کر کے پوچھا۔ بتا تو کتنے سال مُردہ رہا۔ کہا ایک دن یا ایک دن سے بھی کم۔ خدا نے کہا کہ نہیں تو سو سال تک مُردہ رہا دیکھ تیرے گدھے کی ہڈیاں بالکل بوسیدہ ہو گئی ہیں۔ ہم ان کو تیرے سامنے ہی گوشت پوست لگا کر زندہ کرتے ہیں گدھا بھی سو سال کا مُردہ زندہ ہو گیا لطف یہ کہ اُس کا کھانا بھی سو سال میں بالکل نہ سڑا۔ اور روٹی کا ویسا تر و تازہ رہا معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص نے خواب دیکھا ہو گا۔ مگر اڑانیوالوں نے خوب بے پر کی اُڑائی +

۷۰- قرآن کی تعلیم ہے - کہ ابراہیم نے خدا سے پوچھا اے خدا تو کس طرح قیامت کو مردے زندہ کریگا۔ خدا نے کہا کیا تجھے اس میں کچھ شک ہے ابراہیم نے جواب دیا۔ کہ شک تو نہیں۔ مگر میرا دل کچھ مطمئن نہیں ہے۔ خدا نے کہا اچھا چار پرندے لیکر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے چار پہاڑوں پر رکھ دے اور پھر ان کو بُلا وہ تیری طرف بھاگے آئیں گے۔ روشن ضمیر اور اعلیٰ دماغ مفسروں نے اس پر حاشیہ آرائی کر کے خوب نُورٌ علیٰ نور کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نے ایک کوا۔ ایک کبوتر۔ ایک فاختہ۔ ایک مینا۔ چار جانور لئے۔ چاروں کے سر کاٹ کر اپنے پاس رکھ لئے۔ اور دھڑوں کو ہاون دستہ میں ملا کر کوٹ کر بالکل چور چور کر دیا۔ اور اس چورے کا تھوڑا تھوڑا ساحصہ چار پہاڑوں پر رکھ دیا۔ پھر بولنے لگا اے کوے آ۔ اے کبوتر چلا آ۔ اے فاختہ اُڑ کر آجا۔ اے مینا چل۔ اور تم اپنے سر کے ساتھ آ لگو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا +

۷۱- قرآن کی تعلیم ہے - کہ ہفتہ والے دن مچھلی پکڑنے والوں کو خدا نے سور اور بندر بنا دیا۔ پوچھنا چاہیئے کہ آدمیوں کے سور اور بندر کس طرح

بن گئے کیا اُن کے دم بھی نکل آئی تھی یا بے دم کے بندر اور سور بنے تھے ۔

۷۲۔ قرآن کی تعلیم ہے ۔ کہ بہت لمبی چوڑی کشتی میں نوح نے روئے زمین کے تمام چرند پرند درند حشرات کا ایک ایک جوڑہ معہ اُن کی خوراک کے رکھ لیا ۔ اور باقی تمام مخلوقات تباہ ہو گئی ۔ ہاتھی ۔ گینڈے ۔ شیر ۔ بھیڑیئے ۔ سور ۔ بندر ۔ گائے بھینس ۔ اونٹ وغیرہ لاکھوں جسیم جانوروں کو ایک چھوٹی سی کشتی میں رکھ لینا کون تسلیم کرے ۔ بھلا کیا حضرت نوح کو روئے زمین کے تمام پرندوں ۔ چرندوں ۔ درندوں ۔ کیڑے مکوڑوں ۔ حشرات الارض کے نام اور اقسام آتے تھے ۔ کہ بہ ترتیب کشتی میں بٹھائے گئے اگر نوح کی کوئی ایسی کتاب جس میں کہ وہ یہ نام چھوڑ گئے ہوں ۔ مل جاوے ۔ تو نیچر لسٹ کو گویا نعمت بیش بہا ہاتھ آ جاوے ۔

۷۳۔ قرآن کی تعلیم ہے ۔ کہ اگر ایک عورت کسی مرد کا چہرہ تک بھی نہ دیکھے ۔ تو بھی اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو سکتا ہے ۔ اس بات کی شہادت حضرت عیسےٰ اور مریم کے قصے سے ملتی ہے ۔ جو کہ قرآن میں اکثر جگہ مذکور ہے اہل قرآن حضرت عیسےٰ کو یوسف نجار کا بیٹا تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ وہ ہے ۔ الٹا اسکو بغیر باپ سے پیدا شدہ مانتے ہیں ۔ اس بات سے قانون قدرت پر دھبا ۔ اور مریم پر الزام لگتا ہے اور یہ بات بجائے معجزے کے ایک فحش بات ہو جاتی ہے ۔

۷۴۔ قرآن کی تعلیم ہے ۔ کہ جب لوط کی قوم نے حضرت لوط کی نصیحت سے روگردانی کی ۔ تو خدا کو بڑا غصہ آیا ۔ چنانچہ اسی جوش میں آ کر ان تمام شہروں کو اٹھا کر الٹا کر کے پھینک دیا اور پھر اوپر سے پتھروں کا مینہ برسا دیا ۔ روشن دماغ مفسر اس بات پر اور بھی رنگ چڑھاتے ہیں ۔ لکھتے ہیں کہ خدا نے آپ تو شہروں کو نہیں اٹھایا تھا ۔ بلکہ اس نے جبرائیل کو حکم دیا ۔ کہ وہ اپنے پر شہروں کے نیچے رکھ کر مکانات وغیرہ کو پروں پر اٹھا لے ۔ چنانچہ جبرائیل شہروں کے شہر پروں پر اٹھا کر آسمان کی طرف اڑ گیا ۔ اور اتنا اونچا چلا گیا ۔ کہ آسمان والوں نے بھی ان شہروں کے گدھوں ۔ کتوں اور مرغوں کا شور و غل سن لیا ۔ پھر جبرائیل نے اوپر سے الٹا کر کے ان کو نیچے پھینک دیا ۔ اور وہ سب تباہ ہو گئے ۔

۷۵۔ قرآن کی تعلیم ہے ۔ کہ خدا نے شعیب پیغمبر کی قوم کو چیخ مار کر

ہی فنا کر دیا اور اسی طرح صا

ہیں۔ یہ سب بچوں کو بہلانے کی کہا

بھی بچے ہی سمجھے جائینگے۔

۷۶۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خد

اسلام کو بھگا دیا۔ حاضرین کیا بھلا خدا بھی کنکر یا

مارنا نادان بچوں کا کام ہوتا ہے۔ نہ کہ عقلمندوں کا۔

۷۷۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا نے ہزاروں
کی خاطر لڑنے کے لیئے بھیجنے کا وعدہ کیا۔ افسوس ہے کہ وہ آسمانی
مفقود الخبر ہے۔ بیچارے مسلمان سپین آسٹریا سے نکالے گئے۔ یوروپ
شکست ہوئی۔ افریقہ میں بھی خستہ ہوئے ہندوستان میں سلطنت کھو بیٹھے
آسمانی فرشتوں نے اُن کی کچھ مدد نہ کی۔ ممکن ہے کہ فرشتے اہل فرنگ کی توپوں
کی آواز سے ڈر کر آسمان میں چھپ رہے ہوں۔ یا راستہ بھول گئے ہوں۔

۷۸۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ ذوالقرنین نے مغرب میں جا کر دیکھا کہ سورج ایک دلدل میں غروب ہوتا ہے کیا خوب مگر ذوالقرنینی دلدل کا جہاز رانوں کو کہیں پتہ نہیں ملا۔ امریکہ مل گیا۔ آسٹریلیا مل گیا۔ بہت سے اور جزیرے بھی مل گئے۔ ذوالقرنینی دلدل نہ ملی۔ کیا خشک ہو گئی ہے یا آسمان پر چڑھ گئی ہے

۷۹۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کو آہنی دیوار اور سمندر کے بیچ میں قید کر دیا۔ اور یہ عجیب الخلقت آدمی قیامت کو وہاں سے نکلینگے۔ یوروپ والوں نے چپہ چپہ زمین تلاش کر ڈالی اور روئے زمین کی آبادی معلوم کر لی۔ مگر یاجوج ماجوج کہیں نہ ملے۔ بعض لوگوں نے یہ کہدینا شروع کیا۔ کہ دیوار چین سد سکندری ہے اور اہل منگولیا یاجوج ماجوج ہیں مفسر صاحبان نے خوب روشن دماغی سے کام لیا۔ لکھتے ہیں کہ یاجوج ماجوج کے قد ایک بالشت سے لیکر ایک سو بیس گز تک لمبے ہیں ان کے کان اتنے بڑے ہیں۔ کہ رات کو سوتے وقت ایک کان تو نیچے بچھا لیتے ہیں۔ اور دوسرے کان کو چادر کی طرح اوپر اوڑھ لیتے ہیں۔ حیف ہے ایسی روشن دماغی پر۔ اور افسوس ہے ایسی کھوپڑی پر

...سمان بغیر ستونوں کے جو کی
...شیطان چپ چاپ اوپر جا کر فرشتوں
...ستارے توڑ کر مارے جاتے ہیں۔ اور
...بھاگ آتا ہے۔ بیشک اگر شیطان اپنی شیطانی
...سمان ستاروں سے خالی ہو جائیگا۔ اور پھر چاند اور
...نوبت آجائیگی۔ پھر کسی دن خود ساتوں کے ساتوں آسمان
...سر پر مارے جاوینگے۔ ایک روشن دماغ مفسر نے لکھا ہے۔ کہ پہلا
...کا دوسرا سنگ مرمر کا تیسرا لوہے کا۔ چوتھا پیسے کا۔ پانچواں چاندی کا
...سونے کا۔ ساتواں یاقوت سرخ کا ہے ؛

۸۱- قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ روزوں کے دنوں میں اس وقت تک کھانا جائز ہے۔ جب تک کہ صبح کی سفیدی اتنی نمودار نہ ہو جاوے۔ کہ سفید دھاگے کو سیاہ دھاگے سے تمیز کیا جا سکے۔ اس کے بعد تمام دن منہ بند رکھنا چاہئے آدھی رات کو اٹھ کر کھانا۔ کتنا خلاف از قانون قدرت ہے۔ چرند۔ پرند۔ درند۔ کیڑے مکوڑے بھی اکثر رات کو آرام کرتے ہیں۔ مگر روزے دار کو پیٹ کی پڑی ہوئی ہوتی ہے۔ عرب میں تو یہ قانون چل گیا۔ مگر خدا کو یہ نہ سوجھا کہ زمین کے شمالی اور جنوبی قطب کے رہنے والے کس طرح روزہ رکھا کرینگے۔ کیا چھ ماہ تک انکو بھوکا مرنا پڑیگا۔

۸۲- قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا نے آسمان کو ہاتھوں کے بل سے بنایا اور خدا کو ذرا بھی تکان نہ ہوئی۔ میں پوچھتا ہوں۔ کہ ہاتھ کے ساتھ آسمان بنانے کی کیا ضرورت تھی۔ کُن کا لفظ کہ دینا کافی تھا۔ آسمان بن گیا ہوتا ؛

۸۳- قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا نے زمین پر پہاڑ اس لئے رکھے ہیں کہ وہ آدمیوں کے بوجھ سے ہل نہ جاوے۔ افسوس ہے کہ پھر بھی زمین کی سر گردانی دور نہ ہوئی۔ وہ برابر گھوم رہی ہے۔ اور اکثر مارے سردی کے کانپ اٹھتی ہے ؛

۸۴- قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا آسمان اور زمین کو تھام رہا ہے ایسا نہ ہو کہ اپنی اپنی جگہ سے ادھر ادھر مٹ جاویں۔ مفسروں نے یوں لکھا ہے۔ کہ جب یہودی وغیرہ لوگوں نے کہا۔ کہ عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے۔ تو زمین اور آسمان اس جگہ

کفر کو سنکر پھٹنے کو ہی تھے کہ خدا نے ان کو پکڑ لیا۔ اور پھٹنے سے باز رکھا ۔

۸۵۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا نے مختلف کام سرانجام دینے کے لئے فرشتے مقرر کیے ہوئے ہیں۔ ان فرشتوں کے پر ہوتے ہیں۔ بعضوں کے دو دو بعضوں کے تین تین۔ اور بعضوں کے چار چار۔ اور بعضوں کے ان سے بھی زیادہ۔ مفسروں نے تو جبرائیل کے چھ سو پر بیان کیے ہیں۔ نادان لوگ تو یہاں تک بھی بیان کرتے ہیں کہ جبرائیل کا ایک پر مشرق میں اور دوسرا مغرب میں پہنچتا ہے اور فرشتوں کے متعلق عجیب گھڑنت بنائے ہوئے ہیں۔ چنانچہ دو فرشتے ہاروت اور ماروت بابل کے کنوئیں میں تا ہنوز قید ہیں۔ شاید بابل شہر کے کھنڈرات کھودتے کھودتے یہ فرشتے بھی مل جاویں۔ میں ان عجیب الخلقت پردار جانوروں کی ہستی کو تسلیم نہیں کر سکتا ۔

۸۶۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا قیامت کے دن دوزخ سے پوچھیگا کیا تو آدمی اور پتھر کھا کر سیر ہو گئی یا نہیں۔ بیچارہ جہنم بولیگی۔ کیا کچھ اور باقی ہے یعنی اگر اور کچھ باقی ہے تو دیجئے۔ خدا اس کے اس پیٹوپن کو دیکھ کر خاموش ہو جائیگا اور کچھ جواب نہیں دیگا۔ مفسر لوگوں نے اسکا یہ جواب دیا ہے۔ کہ خدا اپنے دونوں پاؤں دوزخ میں ڈال دیگا۔ اور جہنم کو سیر کریگا ۔

۸۷۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا دوزخ کو آدمیوں جنوں اور پتھروں سے بھریگا۔ معلوم نہیں جن کون ہونگے۔ اور کون ہیں۔ بھوتنے اور چڑیلوں کا ذکر تو چھوٹے ہوتے سنا کرتے تھے مگر جنوں کا ذکر قرآن کی سورۂ جن اور دیگر آیات سے ہی پڑھنے میں آیا ہے۔ بھلا پتھروں نے کیا گناہ کیا۔ کہ ان کو دوزخ میں ڈالا جاویگا۔ یہ شاید اس لئے ہو۔ کہ مورتی پوجکوں کو وہاں مورتی بنانے کے لئے پتھروں کی تلاش میں ادھر ادھر نہ جانا پڑے۔ بلکہ دوزخ میں سے ہی پتھر لیکر مورتی بنا کر پوجنے لگ جاویں ۔

۸۸۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا کو خوب قرض دو۔ وہ دوگنا واپس کر دیگا۔ افسوس ہے۔ کہ خدا سود کو قرآن میں حرام ٹھہرا دے اور خود دوگنے سود پر قرض لے۔ بھلا خدا کو قرض کی کیا ضرورت ۔

۸۹- قرآن کی تعلیم ہے - کہ اگر خدا چاہتا تو سب کو ایک دین پر کر دیتا - مگر پوچھیے کہ اُس نے ایسا کیوں نہیں کیا - اور ایسا کیوں نہیں کر دیتا - کیا مذہب کی خاطر لوگوں کا خون بہتا ہوا دیکھنا اُس کو زیادہ خوش کرتا ہے - کیا وہ اہل روم کی طرح ہے - جو اونچی جگہ پر بیٹھ کر شیروں اور بھیڑیوں کو آدمیوں کے ساتھ لڑتے ہوئے اور لہولہان ہوتے ہوئے دیکھ کر اپنی خونخواری کو سیر کرتے تھے؟

۹۰- قرآن کی تعلیم ہے - کہ خدا جس کو چاہتا ہے - گمراہ کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے راہ پر لاتا ہے - بھلا پھر آدمیوں کو کیوں دوزخ میں ڈالا جاوے جبکہ اُنہوں نے جو کچھ کیا وہ خدا کی مرضی سے ہی کیا +

۹۱- قرآن کی تعلیم ہے - کہ خدا شرک کے سوا باقی تمام گناہ معاف کر دیتا ہے - تعجب کی بات ہے کہ مورتی پوجک کو جس نے کبھی شراب نوشی - زناکاری چوری ٹھگی نہیں کی - اور ہمیشہ اپنے دیوتا کی کرپا سے ڈرتا رہا - دوزخ میں ڈالا جاوے - اور دوسری طرف ایک شرابی کبابی - زانی - چور - بدمعاش شخص اپنے تمام گناہوں کو معاف کروا کر بہشت کے مزے لوٹے +

۹۲- قرآن کی تعلیم ہے - کہ جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو مسلمانوں اور کافروں کے درمیان خدا ایک پردہ ڈال دیتا ہے - تاکہ وہ نہ سمجھ سکیں - یہ اس لئے کہ خدا نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے - اور اُن کی آنکھوں پر پردے ڈال دئے ہیں - بھلا اگر یہی بات تھی تو کافروں کو تلقین ایمان کرنے کے لئے نبی کیوں بھیجا اور اگر کافر لوگ راہ راست پر نہ آویں - تو اُن کا قصور ہی کیا +

۹۳- قرآن کی تعلیم ہے - کہ مشرک اور کافر ناپاک ہیں - ان سے دوستی مت لگاؤ - اگر کوئی اُن سے دوستی لگائیگا - تو وہ بھی کافر ہو جائیگا - اور بدیں وجہ مستحق عذاب الٰہی ہوگا اس تعلیم کے مطابق تمام عیسائی، یہودی، ہست - آریہ - سکھ وغیرہ لوگ جن میں سے اول تثلیث کو ملتے ہیں اور سارے کے سارے ہی قرآن سے منکر ہیں - ناپاک ٹھہرتے ہیں اور دوزخی بنتے ہیں +

۹۴- قرآن کی تعلیم ہے - کہ کافروں کو جہاں پاؤ - قتل کر ڈالو کیونکہ قتل سے کفر بڑا ہے - افسوس ہے - اس قسم کی تعلیم امن و چین کا کس قدر خون کرنیوالی

ہے۔ اسی تعلیم نے تو محمود غزنوی کو امین الملت بنایا +

۹۵۔ قرآن کی تعلیم ہے ۔ کہ لوٹ کا مال خدا اور اُس کے رسول کا حق ہے۔ اور خدا کو لوٹ کے مال کا پانچواں حصہ ملنا چاہیئے۔ بھلا جب خدا ہی لوٹ مار کرنے کے لیئے وحی بھیجے تو پھر آدمی کا کیا قصور +

۹۶۔ قرآن کی تعلیم ہے ۔ کہ دین اسلام خدا کی طرف سے ہے
میں اس طرح اسلام اور قرآن کو منجانب اللہ تسلیم کرتا ہوں کہ جس طرح تمام بُرائیاں خدا کی طرف سے ہیں وہی اُن کا خالق مانا گیا ہے۔ تمام گمراہی خدا کی طرف سے ہے۔ وہی گمراہ کنندہ ہے۔ تمام چیزوں کا۔ حتّٰی کہ شیطان کا بھی وہی خالق ہے۔ گویا شیطان بھی منجانب اللہ ہے۔ ان معنوں میں دین اسلام بھی بے شک خدا کی طرفسے ہے

۹۷۔ قرآن کی تعلیم ہے ۔ عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ جاؤ اُنکے پاس جس وقت اور جس طرف سے چاہو۔ کھیتی کسانوں اور زمینداروں کی ملکیت ہوتی ہے۔ عورتوں کو ملکیت کہا گیا ہے۔ آدمیوں کے برابر اُن کو کوئی حقوق حاصل نہیں +

۹۸۔ قرآن کی تعلیم ہے ۔ کہ اگر کوئی عورت بدکاری کرے۔ تو اُس کو خوب پیٹو۔ اور گھر میں قید رکھو حتّٰے کہ مرجاوے۔ افسوس۔ عورت بدکاری کرے تو اُس کو خاوند مارے۔ اگر خاوند بدکاری کرے۔ تو اُسکو عورت کیوں نہ جوتی لگائے۔ اور گھر میں تاحیات قید رکھے۔ یہ محض اس لیئے کہ عورت غلاموں کی طرح ملکیت تصور کی گئی ہے +

۹۹۔ قرآن کی تعلیم ہے ۔ کہ مسلمان لوگ عورت کو طلاق دے سکتے ہیں۔ افسوس ہے۔ عورت بدصورت ہو لڑکیاں پیدا کرے یا خراب ہو تو اُس کو طلاق دیا جاوے۔ لیکن اگر آدمی بدصورت ہو۔ لڑکیاں پیدا کرے اور خراب ہو۔ تو اُس کو طلاق نہ دی جاوے +

۱۰۰۔ قرآن کی تعلیم ہے ۔ کہ مسلمان لوگ ایک ہی وقت میں دو دو تین تین۔ چار چار بیویاں کر سکتے ہیں۔ بھلا پھر عورتیں ایک ہی وقت میں دو دو تین تین۔ چار چار خاوند کیوں نہ کریں +

۱۰۱- قرآن کی تعلیم ہے- کہ مسلمان عورتیں پردہ کریں اور چادر سے اپنے چہروں کو ڈھانک کر باہر جاویں- تاکہ کوئی غیر آدمی اُن کو نہ دیکھ سکے- یا وہ کسی غیر آدمی کو نہ دیکھ سکیں- کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ مسلمان آدمی کیوں نہ چادروں سے منہ چھپا کر باہر نکلا کریں- تاکہ کوئی غیر عورت اُن کو نہ دیکھ سکے- یا وہ کسی غیر عورت کو نہ دیکھ سکیں- کیا منہ کے چھپانے سے پاکیزگی قایم رہ سکتی ہے جبکہ دل کا پردہ اٹھ گیا ہو- علاوہ ازیں منہ کو کپڑے سے چھپا کر سونا چلنا پھرنا صحت کے لئے بہت مضر ہے+

۱۰۲- قرآن کی تعلیم ہے- متبنٰے یعنے بالک بیٹے کی بیوی تمہارے لئے حلال ہے- یہ بات کتنی قابل اعتراض ہے مانا کہ متبنٰی اصلی بیٹا نہیں ہے- مگر پھر بھی عام سوشیل میل ملاپ کے لحاظ سے فرض کردہ بیٹے کی عورت سے شادی کرنا کس قدر معیوب ہے+

۱۰۳- قرآن کی تعلیم ہے- کہ غریبی سے مت ڈرو- نکاح ضرور کرلو- خدا تمہیں امیر کردیگا- خدا کا غریبی کی حالت میں نکاح کا حکم دینا چہ معنے دارد اگر امیر بننے کا یہ خدائی نسخہ ہے- تب تو اچھا آسان طریقہ ہے- مگر میں اہل اسلام کو نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ایسا نہ کریں- جس صورت میں کہ وہ خود ہی لنگڑے ہوں دوسرے لنگڑے کو سر پہ نہ اٹھالیں+

۱۰۴- قرآن کی تعلیم ہے- چچا اور ماموں وغیرہ نزدیکی رشتوں کی لڑکیاں- تمہارے لئے حلال ہیں- اس قدر نزدیکی رشتہ میں شادی کرنا قطع نسل کرنا ہے- سگے بھائی بہنوں کی اولاد ایک دوسرے کو بھائی بہن کہتی پھرے اور پھر خاص وقت آجانے پر وہ میاں بیوی بن جاویں- اہل عرب آپس میں ایک دوسرے قبیلے کے ساتھ دشمنی رکھنے کے سبب لڑکیوں کو اپنے ہی کنبے میں رکھتے تھے- اور دشمن کے قبیلے میں لڑکی دینا کسر شان سمجھتے تھے- مگر ہندوستان میں جہاں عرب کے خانہ بدوشوں کی طرح چند آدمیوں کی جھونپڑیاں علیحدہ علیحدہ نہیں ہیں- بلکہ وہ عالیشان شہروں میں جو مختلف کنبوں اور قبیلوں اور گوتوں کے آدمیوں سے معمور ہیں- آباد ہیں؟ اس قاعدے کا جاری کرنا شایان نہیں ہے+

۱۰۵- قرآن کی تعلیم ہے - کہ اہل اسلام یا اہل قرآن چار سے زیادہ عورتیں ایک وقت میں نہیں کر سکتے - اگر قانون خدا کی طرف سے ہے - تو کیا وجہ کہ ایک آدمی اُس سے مستثنےٰ کر دیا جاوے - لہذا میں اِس بات کو مبنی بر انصاف نہیں سمجھتا ہوں

۱۰۶- قرآن کی تعلیم ہے - کہ اے رسول ہم تم کو یہ خبریں غیب کی سناتے ہیں - تو اور تیری قوم اس سے بالکل بے خبر تھے - اس آیت سے پہلے مختلف قصے نوح - ابراہیم وغیرہ کے بیان کئے گئے ہیں - اور ان کو غیب کی بات کہا گیا ہے - کیا جن کو اہل عرب پہلے نہیں جانتے تھے - بائبل کے پڑھنے والے دوسرے لوگ بھی ان سے بے خبر تھے - یہ سچ ہے - کہ قرآن کا وجود ہونے سے پہلے ابراہیم - نوح - موسیٰ وغیرہ کے مفصل قصے بائبل میں موجود تھے - پھر اسکو غیب کی بات کہنا +

۱۰۷- قرآن کی تعلیم ہے - کہ خدا نے اُس کو بذریعہ وحی اپنے بندے پر نازل کیا ہے - مگر کیا خدا اور اُس کا جبرائیل محض موسیٰ عیسیٰ - ابراہ[illegible] نوح - لوط - وغیرہ بائیبلی ناموں سے ہی واقف تھے - کہاں ان کو ہندوستان[illegible] رشی - منی - پانڈو - کورو - رامچندر اور سیتا - بکرماجیت - گوتم بدھ کنفاد پتنجلی وغیر[illegible] کے نام نہیں آتے تھے اور کیا یہ سب کے سب عیسےٰ موسےٰ سے کچھ کم تھے پھر ق[illegible] شریف اور قرآن شریف میں ان کا نام کیوں نہ آیا - سکندر کو تو ذوالقرنین کے[illegible] سے یاد کر لیا - مگر چندر گپت کا نام کہیں نہیں آیا +

۱۰۸- قرآن کی تعلیم ہے - کہ اہل کتاب نے جن سے مراد یہودی[illegible] نصاریٰ وغیرہ لوگ ہیں - انجیل اور توریت میں کچھ رد و بدل کر دیا ہے - انجیل[illegible] توریت کے علاوہ زبور اور دیگر صحائف انبیا کا بھی مہمل سا ذکر قرآن میں آیا ہے[illegible] اس میں وید شاستر ژند اوستھا وغیرہ کتابوں کا کہیں نام نہیں آیا - جس سے معلوم[illegible] ہے - کہ شاید یہ کتابیں قرآن سے پیچھے بنی ہوں - اگر وہ پہلے ہوتیں تو انجیل اور توریت[illegible] کی طرح ان کا بھی قرآن میں ذکر ہوتا مگر یہ کہنا ایسا ہی ہے - جیسا کہ بابر بادشاہ اورنگزیب کے بعد پیدا ہوا - نہیں وید شاستر اور ژند وستھا کی کتابیں ہزاروں سال قرآن سے پہلے موجود تھیں +

۱۰۹- قرآن کی تعلیم ہے - کہ تم مت کھاؤ مگر خدا نے بذریعہ وحی

کوہ طور۔ مکہ۔ زیتون۔ گھوڑوں۔ ہواؤں وغیرہ کی قسمیں کھائی ہیں۔ کیا وجہ کہ خدا نے ہمالیہ۔ ایلپس۔ وندھیاچل پہاڑوں اور ہندوستان کے آڑو۔ آلوچوں۔ سنگتروں۔ اور بھینس ہاتھی وغیرہ کی کہیں قسم نہ کھائی۔

۱۱۰۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا نے ان پڑھوں میں ان پڑھ رسول بھیجا۔ تو کیا پڑھے لکھے عالم۔ فاضل۔ لوگوں کے لئے ایک ان پڑھ کی بات قابل تسلیم ہو سکتی ہے۔ اور جس کتاب میں یہ بیان ہو۔ کہ سورج ایک دلدل میں غروب ہوتا ہے۔ عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہو گیا۔ لاٹھی کا سانپ بن گیا۔ وغیرہ وغیرہ ہم اس کتاب کو مستند سمجھ سکتے ہیں؟

۱۱۱۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا نے اس کو عربی زبان میں نازل کیا ہے اس لئے کہ لوگ اس کی عجمی زبان میں ہونے پر کہیں یہ نہ کہہ دیں کہ ہم اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ بھلا کیا خدا کو معلوم نہیں تھا۔ کہ دوسرے لوگ جو عربی نہیں جانتے بھی عربوں کا ہی اعتراض پیش کریں گے۔

۱۱۲۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ خدا کے کلمات تبدیل نہیں ہو سکتے اگر کلمات سے مراد ہم قانون قدرت لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کس قدر قانون قدرت کے برخلاف باتوں سے بھرا ہوا ہے۔ اگر کلمات کے معنے محض باتوں یا آیتوں کے لیں۔ تو بھی ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ایک آیت کو بدل کر دوسری نازل کی گئی ہے۔ چنانچہ قرآن میں خود اس بات کا ذکر ہے۔ کہ ہم نہیں منسوخ کرتے کسی آیت کو۔ مگر یہ کہ اتارتے ہیں اس سے ایک اور اچھی آیت۔ محقق شخص کتنے ہی احکام قرآن ایسے دیکھ سکتے ہیں۔ کہ جو پہلے جائز سمجھے گئے۔ پھر منع کئے گئے۔ شراب کو پہلے حرام نہیں کیا۔ بلکہ بہت دیر کے بعد حرام کیا۔ اسی طرح اور کئی باتیں۔ ایک طرح پر تھیں۔ مگر پھر وہ دوسری طرز پر کر دی گئیں۔ مثلاً پہلے بیت المقدس پھر کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا۔ تو کیا خدا کے احکام قرآن میں اٹل ہوئے ہرگز نہیں

۱۱۳۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ اے محمد لوگوں کو جو کافر ہیں کہہ دے۔ کہ وہ اور ان کے معبود قرآن جیسی کتاب بنا لائیں۔ اگر وہ سچے ہیں اور تحقیق وہ نہیں بنا سکیں گے پس وہ دوزخ میں ڈالے جاویں گے۔ حاضرین کیا کبھی

کتاب کے من جانب اللہ ہونے کی یہ کوئی دلیل ہے۔ کہ اس کا ثانی کوئی نہیں بنا سکتا۔ ہرگز نہیں۔ اگر یہی بات ہو تو شاید شکسپیر کے تمام ناٹک اور ڈرامے کے مضامین۔ جو اپنے طرز میں بالکل نرالے ہیں۔ سب من جانب اللہ ہی سمجھنے چاہئیں؛

۱۱۴۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ اے رسول تو لوگوں کو سنا دے کہ اگر قرآن خدا کی طرف سے نہ ہوتا۔ تو اس کی باتوں میں اختلاف پایا جاتا۔ سوچئے کن کا دم بھرنا۔ مگر پھر بھی چھ دن میں زمین و آسمان کا بنانا۔ ماں اور باپ کے نطفہ سے انسانی پیدائش کی تعلیم مگر آدم کو بغیر ماں اور باپ کے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنا اَوْ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ۔ (خدا کے قوانین بدل نہیں سکتے کا دم مارنا مگر پھر بھی لاٹھیوں کے سانپ بنانا۔ اور پتھروں میں سے اونٹنی کا پیدا کرنا۔ خدا کا قدوس ہونا۔ مگر پھر بھی اس کا مکّار۔ فریبی۔ لڑاکا۔ گمراہ کنندہ خالق شر ہونا۔ وغیرہ وغیرہ باتیں کس قدر باہم مختلف ہیں؛

۱۱۵۔ قرآن کی تعلیم ہے۔ کہ وہ لوگوں کے لئے ہدایت ہے کیا پوچھتا ہوں کہ خدا کی کلام۔ اور وہ بھی لوگوں کی ہدایت کے لئے مگر اس میں معموں اور پہیلیوں کا کیا مطلب۔ اب تک بڑے بڑے مفسر اور خود رسول خدا کے اصحاب بھی زور لگا چکے۔ مگر قرآن کے حروف مقطعات کا اصلی مطلب کسی کو سمجھ میں نہیں آیا۔ آخر سب کو یہ کہنا پڑا کہ یہ ایک بھید ہے۔ جس کو خدا ہی جانتا ہے۔ بھلا بتلایئے۔ ہدایت تو لوگوں کے لئے مگر بھید کس کے لئے ہے؛

قرآن مجید پر مذکورہ بالا اعتراضات کے پڑھے جانے کے بعد میں نے مفصلہ ذیل فقرات کو ادا کیا:-

> "طول کلامی کو چھوڑ کر میں نے مذکورہ بالا چند وجوہات ترک اسلام کے بارے میں پیش کر دئے ہیں۔ باقی یہ بات کہ ویدک دھرم میں مجھے کیا خوبی نظر آئی۔ اس کے لئے علیحدہ لیکچر کی ضرورت ہے"
>
> ترک اسلام صفحہ ۶۸

میرے تمام لیکچر میں یہ فقرہ نہایت ہی وزندار تھا۔ اس لئے کہ میں جانتا تھا۔ کہ جن طاقتوں پر میں گولہ برسانے لگا ہوں۔ وہ مجھ سے یہ مطالبہ ضرور کرینگے۔ کہ میں اُن کو

وہ وجوہات بتاؤں جن کی بنا پر میں نے ویدک دھرم کو قبول کیا ہے۔ چنانچہ اُن کا منہ بند کرنے کے لئے مجھے اس فقرہ کی سخت ضرورت محسوس ہوئی۔ لیکن مجھے افسوس سے اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ کہ میں نے ۲۴؍ جون ۱۹۰۳ء سے لیکر ۲۴؍ جون ۱۹۱۴ء تک بھی اپنے اس وعدہ کو پورا نہ کیا۔ حالانکہ ملانوں کی طرف سے اکثر مجھ سے اس وعدہ کے پورا کرنیکا مطالبہ کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ میرا مدعا ملانوں کے برخلاف مدافعانہ پہلو اختیار کرنے کا نہیں تھا۔ بلکہ محض جارحانہ جنگ کرنے سے تھا۔ میں چاہتا تھا کہ میں اُنپر اعتراضات کی گولہ باری ہی کرتا جاؤں۔ اور اگر وہ اپنی باری میں مجھ سے کوئی مطالبہ کریں۔ تو اُن کے اس قسم کے مطالبات کو بالکل حقیر اور بے وقعت سمجھ کر نفرت کے ساتھ نظر انداز کرتا جاؤں اس لئے کہ میں صرف اپنے خیالات کی آزادی کے لئے ملانوں کے ساتھ جنگ کرنا چاہتا تھا۔ اور میں ہرگز ہرگز اس بات کے لئے تیار نہیں تھا۔ کہ میں ملانوں کی ہتھکڑی کو اپنے ہاتھ سے اُتار کر ویدک دھرم کے ماننے والوں کی کسی خوبصورت ہتھکڑی کو پہن کر از سر نو قیدی بن جاؤں۔ یہی وجہ تھی کہ جب آریہ سماج کے ممبروں نے ۲۴؍ جون ۱۹۰۳ء کی صبح کو مجھے "غلامی ازم" کی ہتھکڑی لگانی چاہی۔ تو میں نے "گربہ کشتن روز اول" کے مطابق اس ہتھکڑی کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ حالانکہ آریہ سماج نے اکثر عیسائیوں اور مسلمانوں کو شدھ کرنے سے پیشتر مونڈا۔ گوبر اور گئوموتر کا مرکب یعنی پنچ گویہ تک پلایا۔ برت رکھوایا۔ گنگا سنان بھی کروایا۔ آریہ سماج کی طرف سے اس قسم کی ذلت اور غلامی کی زنجیروں کو آریہ میں آتے وقت اگر کسی شخص نے پہننے سے دو ٹوک انکار کیا۔ اور ان زنجیروں کو نہایت ہی نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے آریہ سماجیوں کے سامنے ہی پاؤں کے نیچے مسل ڈالا۔ تو وہ صرف میں ہی تھا۔ اس لئے کہ میرا جنگ خالص معنوں میں آزادی کا جنگ تھا۔ اور میں دو غلامیوں میں سے بہتر غلامی کا انتخاب کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ بلکہ میں دماغی غلامی کو بیخ و بُن سے اُڑانا چاہتا تھا۔ لیکچر ہو چکنے کے بعد مجھ سے کہا گیا۔ کہ میں حاضرین میں لڈو تقسیم کروں۔ جو کہ بڑے بڑے آٹھ دس تھالوں میں بھرے ہوئے تھے۔ اس کا یہ مطلب تھا۔ کہ جب آریہ سماجی اور ہندو لوگ میرے ہاتھ سے لڈو لیکر کھا لینگے۔ تو مجھے یقین آ جائیگا کہ اُنہوں نے مجھے اپنے ساتھ مساوی حقوق پر ملا لیا ہے۔ میں نے درخواست کنندہ مہاشے سے کہا کہ بطور ایک جنٹلمین کے میں آپ

لوگوں کا امتحان لینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اور جب آپ نے مجھے اپنی سوسائٹی کا ممبر بنالیا ہے۔ تو پھر اب میرے ہاتھ سے خاص طور پر مٹھائی تقسیم کروانیکا یہ مطلب ہوا۔ کہ آپ مجھے ابھی تک اپنے سے الگ سمجھتے ہیں۔ ہاں اس کا یہ مطلب ہوا۔ کہ آپ مجھے تو ایک آدمی مانتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو آپ دیوتا سمجھتے ہیں۔ اور آپ میرے دل پر اس بات کو نقش کرنا چاہتے ہیں۔ کہ دیوتاؤں نے ایک آدمی کے ہاتھ سے مٹھائی کھا کر اس خاکی انسان پر بڑا بھاری احسان کیا۔ اور کہ دیوتاؤں نے اپنے اس عمل سے اس خاکی انسان کو زمین سے اُٹھا کر آسمان پر پہنچا دیا۔ معاف کیجئے میں اپنے ہاتھ سے مٹھائی تقسیم کرکے آسمان پر جانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اس لئے کہ میں اپنے آپ کو اتنا گنہگار نہیں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ میرے ہاتھ سے مٹھائی کھا لینگے تو میں نجات پا جاؤنگا۔ چنانچہ باوجود اصرار کرنے کے میں نے مٹھائی تقسیم کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر کار آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب کے پریذیڈنٹ پنڈت رام بھجدت صاحب نے دل لگی کے طور پر مجھ سے کہا "بابا۔ مینوں تاں اک بیڑا دہ"۔ اس نوجوان۔ خوبصورت۔ بانکے پنڈت نے کچھ ایسی ادا کے ساتھ مجھ سے بیڑا مانگا۔ کہ میں نے بلا تامل تھال میں سے ایک بیڑا اُٹھا کر اُس کو دیدیا۔ اُس نے پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر تمام ہندو و سکھ اور آریہ اصحاب کو بیڑا دکھا کر بڑے زور سے "واہ گورو جی کا خالصہ۔ واہگورو جی کی فتح" کا نعرہ لگایا۔ اور بیڑا منہہ میں ڈال کر کھا گیا۔ یہ بیڑا جو کہ اس زندہ دل خوبصورت جوان نے واہگورو جی کا نام لیکر حلق کے نیچے اُتارا تھا۔ آخر کار آریہ سماج میں اس کی ذلت۔ رسوائی۔ تباہی اور بربادی کا موجب ہوا۔ چنانچہ دوسرے ہی ہفتہ اس بنا پر کہ پنڈت صاحب موصوف نے سکھوں کو خوش کرنے کے لئے "واہ گورو جی کا خالصہ۔ واہگورو جی کی فتح" کا نعرہ لگا کر آریہ سماج کے کاز کو نقصان پہنچایا ہے۔ پنڈت صاحب موصوف کے برخلاف کھلم کھلا جہاد کا اعلان ہو گیا۔ اور اس جہاد کے پیالے کے طوفان نے اس قدر زور پکڑا۔ کہ آریہ سماج بیخ و بُن سے ہل گیا۔ سالہا سال تک فریقین کی طرف سے اخبارات کے کالم سیاہ ہوتے رہے۔ کتابیں لکھی جاتی رہیں۔ ایکدوسرے پر بدترین قسم کے فحش سے فحش الزام تراشے گئے۔ اس ایک بیڑے نے پنڈت صاحب موصوف کے پیٹ میں نہیں بلکہ آریہ سماج کے پیٹ میں ایسی گڑبڑ مچائی۔ کہ آریہ سماج کے اعلیٰ سے اعلیٰ کارکن ہماری آنکھوں کے سامنے ہیلاکت موت کا لقمہ ہو گئے۔ باقی آئندہ

کچکول

مسلم یا عیسائی؟

"مسلم" اور "مسلمان" کے متعلق نوٹ کو پڑھکر ہمارے معزز مسیحی اخبار "نور افشاں" لودیانہ نے چار کالم ہماری نذر کئے ہیں۔ اور نتیجہ نکالا ہے کہ "مسٹر دھرم پال مسلمانوں کی خوب خبر لے رہے ہیں" ہمارے خیال میں ہمارے معزز ہمعصر نے "خبر لینے" کا محاورہ بے موقع استعمال کیا ہے ورنہ امر واقعہ تو یہ ہے۔ کہ "مسلم" اور "مسلمان" کے متعلق ہم نے جو نوٹ دیا تھا۔ اُسکی صداقت کو علمائے اسلام نے تسلیم کیا ہے۔ جیسا کہ چند ایک خطوط کے اقتباسات سے ثابت ہوتا ہے۔ جو کہ ہم نے درج کئے ہیں۔ ہمیں پوری امید ہے۔ کہ ہمارے مسیحی یا عیسائی علماء بھی اس بات کی صداقت کو اہل اسلام کی طرح تسلیم کرینگے۔ کہ جناب حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام یا اُن سے پیشتر عہد عتیق کے کسی نبی یا رسول نے یہ تعلیم نہیں دی کہ تم اپنے آپ کو "عیسائی" کہو۔ نہ ہی جناب مسیح علیہ السلام نے اپنے آپ کو "عیسائی" نام سے پکارا۔ یہاں تک کہ اناجیل اربعہ میں عیسائی کا لفظ ٹھیک اسی طرح ندارد ہے جس طرح کہ "مسلمان" کا لفظ قرآن مجید میں ندارد ہے۔ ایسے واقعات کی موجودگی میں جو صاحب اپنے آپ کو "عیسائی" کہتے ہیں۔ وہ اپنی اس "بدعت" کی تائید میں اناجیل اربعہ یا عہد عتیق میں سے کوئی شہادت پیش نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی وہ جناب عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا کوئی قول پیش کر سکتے ہیں۔ پس ہمارے نزدیک جسطرح قرآن مجید کی موجودگی میں "مسلمان" کا لفظ محض بدعت ہے۔ ویسے ہی اناجیل اربعہ کی موجودگی میں "عیسائی" کا لفظ بھی محض بدعت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح خداوند قدوس نے قرآن پاک میں ہمارا نام "مسلم" رکھا ہے۔ اسی طرح اُس نے قرآن مجید میں جناب مسیح علیہ السلام اور اُن کے حواریوں کے لئے بھی "مسلم" کا لفظ ہی استعمال کیا ہے۔ اور ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام اور اُن کے حواری "مسلم" تھے۔ نہ کہ "عیسائی"۔ ہمیں امید ہے۔ کہ علمائے اسلام کی طرح ہمارا معزز ہمعصر اس صداقت کو تسلیم کریگا۔ یا انکار کی وجہ بتائیگا۔ اِس نوٹ کے لکھنے سے ہمارا مدعا

اس امر پر روشنی ڈالنا ہے کہ جناب مسیح نے عیسائیت کا وعظ نہیں کیا تھا بلکہ خدا کی وحدانیت یا اس کی بادشاہت کے نام سے اسلام کا وعظ کیا تھا۔

رگوید کا بھاشا کا ترجمہ

گزشتہ ماہ میں کئی اصحاب کے خطوط اس مضمون کے ملے ہیں۔ کہ یجروید کی طرح رگوید کا ترجمہ بھی اُردو میں کر دیا جاوے۔ رگوید کا حجم یجروید سے آٹھ دس گنا ہے۔ اس کا ترجمہ زیادہ وقت، محنت اور روپیہ چاہتا ہے۔ وقت میں دے سکتا ہوں۔ بشرطیکہ روپیہ کا انتظام کیا جا سکے۔ اگر رگوید کے مکمل ترجمہ کی ایک ہزار کاپی چھپوائی جاوے۔ تو میرے خیال میں اسپر دو ہزار کے لگ بھگ روپیہ خرچ ہوگا۔ اس کے لئے آسان طریقہ یہ ہے کہ یا تو المسلم کے ناظرین میں سے کم از کم سو اصحاب ایسے نکل آئیں۔ جو بیس بیس روپیہ اپنی جیب سے یا اپنے دوستوں سے جمع کرنے کا ذمہ لیں۔ یا "المسلم" کے سات آٹھ سو نئے خریدار بہم پہنچائے جائیں اور اس صورت میں ترجمہ الگ شائع ہونے کی بجائے سو صفحہ ماہوار کے حساب سے المسلم میں ہی شائع ہوتا چلا جاوے۔ چونکہ علاوہ دیگر احباب کے جناب محمد عبد الرحمن صاحب انسپکٹر اکسائز جھنگ رگوید کے ترجمہ کے لئے خاص طور پر زور دے رہے ہیں۔ اس لئے ان کی اور دیگر احباب کی اطلاع کے لئے مجھے اس نوٹ کے لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں سے ایک کے پورا ہونے پر میں ترجمہ کا کام شروع کر دونگا۔

مسلم اور مسلمان

"مسلم" اور "مسلمان" کے متعلق جو مختصر سا نوٹ اہلحدیث امرتسر میں اور بعد ازاں "المسلم" میں شائع ہوا تھا۔ احباب نے بہت دلچسپی سے مطالعہ کیا ہے۔ چنانچہ جناب ابو المظفر حکیم محمد مجیب الرحمن صاحب ضلع مظفر نگر سے لکھتے ہیں:۔

"پچھلے مہینوں کے اہلحدیث کے پرچہ میں آپ کا معقول سوال لفظ "مسلمان" پر دیکھا۔ بہت دل خوش ہوا۔ واقعی حنفی، شافعی، مالکی، اہل حدیث وغیرہ وغیرہ ناموں اور ٹکڑیوں نے اسلام کا منور چہرہ پوشیدہ کر دیا ہے۔ میں بالکل آپ کے ہمخیال ہوں۔ خدا سب مسلموں کو سمجھ دے"۔

مولانا محمد ابو القاسم صاحب بنارسی لکھتے ہیں:۔

"مسلم اور مسلمان کے مضمون میں آپ کے ساتھ بالکل متفق ہوں"۔

مولانا ابو الحیا حکیم سجاد حسین صاحب مین پوری لکھتے ہیں :-

"آپ کا ایک استفسار اہل حدیث میں دیکھا- چونکہ ایڈیٹر صاحب نوٹ میں جواب دے چکے ہیں- اس لیے کچھ لکھنا فضول تھا- واقعی پیروان اسلام کے لیے "مسلم" سے بڑھ کر لفظاً اور معناً کوئی دوسرا لفظ نہیں ہو سکتا-

باقی سب الفاظ یاروں کے تراشیدہ اور خراشیدہ ہیں" +

فرقہ ناجیہ کونسا ہے؟

۶ نومبر ۱۹۱۴ء کے اہلحدیث صفحہ ۹ کالم ۲ پر بابو عبدالصمد خان صاحب خریدار اہل حدیث کے چند سوالات شائع ہوئے ہیں- جنکا جواب علمار مقلدین سے مانگا گیا ہے- ان سوالات کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اکرم کی امت کے تہتر فرقے ہو جائینگے- ان میں سے ایک فرقہ ناجیہ یا دوزخ سے نجات پانے والا ہوگا- باقی بہتر فرقے دوزخی ہونگے اسپر سوال کیا گیا ہے- کہ اسلام کے چار بڑے فرقوں میں سے کونسا ناجیہ ہوگا- آیا حنفی یا مالکی؟ شافعی یا حنبلی؟ معلوم نہیں- سائل نے جواب کے لئے مقلد اور غیر مقلد کی شرط کیوں لگائی ہے؟ مقلدین یا غیر مقلدین تو معلوم نہیں اس سوال کا جواب اپنی اپنی "پوتھیوں" میں سے کیا دینگے؟ مگر ایک مسلم پارٹیشنلسٹ اس سوال کا جواب اپنی کتاب بلکہ ام الکتاب قرآن پاک سے مفصلہ ذیل دیگا-

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ- وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَیِّنٰتُ وَاُولٰٓىٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (آل عمران ع) +

قرآن پاک نے نہایت ہی وضاحت کے ساتھ مذکورہ بالا سوال کا جواب دیدیا ہے اور ہمیں بتا دیا ہے- کہ ہم خدا ترس وخدا پرست اور متقی بنیں اور حنفی- مالکی- شافعی حنبلی وغیرہ کے جھگڑوں سے قطعی الگ ہو کر مرتے دم تک مسلم ہی رہیں- اور اس قسم کی تمام فرقہ بندیوں پر لات مار کر احکام الٰہی کے سامنے جو کہ قرآن مجید ہمارے سامنے بیان کرتا ہے-

یک دل و یک جان ہو کر سر جھکا دیں - اور آپسمیں حنفی - شافعی - حنبلی - مالکی - اہل حدیث - احمدی وغیرہ کے جھگڑوں میں پڑ کر اپنی طاقتوں کو ضائع نہ کریں - اس لئے کہ اس قسم کے جھگڑوں نے ہی اسلام سے پیشتر کفار کو ایک دوسرے کا دشمن بنا رکھا تھا - مگر اسلام نے اُن کے اس قسم کے تمام جھگڑوں اور اُن کی عداوتوں کو مٹا کر "اِنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ" کے جھنڈے تلے لا کر سب کو ایک دوسرے کا خیر خواہ بلکہ بھائی بنا دیا - اور جس غیض و غضب - کینہ و حسد - عداوت و نفرت کی جہنم کی آگ میں وہ جل رہے تھے - اُن کو اس جہنم سے بچا لیا - یہ امر واقعہ ہے - جو تواریخ ہمارے سامنے پیش کرتی ہے - اسی امر واقعہ کی موجودگی میں قرآن پاک ہمیں ہدایت کرتا ہے - کہ تم تواریخ سے سبق سیکھو - دھڑے بندیوں اور پارٹی سپرٹ سے کام نہ لو - کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو پھر تم میں اور کفار میں کیا فرق ہوا؟ وہ اسلام سے پیشتر آپسمیں لڑتے کٹتے اور مرتے تھے - ویسے ہی تم آپسمیں لڑتے ہو - جیسے وہ جہنم کا ایندھن ویسے تم - قرآن پاک کی اس تعلیم کی موجودگی میں ایک مسلم مذکورہ بالا سوال کا فوراً یہی جواب دیگا - کہ حنفی - شافعی - مالکی - حنبلی - اہل حدیث - احمدی - چکڑالوی - مقلد - غیر مقلد تمام فرقے آپسمیں سر پھٹول ہو کر جب جیتے جی ہی جہنم کا ایندھن بن رہے ہیں تو ان کو مرنیکے بعد کسی جہنم میں تلاش کرنا محض تضیع اوقات ہے +

نماز اور فساد

۴ - نومبر ۱۹۱۴ء کے پرچہ اہل حدیث امرتسر میں ایک سائل نے نماز میں قرأت خلف الامام کا مسئلہ پوچھتے ہوئے لکھا ہے - کہ اگر ۲۳ - اکتوبر تک اس کا جواب نہ آیا - تو یہاں فریقین میں فساد ہو جانیکا اندیشہ ہے - اسی قسم کی جہالت کی باتوں کا نام ہمارے نزدیک ملّا ازم ہے - یہی وہ جہالت ہے جو اسلام کے نام سے اہل اسلام کو تباہ کر رہی ہے - میرے ایک دوست نے پچھلے دنوں میں مجھ سے سوال کیا کہ کیا آپ مرزائیوں یا احمدیوں کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں؟ میں نے اپنے دوست کو جواب دیا کہ میری نماز ملّانوں کی نماز کی طرح لولی - لنگڑی نہیں ہے - کہ اُس کو کسی امام کے زبردست کندھوں پر سوار ہونیکی ضرورت ہو - بلکہ میری نماز ایسی زبردست ہے - کہ وہ بھوجدت جیسے کافر اور ہنومان جیسے مہادیو کے پوجاری کے پیچھے بھی ہو جاتی ہے - کسی اہل اسلام کا تو کہنا ہی کیا ہے - اسلئے کہ ازروئے قرآن مجید میں نماز کا تعلق دل سے ہے اور دل کا تعلق خدا سے

سمجھتا ہوں۔ اگر میرا دل بوقتِ نماز خدا میں محو ہو گیا ہے۔ تو مجھے اس بات کے جاننے کی فرصت نہیں ہوگی۔ کہ میرے سامنے جو امام ہے وہ حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی۔ احمدی۔ چکڑالوی ہے۔ یا بھوجدت اور ہنومان پرشاد ہے۔ یا اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ ایک کتا یا بندر ہے۔ لیکن اگر نماز میں میرا تعلق خدا سے نہیں ہوا۔ اور میں نے خدا کی حضوری کو محسوس نہیں کیا۔ بلکہ میرا دل دنیوی خیالات میں بھٹکتا رہا ہے تو اس صورت میں خواہ میرے امام ابراہیم علیہ السلام ہی کیوں نہ ہوں میری نماز محض دکھلاوے کی نماز ہوگی۔ اور ایسی نماز کا مجھے کوئی پھل نہیں مل سکتا۔ اسلئے قرآن پاک فرماتا ہے۔ کہ

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ (پ ۳۰ - ماعون)

سخت افسوس ہے۔ اُن نمازیوں پر۔ جو نماز کی حقیقت سے ناآشنا رہ کر محض دکھلاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ اس سے بھی بڑھکر سخت افسوس ہے اُن پر جو قرأت خلف الامام وغیرہ باتوں پر فساد کرتے ہیں۔

سردار جگجوت سنگھ صاحب کے سوالات کا جواب

جناب سردار جگجوت سنگھ صاحب رئیس و تعلقہ دار پیری ضلع بھڑائچ مہاراجہ رنجیت سنگھ صاحب والی پنجاب کے خاندان میں سے ہیں۔ آپ بڑے علم دوست آزاد منش اور خدا رسیدہ ہیں۔ مذہبی کتب کے مطالعہ کا آپ کو خاص شوق ہے۔ شروع سے لیکر آج تک آپنے میری تمام کتب کا مطالعہ کیا ہے۔ آپ المسلم کے معاونین میں سے بھی ہیں۔ المسلم کے پرچوں کا مطالعہ کر کے آپنے مجھ سے دو سوالات پوچھے ہیں۔ میں مناسب سمجھتا ہوں۔ کہ صاحب موصوف کے دونوں سوالوں کو مع جوابات کے یہاں پر درج کر دوں۔

سوال اول۔ قرآن شریف کا حکم ہے۔ کہ مسلمان کافروں کے ساتھ سختی سے پیش آئیں۔ سوال یہ ہے۔ کہ اگر ایک مسلمان کسی دولتمند ہندو یا عیسائی کا نوکر ہو تو وہ اپنے آقا کے ساتھ جو اس کے نزدیک کافر ہے۔ ازروئے قرآن شریف سختی کا سلوک کرے یا نرمی کا؟

جواب اول۔ قرآن مجید میں جہاں پر کافروں کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا ذکر ہے وہاں پر میدان کارزار سے مراد ہے نہ کہ روزمرہ کی زندگی سے۔ اور میدان کارزار میں ہر ایک قوم اپنے مخالفوں کے ساتھ سختی سے ہی پیش آیا کرتی ہے۔ اس کا دوسرا نام آجکل کی اصطلاح

میں مارشل لا ہے۔ روزمرہ کی زندگی کے متعلق قرآن مجید "اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم" کی تعلیم دیتا ہے۔ یعنی خدا رسول اور اپنے آقا کی فرمانبرداری کرو۔ اِس آیت کی موجودگی میں ہر ایک مسلم کا فرض ہے کہ وہ ملازمت کے معاملہ میں اپنے آقا کی فرمانبرداری کرے۔ خواہ اُس کا آقا کافر ہو۔ خواہ مشرک۔ ہندو ہو یا عیسائی +

سوال دوئم۔ قرآن شریف میں لکھا ہے۔ کہ اسلام حضرت ابراہیم کا دین ہے۔ مگر حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کو ذبح کر دیا تھا۔ لیکن اسلام میں انسانی قربانی کی اجازت نہیں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اسلام حضرت ابراہیم کا دین نہیں ہے +

جواب دوئم۔ قرآن مجید میں یہ کہیں نہیں لکھا۔ کہ حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے کو ذبح کر دیا تھا۔ نہ ہی قرآن مجید سے انسانی قربانی کی تعلیم برآمد ہوتی ہے۔ یہ سچ ہے۔ کہ قرآن مجید میں "ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمٰکم المسلمین" آتا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ یہ اسلام وہی ہے۔ جو حضرت ابراہیم کا مذہب تھا۔ مگر جیسے حضرت ابراہیم نے انسانی قربانی نہیں کی تھی۔ ویسے ہی آج بھی اسلام میں انسانی قربانی کی تعلیم ندارد ہے +

ضروری اطلاع

بوجوہات چند "المسلم" کا دسمبر کا پرچہ غالباً ۱۵۔ دسمبر تک شائع نہیں ہو سکیگا۔ بلکہ کسی قدر دیر کے بعد شائع ہوگا۔ ناظرین کو اگر ۲۵۔ دسمبر تک پرچہ نہ ملے تو وہ بے چین نہ ہوں۔ پرچہ کے دیر سے شائع ہونیکی وجہ بھی دسمبر ہی کے پرچہ میں درج ہوگی۔ ایڈیٹر

ہندو سائیکلوپیڈیا

ناظرین! توجہ فرمائیے آج ہم آپ کو ایک نئی کتاب کا مژدہ سُناتے ہیں جس کی نظیر اردو زبان میں یہ خود ہی ہے۔ اس کتاب کا نام ہندو سائیکلوپیڈیا ہے جس میں ہندو مذہب کے متعلق تواریخی مذہبی فلسفانہ افسانوی اور دیگر علوم کا ضروری اور کافی ذخیرہ ڈکشنری یا سائیکلوپیڈیا کے طور پر مفصل درج ہے۔ ہندوؤں کے چاروں ویدوں (اُنکے منتر برہمن اور اپنشد بھاگ) کھٹ درشنوں۔ اٹھارہ پرانوں۔ راجاؤں۔ رشیوں۔ منیوں۔ دیوتاؤں۔ دیویوں۔ گندھروں اور اپسراؤں وغیرہ وغیرہ کے بیانات اور اصطلاحات اور سوانح عمریاں۔ جیوتش۔ گاین ودیا (علم موسیقی) کاویہ (صنائع بدائع) ہندوؤں کے کرم کانڈ اور یوگ ابھیاس وغیرہ مضامین مختلفہ کا اُنکی اپنی اپنی اصطلاحات اور اسماء کے ماتحت پورا پورا بیان درج ہے۔ اور اُن کتابوں اور مضامین کا ایسا خلاصہ اور خاکہ دیا گیا ہے کہ ایک ہی کتاب کے پاس رکھنے سے مذکورہ بالا کتابوں کی کچھ ضرورت باقی نہیں رہیگی اور نہ اُنکی گراں قیمتوں کی زیر باری برداشت کرنی پڑیگی۔ اور نہ ہی اُنکی زبان سنسکرت کے سیکھنے اور مطالعہ کرنیکی زحمت اٹھانی پڑیگی۔ ان تمام تکلیفات کو رفع کرنے اور وقت ہرج ہونیکا خطرہ دور کرنے اور ہر امر میں پوری پوری واقفیت بہم پہنچانیکی حتی الوسع کوشش کیگئی ہے۔ جہاں تک ممکن ہوا وہاں تک اس سائیکلوپیڈیا کے آرٹیکلوں میں ہر امر کے لئے کتابوں کے حوالجات اور اُنکی عبارتیں اقتباس نشانوں کے اندر لکھی گئی ہیں تاکہ اگر کسی کو کسی امر پر شک ہو تو وہ اصل کتاب میں بموجب اُس حوالہ کے دیکھ اپنا اطمینان کرے اور بید معترض اُس امر کو مع حوالہ پیش کر سکے تعصب اور طرفداری اور مباحثانہ طرز تو سے ارادتاً اور قطعاً پرہیز کیا گیا ہے۔ جو امر اپنے یا کسی مذہب کے خلاف نظر آیا تو اُسپر کسی قسم کی چوٹ نہیں لگائی گئی تاکہ کسی کا دل نہ دُکھے اور نہ ہی کتاب کا منشا فوت ہو۔ اگر دو یا زیادہ بیانات یا رائیں کسی مضمون امر کے بارے میں مختلف نظر آئیں تو اُنکو ہر صورت سے حل کر دینے کی کوشش کی ہے۔ اور اگر ایسا کوئی امر حل نہ ہو سکا تو بغیر کسی قسم کے حاشیہ چڑھانیکے اُسکو بجنسہٖ رہنے دیا ہے اور ناظرین کی تمیز پر چھوڑ دیا ہے

الغرض اس کتاب میں ہندو مذہب کے ہر ضروری امر کا پورا پورا علم اور واقفیت پہنچانے اور اُس کو ہر مذہب کے آدمی کی طبع اور مزاج کے حسب حال اور دلچسپ بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا ہے

یہ کتاب ۲۰×۲۶ کے کم از کم آٹھ آٹھ سو صفحوں کی تین چار جلدوں میں طبع ہوگی۔ چونکہ یہ ایک ضخیم کتاب ہے اس لئے شائع کنندہ اور خریداران کی سہولیت کے لئے ۴۸ صفحہ ماہواری کے رسالہ کی صورت میں شائع ہوتی ہے جسکو سالانہ قیمت مع محصولڈاک مبلغ للعہ ہے جو ہر خریدار سے ہر صورت میں پیشگی یا بذریعہ وی پی وصول کیجاتی ہے

المشتہر

منیجر ہندو سائیکلوپیڈیا۔ لودیانہ

اصلی ستیارتھ پرکاش

مطبوعہ

بنارس ۱۸۷۵ء

یہ کتاب بالکل نایاب تھی - کیونکہ ایک ہی دفعہ چھپکر رہ گئی تھی - یہ کتاب سوامی دیانند کی زندگی میں چھپی تھی - اور سوامی دیانند نے اِس کی بعض غلطیوں کی اپنی زندگی میں ہی اصلاح کردی تھی - مگر سوامی جی کے مرنے کے بعد یہ کتاب دوبارہ نہیں چھپی - بلکہ اِس کی جسقدر کاپیاں تھیں اُن کو بھی نیست و نابود کرنے کی کوشش جاری رہی - اِس نادر کتاب کو صفحہ ہستی پر قائم رکھنے کے لئے ایڈیٹر اندر نے اِس کا لفظ بہ لفظ اُردو ایڈیشن شائع کردیا - خوبی کی بات یہ ہے کہ اِس کتاب میں نہ تو مسلمانوں کے کھنڈن کا سمولاس ہے - نہ ہی عیسائیوں کے کھنڈن کا - نہ ہی اِس میں سکھوں کے مقدس گوروؤں کے لئے وہ نازیبا الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو کہ آجکل کی مروجہ ستیارتھ پرکاش میں دیکھے جاتے ہیں - بلکہ اِس کتاب میں مسلمانوں اور عیسائیوں کو بھلا آدمی بتایا گیا ہے - اور اُن کے ساتھ کھلم کھلا کھانے پینے اور بیاہ شادی کرنے کی تعلیم دی گئی ہے - اِس کتاب میں یہ بھی ذکر آتا ہے کہ یگیہ میں جانوروں کی قربانی کرنی چاہیئے - اور بیل گائے - بھیڑ - بکری وغیرہ کو یگیہ کے موقع پر ذبح کرنا کوئی پاپ نہیں ہے - اِس بات کی تائید میں سوامی دیانند نے پُرانے شاستروں کے حوالے بھی دیئے ہیں - مُردہ پتروں کے شرادھ کے حق میں جو دلائل اِس کتاب میں دیئے ہیں - وہ قابل مطالعہ ہیں - الغرض یہ کتاب ہندو مسلمان - سکھ - عیسائی - جینی - بدھ سب کے مطالعہ کے لائق ہے - اِس کتاب کو پڑھکر کم از کم اِتنا پتہ تو ضرور لگ جاتا ہے کہ سوامی دیانند کا اصلی منشاء کیا تھا - ہندی میں اِس کتاب کی قیمت تین روپے تھی لیکن اُردو ایڈیشن کی قیمت بلا محصول ۸عہ ہے +

تمام درخواستیں اِس پتہ پر آنی چاہئیں +

مینیجر "المسلم" - لودیانہ

دیانندی قلعہ پر گولہ باری

از غازی محمود - دھرم پال بی - اے

۱- **وید اور سوامی دیانند** - اِس میں سوامی دیانند کے ہی پیش کردہ معیار اور اُنکے وید بھاشیہ کی بناپر ویدوں کو بدترین کتب ثابت کیا گیا ہے - اِس کتاب نے دیانندی فرقہ کے مُنہ پر ایسی مُہر لگادی ہے کہ جبتک وہ وید اور سوامی دیانند دونوں میں سے ایک سے دست بردار نہ ہو جائیں ہرگز ہرگز نہیں ٹوٹ سکتی قیمت ۱۲ر +

۲- **تناسخ چکر اور سوامی دیانند** - اِس میں وید منوسمرتی ستیارتھ پرکاش اور دیگر مستند کتب کے حوالجات سے اِس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ تناسخ کے ماننے کی صورت میں سوامی دیانند کو خدا پرست نہیں کہا جاسکتا بالکل لاجواب ہے قیمت ۳ +

۳- **اصلی ستیارتھ پرکاش** مطبوعہ بنارس ۱۸۷۵ء قیمت ۱۲ر - دیکھو مفصل صفحہ ۲ - ٹائٹل +

۴- **سوامی دیانند کے یجروید بھاشیہ کا اُردو ترجمہ** - سوامی دیانند نے یجروید کا جو کچھ ترجمہ کیا ہم نے اُس کو اُردو میں شایع کردیا ہے - تاکہ اُردو دان دُنیا کو اِس بات کا پتہ لگ سکے کہ دیانندی فرقہ ویدوں کی آڑ کیوں لیتا ہے - یہ نہایت ہی دلچسپ معموں اور رازوں کا مجموعہ ہے - قیمت فی جلد ۱۲ر +

۵- **فتوح البرہان** - یہ وہ نادر کتاب ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ واقعات کی بنا پر سوامی دیانند کس جون میں جانیکے لائق تھا - اوا گون کی باطل پرستی کو ایک لاجواب طریقہ پر بیخ و بن سے اُکھاڑ کر روح کی آئندہ زندگی کے بارے میں جو واقعات دیئے گئے ہیں وہ قابل مطالعہ ہیں - قیمت ۸ر +

۶- **خالصہ دھرم اور گورو گوبند سنگھ** - اِس نادر کتاب میں تواریخی حوالوں اور گرنتھ صاحب کے وچنوں سے اُن تمام ناپاک کوششوں کو مٹی میں ملا دیا گیا ہے جو کہ دیانندیوں یا دیگر لوگوں کی طرف سے سکھوں کو ہندو اور اُنکے گوروؤں کو ویدوں کا پیرو اور مسلمانوں کا دشمن ثابت کرنیکے لئے کیجاتی ہیں - اِس کتاب نے سکھوں اور مسلمانوں کے ایک بڑے حصہ پر بہت ہی عمدہ اثر ڈالا ہے - قیمت فی جلد ۶ر +

۷- **نیوگ اور سوامی دیانند** - اِس میں ویدوں مہابھارت اور دیگر مستند کتب کے حوالوں سے نیوگ پر مفصل بحث کرتے ہوئے یہ دکھایا گیا ہے کہ سوامی دیانند نے نیوگ کی کیوں تعلیم دی - قیمت ۸ر +

۸- **آریہ سماج اور سوامی دیانند** - آریہ سماج کی اندرونی تصویر - قیمت فی جلد ۸ر +

۹- **گیان پرکاش** - اِس کتاب میں ایڈیٹر اندر کے نیوگ کرنے اور ایک برہمن لیڈی سے شادی کرنے کی داستان درج ہے - قیمت فی جلد ۱۲ر +

ملنے کا پتہ :- **مینجر "المسلم" - لودیانہ**

سول اینڈ ملٹری آرگن پریس لودیانہ میں بابو محمد شاہین کے اہتمام سے غازی محمود دھرم پال کے لئے چھپا اور شائع ہوا

بمعہ قرآن مجید کی روح عقلی

RATIONALISM

المسلم

نمبر ۶	دسمبر ۱۹۱۴ء	جلد اوّل

اسلام

حصہ ششم

ایڈیٹر - غازی محمود - دھرم پال - بی - اے - لودیانہ

سالانہ قیمت ۹ / ممالک غیر ۷ شلنگ فی کاپی ۶ /

خوش خبری

سوامی دیانند کی "اصلی ستیارتھ پرکاش" مطبوعہ بنارس ۱۸۷۵ء کا جو نوٹس "المسلم" کے سرورق کے صفحہ ۳ پر چھپ رہا ہے۔ اُس کو پڑھکر "المسلم" کے اکثر اصحاب نے یہ درخواست کی ہے۔ کہ جس طرح اندر کے خریداروں کو یہ کتاب مفت دیجاتی تھی۔ اِسی طرح "المسلم" کے خریداروں کو بھی مفت دیجاوے۔ چونکہ یہ کتاب بہت ضخیم ہے۔ اور اِس پر محصول ڈاک زیادہ لگتا ہے۔ علاوہ ازیں اِس کا پہلا ایڈیشن قریب الاختتام ہے۔ اِس لئے یہ مناسب سمجھا گیا ہے۔ کہ "المسلم" کے جو خریدار اِس کتاب کے شائق ہوں اُن سے محصول ڈاک اور منی آرڈر کی فیس وغیرہ ملاکر یہ کتاب بجائے (عہ) میں وی۔پی کرنے کے صرف (۱۰ار) میں وی۔پی کردی جایا کرے۔ اِس نوٹس کے بعد "المسلم" کے جو نئے خریدار ہونگے اگر وہ بھی اِس کتاب کو لینا چاہیں۔ تو اُن کے نام "المسلم" کا پرچہ مع اِس کتاب کے بجائے چار روپیہ دو آنہ (للعہ) کے صرف چار روپیہ (للعہ) میں سال بھر کے لئے وی۔پی کردیا جاویگا۔ اِس طرح نئے خریداروں کو دو آنے کا فائدہ رہیگا۔ مگر "المسلم" کی خریداری کی درخوست کرتے وقت اِس کا ذکر ضرور ہونا چاہئے کہ آیا درخوست کنندہ ستیارتھ پرکاش چاہتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر وہ ستیارتھ پرکاش طلب نہیں کریگا۔ تو "المسلم" کا پرچہ صرف عہ میں سال بھر کے لئے وی۔پی کیا جائیگا +

منیجر۔ "المسلم"۔ لودیانہ

المسلم کے متعلق

۱۔ "المسلم" ایک ماہواری رسالہ ہے۔ جو لودیانہ سے شائع ہوتا ہے۔ سالانہ قیمت عہ ۹ر +

۲۔ "المسلم" کا مقصد اشاعت اسلام ہے۔ اور اِس کا موٹو ریشنلزم ہے +

۳۔ "المسلم" میں کوئی پولیٹیکل مضمون یا خبر درج نہیں ہوسکتی +

۴۔ "المسلم" کچھ عرصہ تک محض کتابی صورت میں شائع ہوگا +

۵۔ "المسلم" کا مقررہ حجم ۱۸×۲۲/۸ پر ۴۶ صفحہ ہے۔ زاید صفحات کا دینا یا نہ دینا ایڈیٹر کی مرضی پر منحصر ہے +

۶۔ "المسلم" کی سالانہ قیمت پیشگی بذریعہ منی آرڈر۔ یا بذریعہ وی۔پی وصول کی جاتی ہے +

۷۔ "المسلم" کا نمونہ مفت نہیں بھیجا جاتا۔ نمونہ کے لئے ۲ر کے ٹکٹ یا وی۔پی کا آرڈر آنا چاہئے +

۸۔ "المسلم" میں دیگر ناظرین کے مضامین کا درج ہونا یا نہ ہونا مضمون کی نوعیت پر منحصر ہے +

۹۔ "المسلم" کا ایڈیٹر کسی مضمون کو واپس کرنے کا وعدہ نہیں کرسکتا۔ بنابریں مضمون نگار کو اپنے مسودہ کی نقل رکھ لینی چاہئے +

۱۰۔ "المسلم" کا پرچہ اگر کسی صاحب کو مہینے کی ۱۵۔ تاریخ تک نہ ملے۔ تو اُس کو دفتر "المسلم" سے دریافت کرنا چاہئے۔ کہ آیا پرچہ بھیجا گیا ہے یا نہیں۔ خط و کتابت کا پتہ مفصلہ ذیل ہے +

غازی محمود دھرم پال۔ بی۔ اے

ایڈیٹر "المسلم"۔ لودیانہ

المسلم

دسمبر سنہ ۱۹۱۴ء

مسلم الاسلام

تیسویں فصل

دیباسلائی

دوستو!

میں اپنے گذشتہ مضمون میں لکھ چکا ہوں کہ میں ۱۴ رجون سنہ ۱۹۰۳ء کو کس طرح اور کیوں آریہ سماج میں شامل ہوا۔ آج میں آپ کے سامنے اس بات کی کوشش کرنا چاہتا ہوں۔ کہ میں کس طرح اور کیوں آریہ سماج سے الگ ہوا۔ اس سوال کے جواب کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو کا تعلق آریہ سماج سے باہر یعنی غیر آریہ اصحاب سے ہے اور دوسرے پہلو کا تعلق آریہ سماج سے ہے۔ غیر آریہ اصحاب کے تعلق اس سوال کے جواب کا تعلق زیادہ تر اہل اسلام سے ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ آریہ سماج کے ساتھ اپنے تعلقات کے بارے میں لکھنے سے پیشتر اہل اسلام کے بارے میں مختصر الفاظ میں اس سوال کا جواب دے جاؤں۔ ۱۴ رجون سنہ ۱۹۰۳ء کے جلسے کی کارروائی کی رپورٹ جب اخبارات میں شائع ہوئی تو اس سے قدرتاً

اہل اسلام میں مختلف قسم کے خیالات کی ایک عجیب لہر پیدا ہوئی۔ مگر مجھے اس لہر کا علم اُس وقت تک نہیں ہوا۔ جب تک کہ میں نے اپنے لیکچر کو "ترک اسلام" کے نام سے شائع نہیں کیا۔ جب میرا لیکچر چھپ گیا۔ اور آریہ سماج نے اُس کو ہزارہا کی تعداد میں ہندوستان بھر میں بکھیر دیا۔ تو عجیب نظارہ دیکھنے میں آیا۔ اہل اسلام کے تمام فرقوں نے اس کے جواب کے لیئے قلم اٹھایا۔ اور جسکو جو جواب سوجھا اُس نے وہی پیش کر دیا۔ چند ہی ہفتوں کے اندر درجنوں کتابیں "ترک اسلام" کے جواب میں چھپکر میرے پاس پہنچ گئیں۔ اہل اسلام کے جوش کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی مسلم بچے کو کوئی اور جواب نہ سوجھا۔ تو اُس نے گالیوں کی بوچھاڑ ہی خط میں لکھکر بھیجدی۔ مسلم قوم کا اپنے تمام اندرونی اختلافات کو نظر انداز کر کے ایک مشترکہ "دشمن" کے مقابلہ پر بنیان مرصوص یا سد سکندری کی طرح ایک واحد شخص کی شکل میں کھڑے ہو جانا نہایت ہی مرعوب کرنے والا نظارہ تھا۔ ان کے اس مذہبی اور قومی جوش کو دیکھ کر ایک دفعہ تو آریہ سماج کا زہرہ بھی آب ہو گیا اور بہت سے دوراندیش آریہ اصحاب نے کھلے الفاظ میں میرے پاس اس بات کا اظہار کیا کہ مسلمانوں کے ساتھ ٹکر مار کر ہمیں ہرگز ہرگز کامیابی نہیں ہو سکتی۔ یہ بلا کی قوم ہے ہمارے کروڑہا بھائیوں کو انہوں نے مسلمان بنایا۔ مگر ہم نے چوں تک نہ کی ہم نے اُن کے ایک ہی آدمی کو "شدھ" کیا۔ مگر اُن کی تمام کی تمام قوم مقابلہ کے لیئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ جب اہل اسلام کی طرف سے ترک اسلام کے جواب میں کتاب پر کتاب نکلنے لگی۔ اور اُن میں علاوہ تحقیقی جوابات کے الزامی جوابات کی بوچھاڑ بھی ہونے لگی۔ تو اُس سے آریہ سماج کے اندرونی دائرہ میں اور بھی ہل چل پڑ گئی مگر جب اس کے ساتھ ہی پتھر بھی برسنے لگے۔ تو آریہ سماج کو میری حفاظت کا فکر دامنگیر ہو گیا۔ رات اور دن مجھ پر پہرہ رہنے لگا۔ جس پاٹھ شالا کے مکان میں میں رہتا تھا۔ اس کے طلبا اور استاد رات کو باری باری پہرہ دینے لگے ان ہی دنوں میں جب مجھے کوہ مری آریہ سماج کے سالانہ جلسہ پر لیکچر دینے کے لیئے جانا پڑا۔ تو میرے ساتھ تین پہرہ دار تھے۔ مگر باوجود ان کی پاسبانی کے کوہ مری میں اس قدر پتھروں کی بارش ہوئی۔ کہ سب سراسیمہ ہو گئے۔ کوہ مری آریہ سماج

کہ جس مندر میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے اُس پر رات کے وقت برسات کے بڑے بڑے اولوں کی مانند پتھروں کی بارش ہو رہی تھی۔ چونکہ مندر کی چھت ٹین کی تھی اس لئے جب پتھر اُس پر آ کر لگتے تھے۔ تو عجیب مزہ آتا تھا۔ چنانچہ ترک اسلام میں میں نے "تَرْمِیْہِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ" پر جو اعتراض کیا تھا۔ وہ تو اسی رات کو حل ہو گیا۔ میرے ساتھ جو محافظ تھے۔ وہ تعلیم یافتہ اور با مذاق اصحاب تھے ہم سب رات کے وقت اپنے مکان میں محصور تھے۔ اور گولہ باری برابر ہو رہی تھی ہم غم غلط کرنے کے لئے پتھر شماری کر رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے۔ کہ آج رات کو ہم پر اتنے ہی پتھر پڑینگے۔ جتنے کہ ترک اسلام میں اعتراضات کئے گئے۔ آدھی سے زیادہ رات گذر چکی تھی۔ جب ہمارے پاس "کمک" پہنچی۔ اور ہمیں اس مکان سے باہر نکالا گیا۔ تاکہ کسی محفوظ جگہ میں رکھا جاوے۔ مگر کوئی مناسب جگہ نہیں ملتی تھی آخر کار یہ تجویز ہوئی۔ کہ ہم اندھیرے منہ کوہ مری سے "آنریبل۔ ری۔ ٹریٹ" کریں۔ چنانچہ تانگہ کا انتظار کرنے کے بغیر ہم معمولی یکوں میں بیٹھ کر راولپنڈی سے ریل پر سوار ہو گوجرانوالہ آ گئے۔ گوجرانوالہ کے آریہ دوست میری حفاظت کرتے کرتے تھک گئے تھے۔ کوہ مری کے واقعات نے ان کو سراسیمہ کر دیا۔ اب انہوں نے میری حفاظت کے بوجھ سے سبکدوش ہونے کی تجاویز سوچنی شروع کیں۔ ان میں سے ایک تجویز یہ تھی۔ کہ مجھے گورو کل کانگڑی متصل ہردوار میں بھیجدیا جاوے۔

چنانچہ مختصر سی خط و کتابت کے بعد گورو کل کانگڑی کے ناظم لالہ منشی رام صاحب نے مجھے اپنے پاس بلا بھیجا۔ جب میں ہردوار کے سٹیشن پر پہنچا۔ تو میرے استقبال کے لئے لالہ صاحب موصوف کے داماد ڈاکٹر سکھدیو صاحب اور پنڈت کشب دیو صاحب موجود تھے۔ ڈاکٹر سکھدیو ایک خوش خلق۔ ملنسار اور قابل شخص تھے۔ اور آریہ سماج کی مختصر سی تواریخ میں وہ ایک تواریخی حیثیت رکھتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ لالہ منشی رام صاحب نے اپنی بیٹی کی شادی ہندو ذات پات کے بندھنوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب موصوف کے ساتھ کر دی تھی۔ لالہ صاحب موصوف کی اس اخلاقی جرأت نے آریہ سماج کے اندر اور آریہ سماج سے باہر ان کے بہت سے دشمن پیدا کر دئے تھے۔ اسی کار خیر کی بدولت ڈاکٹر صاحب موصوف

بھی پھاٹک کے سامنے آ گئے تھے۔ شام کے وقت میں اسی شریف ڈاکٹر کے ہمراہ ہردوار سے گوروکل بہانگڑی کے لیئے چل پڑا۔ ہردوار سے کنکھل تک ہم گاڑی میں آئے۔ کنکھل سے آگے دریائے گنگا کو عبور کر کے ہمیں گوروکل میں پہنچنا تھا۔ کچھ دور تک پتھریلا راستہ طے کرنے کے بعد ہم گنگا کی بڑی دھار کو عبور کر کے چھوٹی دھار پر پہنچے۔ جسکو کہ نیل دھارا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اُس کا پانی نہایت صاف شفاف تھا۔ اسی دھار سے دوسری طرف گوروکل کی زمین ہے اور اس زمین پر گوروکل کا جھنڈا لہراتا ہوا دور سے نظر آتا ہے۔ جب ہم اس دھار کو عبور کر کے دوسرے کنارے پر پہنچے۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ ایک دراز قد۔ ننگے سر۔ دراز ریش۔ پیلی دھوتی اور لمبا کُرتہ پہنے ہوئے۔ سادھو مہاتما تین چار ننگے سر۔ ننگے پاؤں والے لڑکوں کے ساتھ چلا آ رہا ہے۔ گنگا کی نیل دھارا ایک طرف پہاڑ کا نظارا دوسری طرف۔ گھنا جنگل سامنے کی طرف۔ اُس جنگل میں سے اِن سادھوؤں کا یک لخت سامنے آ جانا ایک ایسا دلکش نظارہ تھا۔ جس نے اپنی پہلی ہی جھلک میں مجھے اپنا شیدا گرویدہ کر لیا میں نے اس سے پیشتر لالہ منشی رام صاحب کو نہیں دیکھا تھا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے دریافت کیا۔ کہ یہ مہاتما کون ہیں۔ جب مجھے معلوم ہوا۔ کہ یہ مہاتما منشی رام جی ہیں۔ تو میں نے آگے بڑھ کر نمستے کی۔ مہاتما جی نے کچھ ایسی ادا کے ساتھ جواب دیا جو آنکھوں سے گذر کر دل پہ کام کر گئی۔ قدرت نے مہاتما صاحب موصوف کو ان تمام ہتھیاروں سے مسلح کیا ہے۔ جو کہ ایک ”رنگ شیرازی“ کے لئے ضروری سمجھے گئے ہیں ابتدائی بات چیت کے بعد میں گوروکل کی طرف چل دیا۔ اور مہاتما صاحب مع اپنے شاگردوں کے گنگا کے کنارے سندھیا میں مصروف ہو گئے۔ گوروکل کی زمین دریائے گنگا کی دو شاخوں کے درمیان ایک بڑا سا جزیرہ ہے۔ جو موسم برسات میں چاروں طرف سے پانی میں گھر جاتا ہے۔ اکتوبر سے لیکر مارچ تک یہاں پر موسم نہایت خوشگوار رہتا ہے۔ مگر مارچ سے لیکر ستمبر تک یہاں کی آب و ہوا صحت کے لئے سخت مضر ثابت ہوتی ہے۔ میں خوش گوار موسم میں گوروکل پہنچا تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ یہاں کی ہر ایک چیز پر جوبن برس رہا تھا۔ مجھے ایک پھوس کی جھونپڑی میں جگہ ملی۔ مگر اس پھوس کی جھونپڑی میں مجھے اُس رات کو جس قدر آنند ملا۔ وہ فرش فروش اور جھاڑ فانوس سے سجے ہوئے

کمروں میں نہیں مل سکتا تھا۔ صبح کے وقت مہاتما جی کے دوبارہ درشن ہوئے۔ اور کچھ مختصر سی بات چیت بھی ہوئی۔ چند روز کے بعد میرے لئے یہ فیصلہ کیا گیا۔ کہ میں گورو کل میں ہی مستقل طور پر قیام کروں۔ قیام کے فیصلہ کے بعد کام کا فیصلہ ہونا تھا۔ چونکہ اہل اسلام کی طرف سے ”ترکِ اسلام“ کی بدولت آریہ سماج اور آریہ دھرم پر نہایت زور شور سے گولہ باری ہو رہی تھی۔ اور آریہ سماج کی طرف سے اس بات پر زور دیا جا رہا تھا۔ کہ میں ان کتابوں کا جواب دینا شروع کروں۔ بنابریں مہاتما صاحب موصوف نے مجھے اس گولہ باری کے مقابلہ پر کھڑا ہو جانیکا مشورہ دیا۔ اور میرے لئے یہی کام تجویز کیا گیا۔ اگر بغور دیکھا جاوے تو میرے لئے اس کام کے تجویز کرنے میں بڑی دور اندیشی اور عقلمندی سے کام لیا گیا تھا۔ کیونکہ یہ کام ”لکڑی اور کلہاڑے“ کی پالیسی پر مبنی تھا۔ جنگل کو کاٹنے کے لئے اسی جنگل کی لکڑی کا دستہ بنا لینا بہت حکیمانہ فعل تھا۔ میں نے اسی خس و خاشاک کی جھونپڑی میں ڈیرہ لگا دیا۔ اور اہل اسلام کی طرف سے جس قدر کتب شائع ہو چکی تھیں ان سب کا بغور مطالعہ کر کے میں نے نتیجہ نکالا۔ کہ ان کتابوں میں سے زیادہ حصہ ایسا ہے۔ جو بدمزاف قلم کی پیدائش ہے جن میں نہ سنجیدگی و متانت ہے۔ نہ اصولی بحث ہے بلکہ محض دشنام دہی سے کام لیا گیا ہے۔ چنانچہ ایسی تمام کتب کو میں نے ناقابل التفات سمجھا۔ دوسرا حصہ ایسی کتابوں کا تھا۔ جن میں سر سے پاؤں تک الزامی حملے کئے گئے تھے۔ اور معترض کو قائل کرنے کے لئے الزامی دلائل سے کام لیا گیا تھا۔ اس قسم کی کتب کو بھی میں نے نظر انداز کر دیا۔ تیسری قسم میں وہ کتابیں شامل تھیں۔ جن میں متانت اور سنجیدگی کے علاوہ اصولی بحث کرتے ہوئے ہر ایک مسئلہ کے دونوں پہلو دکھائے گئے تھے۔ ان کتابوں میں ذاتی حملوں یا محض طعن و تشنیع سے کام نہیں لیا گیا تھا۔ گو ان میں کہیں کہیں مذاقیہ سپرٹ پائی جاتی تھی۔ مگر وہ مذاق عامیانہ یا شوقیانہ نہیں تھا۔ بلکہ عالمانہ تھا۔ اس قسم کی صرف دو ہی کتابیں میری نظر سے گذریں۔ ان میں سے ایک کا نام ”نور الدین“ تھا۔ دوسری کا نام ”ترکِ اسلام“۔ پہلی کے مصنف مولانا مولوی نور الدین صاحب قادیانی تھے۔ دوسری کے مصنف مولانا مولوی ثناء اللہ صاحب

امرتسری تھے۔ اِن ہی دو کتابوں کو میں نے جواب الجواب کے لیے پسند کیا۔ اِن دونوں کتابوں کی سپرٹ ایک دوسرے سے مختلف تھی۔ "نورالدین" میں جنگی یا سپاہیانہ سپرٹ سے کام لیا گیا تھا۔ اُس کے مصنف نے ملّاازم کو قطعی ایک طرف رکھ کر اسلام کو پیش کرنے کی کوشش کی۔ اور جس طرح اُس نے ملّاازم کو بے رحمی سے کاٹا تھا۔ اسی طرح اس نے میرے اعتراضات کو بھی بڑی سختی سے کاٹنے کی کوشش کی۔ اُس کے مصنف کا مدعا مجھے زیادہ تر یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ جس طرح بھی ہو اسلام کو بچایا جاوے۔ اور مخالف کو نیچا دکھایا جاوے۔ اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے نیا یا پرانا جو بھی ہتھیار کارگر ہو سکتا ہو اس کا بڑی دلیری اور جرأت کے ساتھ استعمال کیا جاوے۔ چنانچہ "نورالدین" کا مصنف مجھے جری سپاہی کی شکل میں نظر آتا تھا۔ جو نئے اور پرانے ہتھیاروں سے مسلح ہو۔ جو صلح نہیں بلکہ موت یا اطاعت کا پیغام سنا رہا ہو۔ مگر "ترکِ اسلام" میں جس سپرٹ سے کام لیا گیا تھا وہ سپاہیانہ نہیں تھی۔ بلکہ ترک شیرازی" کی سپرٹ تھی۔ اسکا مصنف مجھے ایک "دربا" کی شکل میں نظر آتا تھا۔ جو "ترک" کے ہتھیاروں سے بھی زیادہ خطرناک "ترک شیرازی" کے ہتھیاروں سے مسلح ہو۔ مگر وہ ہتھیار ہلاکت یا موت کے لیے نہ ہوں۔ بلکہ دلستانی کے لیے ہوں۔ اس کے مصنف نے اگرچہ ملّاازم کو نظرانداز کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس کا زیادہ زور اس بات پر تھا۔ کہ اسلام کو بچانے کے ساتھ ساتھ آہوئے رم دیدہ کو بھی رام کیا جاوے اِن دونوں کتابوں میں جب میں "نورالدین" کے جوابات کو دیکھتا تھا۔ تو مجھ میں جنگی سپرٹ جوش مارتی تھی۔ اور میں شدید ترین مقابلہ کے لیے اپنے آپ کو تیار کرتا تھا۔ لیکن جب میں "ترکِ اسلام" کی ترک تازی کو دیکھتا تھا۔ تو مجھ میں جنگی سپرٹ جوش نہیں مارتی تھی۔ بلکہ اس کا مصنف میرے سامنے ایک "دربا" کی شکل میں آجاتا تھا جسکا ہر ایک حملہ۔ ہر ایک چوٹ۔ اور ہر ایک ادا سپاہی کے حملہ سے زیادہ کاٹ کرتی تھی۔ مگر اس کاٹ سے درد کی بجائے لذت اور نفرت کی بجائے محبت میں اضافہ ہوتا تھا۔ یہ دونوں "جفاکار" اپنا کام کر گئے۔ اور مجھے بتا گئے کہ جن باتوں کو میں نے اسلام سمجھ کر اعتراض کیا ہے۔ وہ اسلام نہیں بلکہ "ملّاازم" ہے۔ اور کہ ملّاازم کے

لیے اسلام جواب دہ نہیں ہے۔ گو مجھے ترک اسلام کا جواب مل چکا تھا۔ مگر ملا ازم کی زیادہ صفائی کرنے کے لئے میں نے اِن دونوں "جھاکاروں" کے مقابلہ کی ٹھانی اور اسلام پر پرانے یا نئے ملانوں کی طرف سے جس قدر حجات چڑھائے گئے ہیں میں نے اُس تمام رطب و یابس کو ایک جگہ جمع کرنا شروع کیا۔ اور گوردکل کانگڑی میں اسی پھوس کی کٹیا میں دھونی رما کر بیٹھ گیا اور چھ ماہ کی مسلسل کوشش سے چار ہزار صفحہ کا مسودہ تیار کر ڈالا۔ جب یہ گولہ بارود کا میگزین تیار ہو چکا۔ تو اس کو شائع کرنے کے لئے میں جالندھر آگیا۔ جہاں پر لالہ منشی رام صاحب کا چھاپہ خانہ تھا۔ اتفاق سے لالہ صاحب موصوف بھی اُن دنوں میں بوجوہات چند جالندھر میں ہی فروکش تھے مصلاح یہ ہوئی۔ کہ مسودہ کو لالہ صاحب موصوف پڑھ لیا کریں۔ اگر اس میں قانونی نقطہ خیال سے کوئی بات اصلاح طلب ہوا کرے۔ تو وہ اس کی اصلاح کر دیا کریں۔ چنانچہ میں نے "تہذیب الاسلام" کے مسودہ کے پہلے چند صفحات لالہ صاحب موصوف کے ملاحظہ کے لئے پیش کئے۔ جن کو پڑھکر وہ بہت ہی خوش ہوئے۔ اور اُنہوں نے مسودہ کو پاس کر دیا۔ بلکہ آئندہ کے لئے مجھے اجازت دیدی۔ کہ میں ان کو دکھلانے کے بغیر ہی اپنا مسودہ کاتب کو دیدیا کروں۔ کتاب کی چھپوائی کے اخراجات یا اس کی آمدنی یا خرید و فروخت کے ساتھ میرا کسی قسم کا تعلق نہیں تھا۔ بلکہ اِن تمام باتوں کے ذمہ دار پریس کے مالک لالہ منشی رام صاحب تھے۔ میں نے اس بات کے جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ کہ کتاب پر کیا خرچ آیا۔ یا اس سے کس قدر آمدنی ہوئی۔ یہ فقرہ میں نے اس لئے لکھا ہے۔ کہ بعض اہل اسلام نے یہ خیال ظاہر کیا تھا۔ کہ میں روپیہ کمانے کی غرض سے آریہ سماج میں گیا ہوں۔ حالانکہ ان کا یہ خیال محض بے بنیاد تھا۔ میرا مدعا کسی قسم کے دنیوی مفاد کی تحصیل نہیں تھا۔ بلکہ جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں میرے دل میں "ملا ازم" سے سخت نفرت اور حد درجہ کی بیزاری تھی۔ اور میں نہایت شد و مد سے اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ "تہذیب الاسلام" کی چار جلدوں میں میں نے دل کھول کر "ملا ازم" پر گولہ باری کی۔ دو ہزار صفحہ کا مسودہ ابھی اور باقی تھا مگر میں نے اسکو شائع کرنے سے روک لیا۔ کیونکہ فریق ثانی بار بار اس بات کا اعلان

کر دیا تھا۔ کہ جن باتوں کو میں اسلام کے نام سے پیش کر رہا ہوں۔ وہ اسلام نہیں ہے۔ بلکہ مفسرین کے ذاتی خیالات ہیں یا چند موضوع و غیر معتبر احادیث ہیں۔ جن کی صداقت کا اسلام ذمہ وار نہیں ہے۔ اگر بغور دیکھا جاوے تو ترک اسلام سے لیکر میری آخری تصنیف تک جسقدر اعتراضات تھے۔ وہ قرآن مجید کے متن پر اس قدر نہیں تھے۔ جسقدر کہ تفاسیر و موضوع احادیث پر تھے۔ اگر تفسیروں اور موضوع حدیثوں کو الگ کر دیا جاتا۔ تو میری تمام تصانیف جو اسلام کے برخلاف لکھی گئی تھیں مُردہ رہجاتی تھیں۔ چنانچہ ہوا بھی یہی جب مولوی نورالدین صاحب نے "نورالدین"، کے ذریعہ اور مولوی ثناء اللہ صاحب نے "ترک اسلام" وغیرہ کے ذریعہ اسلام اور "ملاازم" کے درمیان خط ممیزہ کھینچ دیا۔ تو میری تصانیف کی قیمت ایک دیا سلائی کے برابر رہ گئی۔ میرے اعتراضات کا جواب دینے میں "نورالدین" کے مصنف کا نشانہ علمی معلومات کی بدولت بے خطا ہوتا تھا۔ مگر "ترک اسلام" کا وار زیادہ ستم ڈھاتا تھا۔ جبکہ وہ میرے قلعہ کو جو میں سخت جدوجہد کے ساتھ تفسیروں کی بنا پر تعمیر کرتا تھا۔ صرف اتنا سا فقرہ لکھکر مسمار کر ڈالتا تھا۔ کہ "تفسیر کا جواب تفسیر لکھنے والوں سے لو۔ قرآن مجید اس کا ذمہ وار نہیں ہے" اس ایک فقرہ نے ترکِ اسلام اور تہذیب الاسلام کو چھلنی کر ڈالا۔ میں نے نتیجہ نکال لیا۔ کہ "نورالدین" کے مصنف کے ساتھ تو بحث چل سکتی ہے۔ مگر "ترک اسلام" کے مصنف کے ساتھ جو "ملاازم" کا سرے سے ہی منکر ہے۔ بحث کا چلنا مشکل ہے۔ مگر لطف یہ ہوا۔ کہ "نورالدین" کے مصنف نے میرے مقابلہ پر دوبارہ قلم نہ اُٹھایا۔ حالانکہ میں آرزومند تھا۔ کہ اس کے ساتھ بحث کا سلسلہ جاری رہے لیکن "ترک اسلام" کے مصنف نے "تہذیب الاسلام" کے جواب پر پھر قلم اُٹھایا مگر میں اُس کے ساتھ بحث کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "نورالدین" کے مصنف نے میرے مقابلہ پر دوبارہ قلم نہ اُٹھایا۔ اور میں نے "ترک اسلام" کے مصنف کے مقابلہ پر قلم اُٹھانے سے انکار کر دیا۔ اس طرح ہماری پہلی جنگ کا خاتمہ ہو گیا مگر کچھ عرصہ کے بعد "ملاازم" کو دوبارہ رگڑنے کا خیال میرے دل میں پیدا ہوا۔ اس دفعہ میں نے تواریخ سے مدد لی۔ اور "رنگیلا اسلام" کے نام سے

جلتی سڑتی ہوئی کتاب شائع کی۔ آریہ سماج کے اخبارات نے اس کتاب کا نہایت ہی زوردار الفاظ میں ریویو کیا۔ مسلم اخبارات نے اس کے برخلاف شور مچایا۔ میں چاہتا تھا۔ کہ پرانے ٹائپ کے ملاں لوگ مقابلہ پر آئیں۔ تاکہ مجھے اس بات کے جاننے کا موقع ملے۔ کہ وہ ان باتوں کا کیا جواب رکھتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اس دفعہ بھی وہی "ترک شیرازی" میدان میں آکودا۔ اور یہ کہکر کہ قرآن مجید یا اسلام تواریخ یا تفاسیر کا جواب وہ نہیں ہے "نخل اسلام" پر "ہنر اسلام" مار کر چلتا ہوا۔ اس طرح پرانے ٹائپ کے جن ملانوں کو رگڑنے کے لئے میں نے یہ دوسری کوشش کی تھی۔ وہ پھر بچ گئے۔ آخر کار جب میں نے دیکھا کہ "ملاازم" کے ماننے والے تو میدان میں آتے نہیں۔ اور جو میدان میں آتے ہیں وہ "ملاازم" کو ماننے والے نہیں ہوتے۔ تو میں نے اس تمام بحث کا قطعی فیصلہ کر ڈالا۔ اور "ترک اسلام" سے لیکر اپنی آخری تصنیف تک جس قدر کتابیں تھیں۔ ان سب کو میں نے ۱۴ رجب سنہ ۱۹۱۱ء کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ مگر سوال یہ ہے۔ کہ کیا ملاں لوگ میری کتب کو دیکھکر قطعی خاموش رہے؟ ہرگز نہیں۔ انہوں نے گولہ باری کی۔ مگر میرے مقابلہ پر نہیں۔ بلکہ انہوں نے میرے اعتراضات کا جواب دینے والوں پر اپنے گولے برسائے۔ "نورالدین" کے مصنف پر تو ان لوگوں کی طرف سے پہلے سے ہی کفر کا فتویٰ لگ چکا تھا "ترک اسلام" کے مصنف مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے برخلاف بھی ان لوگوں نے ایک اشتہار شائع کرکے اس بات کا ثبوت دیا۔ کہ اسلام اور ملاازم میں کیا فرق ہے وہ اشتہار مفصلہ ذیل ہے:۔

معذرت

چونکہ ہم لوگ اور وہ صاحبان ہم مشرب و ہم مذاق نہیں ہیں۔ اس واسطے ہمارا باہمی اتفاق و اتحاد مشکل معلوم ہوتا ہے۔ جو لوگ معجزات و کرامات ذیل سے منکر ہوں۔ ممکن نہیں کہ انکے ساتھ ہمارا اتفاق و اتحاد ہوسکے۔ اور وہ معجزات و کرامات یہ ہیں (۱) ابراہیم علیہ السلام کے پرندوں کا زندہ ہونا۔ (۲) مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم

میووں کا غیب سے آنا۔ (۳) قربانیوں کے کھانے کے واسطے آسمان سے آگ کا آنا (۴) موسیٰ علیہ السلام کی مچھلی کا زندہ ہونا (۵) داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کا نرم ہونا۔ (۶) داؤد علیہ السلام کے ساتھ جانوروں اور پہاڑوں کا تسبیح پڑھنا۔ (۷) بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ کرنا۔

(۸) قوم لوط علیہ السلام کی بستیوں کو اوپر سے جانا اور اٹھا زمین پر مارنا (۹) صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا پتھر یا زمین سے نکلنا۔ (۱۰) ابراہیم علیہ السلام کے پاس غیب سے دنبہ کا آنا دیکھو نزک اسلام کے صفحہ ۱۰۹ میں لکھتا ہے اور ہم نے اُسے ایک بڑا ذبیحہ بدلے میں دیا یعنی ہم نے کہا۔ کہ تم ایک دنبہ ذبح کرو (۱۱) قیامت کے دن زمین کے لپیٹنے سے (۱۲) فرشتوں کے پروں سے (۱۳) اور تاروں کے ساتھ شیاطین کے مارنے سے (۱۴) اور اُس وقت یاجوج ماجوج کی سد سے (۱۵) اور یاجوج ماجوج کے موجود ہونے سے (۱۶) اور نماز و اعمال سے (۱۷) اور بی بی حوا کے آدم علیہ السلام سے بنانے وغیرہ وغیرہ سے منکر ہے۔ دیکھو نزک اسلام کا صفحہ ۱۷ و ۲۹ و ۳۲ و ۱۳۰ و ۶۷ و ۶۱ اور تفسیر کا صفحہ ۷۶۔

قرآن شریف کی کل آیات کو محکم غیر منسوخ بتاوے (۱۹) اور قرآن شریف کی تفسیر میں تفسیر نبوی کے برخلاف تفسیر کرے (۲۰) اور سلف صالحین کو دیوانوں کا ہتوا کہے۔ ۔ ۔ یہ جو ہم نے لکھا ایک ہے ہزار سے اور نمونہ ہے خروار سے۔ استیعاب و استقصا کے واسطے سفر جلیل چاہیئے۔ اشتہار میں اسکی گنجائش ناممکن ہے۔ چونکہ ہمارا اور ان کا مذہبی اختلاف ہے۔ اسواسطے ہمارا اور ان کا اتفاق و اتحاد ناممکن ہے۔ لہذا بخوف احباب قریبہ و بعیدہ کے عرض ہے کہ ہم کو ایسے لوگوں کے جلسوں کی شمولیت کے ساتھ مکلف و مجبور نہ کریں اور للہ معاف رکھیں اور مہربانی فرماکر تفرق و اختلاف کا الزام ہمارے ذمہ نہ لگائیں ۔

جس طرح میری "شدھی" پر "سناتن دھرمی ہندوؤں" نے بعض آریہ سماجیوں کو بائیکاٹ کر دیا تھا۔ اسی طرح مسلمانوں کے "سناتن دھرمیوں" نے "ترک اسلام" کے مصنف مولوی ثناء اللہ صاحب کو مع اُن کے دوستوں کے بائیکاٹ کر دیا۔ چنانچہ اس بائیکاٹ کے بارے میں "اہل سناتن" کی طرف سے کثرت سے اشتہارات و رسالہ جات شائع ہوئے اور اب تک شائع ہو رہے ہیں "سناتنیوں" کے اشتہارات کا نمونہ دکھانے کے لئے ایک اشتہار کے چند فقرات یہاں پر نقل کئے جاتے ہیں +

"مولوی ثناء اللہ امرتسری ایڈیٹر اہل حدیث ...... مولوی عبد اللہ غازی پوری۔ اور مولوی ابراہیم سیالکوٹی۔ وغیرہ میں سے اول الذکر بموجب فتاوی علماء کرام و مشائخ عظام اہل حدیث سے خارج کئے گئے ہیں۔ اور ثانی و ثالث اُس کے موید اور حجیت اجماع و وجود اجماع کے منکر ہیں۔ اور اتباع سلف کو واجب نہیں کہتے۔ اور تفسیر القرآن کی صحت و سقم کا معیار معانی لغویہ کو قرار دیکر حقیقت شرعیہ کو مقدم نہیں جانتے۔ فتاوی و تفاسیر صحابہ و خیر القرون کو متاخرین کے اقوال و تفاسیر پر ترجیح نہیں دیتے۔ علمی و عملی طور پر اسکو اولیٰ واقدم نہیں سمجھتے۔ ...... اور نئی روش کو مذہبی معاملات میں پسند کرتے ہیں ... جب تک مولوی ثناء اللہ امرتسری۔ مولوی عبد اللہ غازیپوری مولوی ابراہیم سیالکوٹی اور محمد ابو القاسم بنارسی اپنے الحاد و اعتزال سے تائب نہ ہوں۔ ناحق اس جلسہ میں شریک ہونے کی زحمت گوارا نہ کریں ... مولوی ابو القاسم بنارسی جسکا نام ہی صریح حدیث کے خلاف ہے۔ دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ اس سے پرہیز کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے ... چونکہ ابتک مولوی ثناء اللہ و مولوی عبد اللہ غازیپوری مولوی ابراہیم سیالکوٹی۔ اور محمد ابو القاسم بنارسی نے الحاد و اعتزال سے توبہ نہیں کی اور اپنی غلطیوں کو تسلیم نہیں کیا۔ اس لئے امید قوی ہے کہ اب بھی حضرات علماء کرام و دیگر برادران اہل اسلام ... شریک جلسہ نہ ہونگے اور مداہنت فی الدین سے دوری اختیار کرینگے" +

کیا لطف کی بات ہے۔ کہ "ترک اسلام" کوئی لکھے۔ مگر بائی کاٹ کیا جاوے۔ بلکہ واجب القتل ٹھہرایا جاوے۔ ثناء اللہ معہ اپنے دوستوں کے! سچ ہے یکے از بام افتند و گردن دیگرے را بشکنند! اندھیر نگری کے راجہ کے متعلق کہانی مشہور ہے کہ اس نے ایک شخص پر پھانسی کا حکم لگایا۔ جلادوں نے عرض کی۔ کہ مہاراج مجرم دبلا پتلا ہے پھانسی کا رسا بڑا ہے۔ گردن ٹھیک نہیں بیٹھتی۔ راجہ نے جواب دیا کہ اگر اس کی گردن پتلی ہے۔ تو کوئی موٹی گردن والا پکڑ لاؤ۔ چونکہ ترک اسلام کا مصنف تو ان کی پہنچ سے باہر ہے۔ بنا برین "ترک اسلام" کے مصنف کو پکڑ لو۔ کیونکہ دونوں میں صرف ایک "بیش" کا ہی فرق ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر مزے کی بات یہ ہے کہ "ترک اسلام" کا مصنف تو تمام کھیل دیکھ کر گھر بھی پہنچ گیا۔ مگر جن لوگوں نے اسکو یہ کھیل دیکھنے سے روک کر گھر واپس لے جانے کی کوشش کی تھی ان کو گھر والوں نے باہر نکال دیا۔ اور اب تک بائیکاٹ کر رکھا ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو "اہل سنت" کہتے ہیں لیکن بغور دیکھا جاوے تو وہ "اہل سنت" نہیں بلکہ "اہل سناتن" کہلائے جانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ان ہی ہتھیاروں سے لڑتے ہیں۔ جو سناتنی ہندوؤں کے ہتھیار ہیں۔ چنانچہ یہی "اہل سناتن" اپنے ایک دوسرے اشتہار میں لکھتے ہیں:۔

"ثناء اللہ دو حالت سے خالی نہیں ہو سکتا۔ یا تو وہ اپنے کفریات والحادات سے تائب ہووے۔ تو اس وقت بحکم اقتدار خلیفہ ثانی امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اور بحکم آئمہ حدیث و فقہ کے مثل امام احمد وغیرہ کے وہ مستوجب ہجر و ترکِ اسلام و کلام و قطع برتاؤ کا ہے ایک سال کامل تک۔ تاکہ توبہ اس کی مجرب و صحیح ہو جاوے اور جو مہجور متروک الکلام ہو۔ وہ قابل خطاب اور لائق کلام کے نہیں ہوتا"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ثناء اللہ صاحب اپنی کتابوں کو جلا بھی دے۔ اور توبہ بھی کرے۔ تو بھی ایک سال تک اسکو بائیکاٹ کئے رکھنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ کس سلوک کا مستحق ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ:۔

"اگر وہ اپنے کفریات و زندقہ سے توبہ نہ کرے۔ تو وہ بالاتفاق آئمہ تابعین کے بحکم شرع مقتول ہے۔ چنانچہ دابۃ الارض حصہ دوم

کے آخیر میں بہ تفصیل ثابت کیا گیا" ۔

جس کتاب کا اس اشتہار میں ذکر کیا گیا ہے ۔ وہ کتاب میری نظر سے بھی گذر چکی ہے ۔ اس کتاب میں "ترک اسلام" کا جواب نہیں دیا گیا ۔ بلکہ ترک اسلام کا جواب دیا گیا ہے ۔ اگر یہ کتاب ۱۹۰۷ء میں شائع ہو گئی ہوتی ۔ تو مجھے "تہذیب الاسلام" یا "نخل اسلام" کے لکھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی ۔ کیونکہ اس کتاب میں "ملازم" کے متعلق اس قدر مصالحہ جمع کر دیا گیا ہے ۔ جسکو جمع کرنے سے میں بھی قاصر رہا تھا اگر اس کتاب کو "تہذیب الاسلام" کا نعم البدل کہا جاوے ۔ تو شاید نامناسب نہیں ہوگا ۔ مثلاً "ترک اسلام" میں یہ اعتراض کیا گیا تھا ۔ کہ قرآن مجید کی بہت سی باتیں ایسی ہیں ۔ جو معما ہیں جیسے حروف مقطعات اسپر "ترک اسلام" کے مصنف نے جواب دیا کہ قرآن مجید کی کوئی بھی بات ایسی نہیں ہے ۔ جس کے معنی ہم نہ جانتے ہوں ۔ بات کا فیصلہ ہو گیا ۔ مگر دابۃ الارض کا مصنف لکھتا ہے کہ ثناء اللہ کا یہ جواب کفر و الحاد و زندقہ ہے ۔ اگر وہ اس الحاد سے توبہ نہ کرے ۔ تو اس کے ساتھ وہی سلوک ہونا چاہئے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صبیغ کے ساتھ کیا تھا ۔ اس کے بعد دابۃ الارض کا مصنف مختلف تفاسیر کا حوالہ دیکر مفصلہ ذیل قصہ عربی میں نقل کر کے اسکا ترجمہ دیتا ہے ۔

"ایک شخص صبیغ بن عسل تمیمی عراقی نام مسلمانوں کی چھاؤنیوں میں متشابہ قرآن سے پوچھتا تھا ۔ جب مصر میں پہنچا اسکو عمرو بن عاص نے پکڑ کر امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجدیا ۔ جب امیر المومنین نے خط پڑھا ۔ تو قاصد کو کہا ۔ کہ کہاں ہے وہ شخص ؟ اُس نے کہا کہ میرے ڈیرے میں ہے ۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ۔ دیکھ کہیں بھاگ نہ جائے ۔ ورنہ تم کو سخت دردناک سزا دونگا ۔ عمرؓ نے اس کے واسطے کھجور کی تر شاخیں تیار رکھی تھیں ۔ جب قاصد اُسکو لیکر حاضر ہوا ۔ پس کہا عمرؓ نے تو بدعت کی باتیں پوچھتا ہے ۔ تو کون ہے ؟ کہا میں بندہ اللہ کا صبیغ ہوں ۔ پس لی عمرؓ نے ایک شاخ تر اُن شاخوں سے اور مارا اُسکو اور کہا میں بندہ اللہ کا

عمر ہوں اور اتنا مارا کہ اُس کے سر سے خون جاری ہو گیا۔ اور پیٹھ اُس کی سخت زخمی ہو گئی۔ پھر چھوڑ دیا اُس کو۔ یہاں تک کہ زخم اُس کے اچھے ہو گئے۔ پھر مارا اُس کو اسی طرح۔ پھر چھوڑ دیا۔ یہاں تک کہ زخم اُس کے اچھے ہو گئے۔ پھر منگوایا اُس کو۔ تاکہ پھر مارے اسکو۔ پس کہا صبیغ نے اے امیر المؤمنین اگر تو میرے قتل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اچھی طرح مجھ کو قتل کر یعنی عذاب نہ کر۔ اور اگر تو ارادہ کرتا ہے کہ علاج و دوا کرے میری۔ پس تحقیق قسم ہے اللہ کی۔ میں اچھا ہو گیا۔ اور ضرور جاتا رہا وہ جو میں پاتا تھا اُس کو اپنے سر میں پس اذن دیا اُس کو کہ اپنے ملک کی طرف جائے۔ اور حکم لکھا۔ طرف ابو موسیٰ اشعری رضی کے کہ کوئی بھی مسلمانوں سے اُس کے ساتھ نہ بیٹھے۔ پس وہ مثل اونٹ یا دل کے لوگوں سے علیحدہ پھرتا تھا۔ پس اگر کسی ایسی قوم کے پاس جاتا۔ جو اُس کو نہیں پہچانتے اور اُن میں بیٹھ جاتا۔ تو دوسری مجلس والے باواز بلند کہتے۔ کہ یہ قسم ہے امیر المؤمنین کی۔ پس وہ بھی اس سے بھاگ جاتے پس نہایت تنگ ہوا۔ پھر ابو موسیٰ اشعری نے امیر المؤمنین کیطرف لکھا۔ کہ اب اس کی توبہ و حیثیات اچھی ہو گئی ہے۔ اور اس نے ابو موسیٰ کے پاس سخت قسمیں کھائی تھیں۔ کہ میں اب اپنے دل میں کچھ ان باتوں سے نہیں پاتا۔ تو امیر المؤمنین رضی نے لکھا۔ کہ میں گمان کرتا ہوں۔ اُس نے سچ کہا۔ پس اب لوگوں کو اذن دیدے کہ اُس کے ساتھ برتاؤ کریں۔ صفحہ ۱۵۷'' +

مذکورہ بالا قصہ کو عربی تفاسیر میں سے نقل کرنے کے بعد ابتہ الارض کا مصنف لکھتا ہے کہ :-

حاصل ترجمہ یہ کہ بدعتی کو بعد توبہ کے ایک سال وطن کے اخراج کرنے اور اس سے قطع کلام کرنا چاہیئے جس طرح امیر المؤمنین عمر رضی نے صبیغ کو مارا اور ایک سال اخراج کیا وطن سے اور حکم کیا مسلمانوں کو کہ

اس سے ہجر اور قطع کریں۔ حالانکہ شنا د السد بہت بد تر ہے صبیغ سے ہزار درجہ۔ کیونکہ وہ محدث نہ تھا۔ اور نہ بدعات جہمیہ اور معتزلہ اسوقت ظاہر ہوئی تھیں۔ صفحہ ۱۵۸"۔

"تزک اسلام" کے مصنف کے لئے یہ سزا اس لئے تجویز کی جاتی ہے کیونکہ اس نے "تزکِ اسلام" کا جواب دیتے وقت "ملاازم" یا "اہل سناتن" کے ہفوات کو بطور سند کے پیش کرنے سے کیوں انکار کر دیا۔ درحقیقت "تزک اسلام" کے مصنف نے بڑی بھاری غلطی کی۔ کہ وہ "تزک اسلام"، "تہذیب الاسلام" اور "تخل اسلام" کا جواب دینے کے لئے آگے آیا۔ حالانکہ اُس کو چاہئے تھا۔ کہ وہ "دابۃ الارض" کے مصنف یا اسی کی جماعت کے "سناتن دھرمیوں" کو آگے آنے دیتا۔ اگر وہ دور اندیش ہو۔ تو اُس کو چاہیئے۔ کہ وہ "تزک اسلام" وغیرہ کو جلا کر اب بھی "اہل سناتن" سے استدعا کرے۔ کہ وہ اپنے نقطہ خیال سے "تزک اسلام" "تہذیب الاسلام" وغیرہ کا جواب لکھیں۔ کیونکہ میرا اب بھی یہی خیال ہے۔ کہ اگر اسلام یہی ہے۔ جو "دابۃ الارض" کا مصنف اپنی کتاب میں پیش کر رہا ہے۔ تو یہ کسی صورت میں بھی دینِ الٰہی نہیں ہو سکتا بلکہ یہ محض جہالت یا "ملاازم" ہے۔ اور کہ "دابۃ الارض" کے مصنف نے حضرت عمرؓ کے بارے میں جو قصہ بیان کیا ہے۔ اگر وہ درست تسلیم کر لیا جاوے۔ تو حضرت عمر کی پوزیشن ایک معمولی "ملینٹے" سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی اور کہ اس صورت میں کتب خانہ سکندریہ کے جلا ڈالنے کا جو الزام حضرت عمر کی ذات پر لگایا جا رہا ہے۔ اور جس الزام کو خود یوروپ کے مورخین نے ہی حضرت عمر کی ذات پر محض بہتان مانا ہے۔ اور کتب خانہ کے جلانے کو مسیحی پادریوں کی حرکت ثابت کیا ہے۔ "دابۃ الارض" کے قصے کو درست تسلیم کر لینے کی صورت میں کتب خانہ کے جلا ڈالنے کا واقعہ بھی حضرت عمر کی ذات پر بڑی آسانی سے چسپاں ہو جائیگا۔ اس صورت میں حضرت عمر کی پوزیشن اُن سپاہیوں سے بڑھ کر نہیں ہوگی۔ جن کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے بلجیم کے کتب خانوں کو جلا کر خاکستر کر ڈالا تھا۔ صاف ظاہر ہے۔ کہ "دابۃ الارض" جیسی کتاب مخالفین اسلام کے ہاتھ میں اسلام اور اہل اسلام پر ضحکہ اُڑانے کا بہت عمدہ مصالح دے سکتی ہے۔ چنانچہ مولوی

ثناء اللہ صاحب نے بھی اس کتاب کا چند سطری نوٹ میں اسی قسم کا جواب دیا تھا اور در حقیقت اس کتاب کا جواب اس سے بہتر کوئی ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ ان کے جواب کے چند فقرات مفصلہ ذیل تھے :-

جونپوری قاضی کا ایک بھائی

"ناظرین سمجھتے ہونگے۔ کہ جونپوری قاضی عرصہ ہوا انتقال کر چکے۔ مگر ان کو معلوم نہیں۔ کہ پنجاب کے ضلع راولپنڈی میں ایک صاحب ان کے بھائی بندوں سے موجود ہیں۔ آپکا نام حکیم قاضی.... ہے آپ ایک جامع اوصاف عالم ہیں۔ بڑا وصف آپ میں یہ ہے کہ آپ جس کے جواب میں قلم اٹھاتے ہیں۔ اتنی گالیاں دیتے ہیں۔ کہ اس بیچارے کو اپنی شرافت میں بجز خاموشی کے چارہ نہیں رہتا قاضی صاحب کو اس سے اپنی فتح سمجھ کر شیخی بھگارنے کا موقع مل جاتا ہے۔ ...... قاضی صاحب نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں آپ نے صادق اہل حدیث اور کاذب اہل حدیث کی تمیز کرنے کا دعویٰ کیا ہے۔ ہم نے اس کتاب کو بڑی خوشی سے دیکھا ہمارا خیال تھا کہ جو کام آجتک مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے نہ ہوا۔ قاضی صاحب نے کیا ہوگا۔ کیونکہ آپ کو اصول و معقول دانی کا دعویٰ بھی ہے۔ مگر افسوس سے خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم الخ"

یہ تو ظاہر ہے۔ کہ مذکورہ بالا عبارت میں "قاضی جونپوری" کے بھائی کی کوئی تشریح نہیں کی گئی۔ مگر حکیم قاضی...... صاحب کے ایک بھائی نے اس کی بھی تشریح کر ڈالی جسکا مطلب یہ ہے :-

"کسی مکتب کے ملاں صاحب اپنے ایک شاگرد سے کہہ رہے تھے۔ کہ تو بڑا ناشکر گذار ہے۔ دیکھ ہم نے تجھے گدھے سے آدمی بنایا۔ مگر تو شکریہ ادا نہیں کرتا۔ ایک کمہار وہاں سے گذر رہا تھا۔ اس کے کان میں ملاں صاحب کی یہ آواز پڑ گئی یہ خیال کر کے کہ ملاں صاحب در حقیقت

گدھے کا آدمی بنا دیتے ہیں۔ وہ ملاں صاحب کے نزدیک آیا اور عرض کی۔ کہ جناب اگر آپ میرے گدھے کو آدمی بنا دیں۔ تو میں آپ کا بہت شکریہ ادا کرونگا۔ ملاں صاحب تاڑ گئے۔ کہ یہ کوئی سادہ لوح ہے۔ جھٹ بول اُٹھے۔ کہ ہاں ہم تمہارے گدھے کا آدمی بنا دینگے۔ اپنا گدھا ہمارے سپرد کر جاؤ۔ چنانچہ کمہار اپنا گدھا ان کے سپرد کر کے چلا گیا ملاں صاحب نے گدھے کو بیچ کر دام کھڑے کر لئے۔ کچھ عرصہ کے بعد کمہار واپس آیا۔ اور ملاں صاحب سے پوچھا۔ کہ کیا آپ نے میرے گدھے کا آدمی بنا دیا ہے۔ یا نہیں۔ ملاں صاحب بولے۔ کہ وہ تو کبھی کا آدمی بن کر یہاں سے چلا گیا ہے۔ کمہار نے پوچھا۔ کہ وہ گدھر گیا ہے۔ ملاں صاحب نے جواب دیا۔ کہ آجکل وہ جونپور میں ہے اور وہ قاضی کا کام کرتا ہے۔ کمہار نے اُسی وقت گدھے کا چھونٹا۔ پلانا۔ لگام اور ڈنڈا اُٹھا کر جونپور کا رخ کیا۔ وہاں پر پہنچکر وہ کیا دیکھتا ہے۔ کہ قاضی صاحب کرسی عدالت پر بیٹھے مقدمات کی سماعت کر رہے ہیں۔ اسی اثنا میں ان کی نگاہ کمہار پر پڑی۔ کمہار نے چھونٹا۔ پلانا۔ اور لگام قاضی صاحب کو دکھا کر اُن کو پچکارنا شروع کیا۔ مگر قاضی صاحب نے کچھ توجہ نہ کی۔ تھوڑی دیر کے بعد جب قاضی صاحب نے پھر آنکھ اُٹھائی تو کمہار نے بدستور سابق "چھونٹا پلانا" لگام اور ڈنڈا دکھا کر قاضی صاحب کو پھر پچکارا۔ قاضی صاحب نے بھی اُدھر توجہ کی۔ اور پوچھا کہ وہ کون ہے؟ اس کمہار نے باواز بلند کہا۔ کہ اب تم پوچھتے ہو۔ ہم کون ہیں؟ کیا اُس چھونٹے پلانے "کو بھول گئے ہو۔ اور تم کو وہ دن یاد نہیں رہے۔ جب تمہارے منہ میں یہ رسی ہوتی تھی۔ اور تمہاری پیٹھ پر یہ ڈنڈا پڑا کرتا تھا۔ اب تم کہتے ہو کہ ہم کون ہیں؟ قاضی صاحب کو کمہار کی بات کے سر پیر کا پتہ نہ لگا۔ جب چپڑاسیوں نے کمہار کی ساری کہانی سنی اور قاضی صاحب کو سنائی تو کمہار کی سادگی پر بہت ہنسے۔ اور اسکو سمجھایا۔ کہ تمہیں ملاں جی نے بیوقوف بنایا ہے

اب کمہار کو اصلیت کا پتہ لگا اور وہ ملاں جی کی جان کو روتا ہوا اپنے گھر واپس آ گیا"۔

جونپوری قاضی کے بھائی کی یہ کہانی خواہ فرضی ہی ہو۔ مگر اِس سے اسلام اور "ملاازم" کے سمجھنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے۔ "ترک اسلام" کا مصنف جونپوری قاضی کے "بھائیوں" کے نزدیک خواہ شکریہ کا مستحق نہ ہو۔ مگر میں اُس کا صدق دل سے مشکور ہوں۔ کیونکہ اُس نے مجھے اسلام اور "ملاازم" کے سمجھنے میں بڑی مدد دی۔ اُسکی تصانیف سے یہ جان کر کہ جن تفاسیر وغیر معتبر احادیث کی بنا پر میں اسلام پر اعتراض کر رہا ہوں۔ وہ اسلام نہیں ہے۔ بلکہ "ملاازم" ہے۔ اور کہ اسلام یا قرآن مجید "ملاازم" کا جواب دہ نہیں ہوسکتا۔ میں نے اسلام کے متعلق نہ صرف اپنی تمام تصانیف کو جلا دیا بلکہ اُن کے ساتھ ہی میں نے اُن تفاسیر کو بھی جلا دیا۔ جو میری ٹھوکر کا موجب ہوئی تھیں۔ اِسی طرح ایک دیا سلائی نے اعتراضات کے خار دار جنگل کو جلا کر میرے لئے اسلام کی طرف آنے کا راستہ صاف کر دیا۔

اکتیسویں فصل

پنج گوبہ

اہل اسلام کے ساتھ حساب بے باق کرنے میں مجھے چنداں مشکلات کا مقابلہ نہیں کرنا پڑا تھا۔ کیونکہ اُن کے ہاتھ میں چند اصول تھے۔ جن کی مدد سے فروعات کا فوراً فیصلہ ہو گیا۔ مگر آریہ سماج کے ساتھ چلکر راستہ طے کرنے میں مجھے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس لئے کہ آریہ سماج کے ہاتھ میں کوئی طے شدہ اصول نہیں تھے۔ اور نہیں ہیں۔ وہ ایک کشتی کی مانند ہے جسکا نہ تو پتوار ہو۔ نہ ہی ملاح ہو۔ نہ اُس کے پاس قطب نما ہو۔ نہ ہی بادبان ہو۔ بلکہ وہ سمندر کی لہروں اور مد لینے والی ہواؤں کے رحم پر چھوڑی گئی ہو۔ کہا جاتا ہے۔ کہ آریہ سماج اپنے سامنے "دس نیم" رکھتا ہے۔ مگر وہ "دس نیم" آریہ سماج کے حق میں عضو معطل ثابت ہوئے ہیں۔ اُن سے نہ تو آریہ سماج نے کوئی فائدہ اُٹھایا۔ نہ ہی آریہ سماج کو اُن سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ یا پہنچ سکتا ہے اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے۔ کہ جس شخص کی روح آریہ سماج میں کام کر رہی ہے وہ ایک عالم تھا۔ مگر عامل نہیں تھا۔ اُس نے سوسائٹی کے سامنے محض تجرد کی مثال پیش کی۔ لیکن تجرد ایک ایسی حالت ہے جو سوسائٹی کا منافی ہے اور نیز وہ معمولی چھوت چھات کو ترک کرنے کے لئے بھی تیار نہیں تھا۔ اس کے قول و فعل میں بعد المشرقین تھا۔ چنانچہ اس کی سوانح عمری میں لکھا ہے:۔

"ایک روز بابو کالی موہن گھوس برہم سماج کے ممبر سوامی جی کے پاس گئے۔ میں اُس وقت موجود نہیں تھا۔ مگر میرے بڑے بھائی ہرگلال اور پنڈت کمند لال تحصیلدار موجود تھے۔ اُنہوں نے سوامی جی سے درخواست کی۔ کہ آپ کل ہمارے ہاں بھوجن کریں۔ سوامی جی نے

کہا۔ کہ مجھے بھوجن کرنے میں کوئی عذر نہیں۔ مگر سنا جاتا ہے۔ کہ برہم سماج والوں کے ہاں اُنتیج (اچھوت) بھی بھوجن پکانے کا کام کرتے ہیں۔ اس واسطے ان کا بھوجن کرنے میں میری رُچی نہیں۔ اس کے بعد کھانے کے سمبندھ پر باہمی چرچا ہوتا رہا۔ آخرکار بابو صاحب نے یہ کہا۔ بے شک یہ بات صحیح ہے کہ ہم کسی کے ہاتھ سے کھانے کو بُرا نہیں سمجھتے۔ مگر ہم ایسا یہاں کرتے نہیں ہیں۔ سوامی جی نے کہا۔ کہ اگر آپ دل سے مانتے ہیں۔ اور کرتے نہیں تو ہم کھا لینگے۔ دوسرے دن کھانے کے وقت میرے بھائی نے مجھے کہا کہ آج سوامی جی نے کالی موہن کے ہاں دعوت قبول کی ہے۔ یہ سنتے ہی میں نے ایک تھال میں کھانا سوامی جی کے واسطے پروسا کر فوراً اُن کے ڈیرہ پر پہنچا دیا۔ اور خود بھی جا پہنچا۔ سوامی جی نے پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ میں نے کہا۔ کہ آپ کے واسطے کھانا ہے۔ اور آپ نے بڑی بھول کی۔ جو کالی موہن کے ہاں کا کھانا قبول کیا۔ کیونکہ یہ میری چشم دید بات ہے۔ کہ اُن کے ہاں ایک بھنگن کھانا پکایا کرتی تھی۔ فرمایا کہ ہمیں معلوم نہیں تھا۔ ہم نے ابھی اُن کی روٹی میں سے ساگ کی ترکاری الگ نکال کر رکھی ہے۔ میں نے کہا۔ آپ اس کھانے کو واپس کیجئے۔ فرمایا کہ انہوں نے ہمارے ساتھ دغا کیا۔ تمہارے بھائی اور پنڈت مکندلال کے سامنے باتیں ہوئیں۔ انہوں نے بھی ہم کو نہیں کہا چنانچہ وہ تھال واپس کرکے میرے لائے ہوئے کھانے سے تناول شروع کیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بھی آ گئے۔ میں موجود تھا۔ کہا کہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ کہ کل آپ نے قبول کیا اور آج انکار کر دیا۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ کہ جو کل آپ نے بیان کیا تھا۔ وہ بات خلاف معلوم ہوئی۔ ہم نے سنا ہے۔ کہ تمہارے ہاں بھنگن کھانا پکایا کرتی ہے۔ اُس نے کہا کہ میں نے کہہ دیا تھا کہ ہم ہر ایک کے ہاتھ کا کھانا کھا لیا کرتے ہیں۔ میرے اس کہنے پر بھی

آپ نے مان لیا تھا۔ سوامی جی نے کہا۔ کہ پنڈت مکند لال وہر گلال موجود تھے۔ آپ نے صاف کہا تھا۔ کہ ہم صرف کہتے ہیں مگر تے نہیں

جیون چرتر مہرشی سوامی دیانند سرسوتی" صفحہ ۲۹ ۴ ۔ ۳۰ ۔

اس واقعہ سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ سوامی دیانند کے قول و فعل میں مطابقت نہیں تھی اور کہ وہ معمولی چھوت چھات کو چھوڑنے کے لیے بھی تیار نہیں تھا۔ مسلمانوں اور عیسائیوں سے چھوت چھات کرنے کی وجہ وہ یہ بتاتا ہے کہ:۔

"جو لوگ گوشت خواری اور شراب نوشی کرتے ہیں۔ ان کے جسم اور منی وغیرہ رطوبتیں بدبو وغیرہ کے باعث پلید ہوتے ہیں۔ مبادا ان کی صحبت سے آریوں کو بھی یہ عیب لگ جائیں۔ یہ بات تو ٹھیک ہے ستیارتھ پرکاش صفحہ ۳۵۴"

مسلمان اور عیسائی وغیرہ گوشت کھانیوالوں کے ہاتھ کے کھانے میں آریوں کو بھی شراب اور گوشت وغیرہ کے کھانے پینے کا عیب پیچھے لگ جاتا ہے۔ لیکن آپس میں آریوں کا ایک کھانا ہونے میں کوئی عیب نہیں دکھلائی دیتا۔ صفحہ ۳۵۶"

یہ ظاہر ہے۔ کہ مسلمانوں یا عیسائیوں کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا کھانے کے حق میں سوامی دیانند نے جسم کی "رطوبتوں" کے بدبودار ہونے کی جو دلیل دی ہے وہ محض مضحکہ خیز ہے جبکہ واقعات بتلا رہے ہیں کہ ہندوؤں میں بھی عیسائیوں کی طرح شراب استعمال کی جاتی ہے۔ اور گوشت بھی کم نہیں کھایا جاتا۔ مگر سوامی دیانند نے کہیں بھی گوشت اور شراب خور ہندوؤں کے ہاتھ سے کھانا نہ کھانے کی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ اس کے برعکس انہوں نے ان کے "چوکہ سسٹم" کی تعریف کرتے ہوئے جابجا مسلمانوں اور عیسائیوں کے "باورچی سسٹم" کو نفرت آمیز الفاظ میں یاد کیا ہے۔ مثلاً:۔

"جب میاں جی کے باورچی خانے میں کہیں کوئلہ۔ کہیں راکھ۔ کہیں لکڑی۔ کہیں پھوٹی ہانڈی۔ کہیں جھوٹی رکابی۔ کہیں ہڈی کہیں ٹانگ۔ پڑی رہتی ہیں۔ اور مکھیوں کا تو کچھ ہی کہنا۔ وہ جگہ ایسی بری

لگتی ہے۔ کہ اگر کوئی بھلا آدمی جا کر بیٹھے۔ تو اُس کو قے ہونے کا بھی احتمال ہے۔ اور بدبودار جگہ کی مانند ہی وہ جگہ دکھائی دیتی ہے بھلا کوئی ان سے پوچھے۔ کہ اگر گوبر سے چوکہ لگانے میں تم نقص گننے ہو۔ تو چولہے میں اُپلے۔ اُس کی آگ سے تمباکو پینے گھر کی دیوار پر لپائی کرنے وغیرہ سے میاں جی کا بھی چوکہ پلید ہو جاتا ہوگا۔ اس میں کیا شک ہے۔ صفحہ ۳۶۲"۔

مسلمانوں اور عیسائیوں کے بارے میں تو یہ رائے۔ مگر آریوں کے چوتھے ورن کے متعلق لکھتے ہیں:-

"سوال۔ دو یج اپنے ہاتھ کی رسوئی بنا کر کھاویں۔ یا شودر کے ہاتھ کی بنائی کھاویں؟ جواب۔ شودر کے ہاتھ کی بنائی کھاویں۔۔۔ مگر شودر کے برتن اور اُس کے گھر کا پکا ہوا کھانا مصیبت کے وقت کے سوائے نہ کھاویں صفحہ ۳۵۵"۔

مگر مسلمانوں اور عیسائیوں کو سوامی دیانند نے شودر کے برابر بھی مرتبہ نہیں دیا محض اس لئے کہ ان کے جسم کی رطوبتیں بدبودار ہوتی ہیں۔ دوسری جگہ لکھا ہے:-

"جب سے عیسائی مسلمان وغیرہ کے مختلف مذاہب چلے۔ آپس میں دشمنی اور عناد ہوا۔ اُنہوں نے شراب نوشی۔ اور گائے کا گوشت وغیرہ کھانا پینا اختیار کیا۔ اسی وقت سے کھانے وغیرہ کے متعلق بکھیڑا ہو گیا۔ صفحہ ۳۶۲"۔

گائے کی آڑ لیکر مسلمانوں اور عیسائیوں پر یہ حملہ کرنا خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ ہندوؤں کے مختلف فرقوں میں آپس میں بھی چھوت چھات موجود ہے حالانکہ وہ گائے کا گوشت نہیں کھاتے۔ اگر محض گائے کا گوشت کھانے کی بنا پر ہی مسلمانوں اور عیسائیوں سے چھوت چھات کی جاتی ہے۔ تو پھر کیا وجہ ہے۔ کہ کشمیر پٹیالہ۔ نابھہ۔ میسور۔ گائکواڑ۔ گوالیار وغیرہ ہندو ریاستوں میں جہاں پر کہ گئو کشی قانوناً منع ہے اور وہاں کوئی مسلمان یا عیسائی گائے کا گوشت نہیں کھاتا۔ وہاں ان

سے کیوں چھوت چھات کیجاتی ہے؟ دراصل چھوت چھات کی وجہ گائے کا گوشت نہیں بلکہ اس کی وجہ کچھ اور ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ:۔

"جب سے غیر ملک کے گوشت خور لوگ اس ملک میں آکر گائے وغیرہ جانوروں کے مارنے والے شرابخور حکمران ہوئے ہیں۔ تب سے برابر آریوں کا دکھ بڑھتا جاتا ہے صفحہ ۳۵۹"۔

یہ صاف ظاہر ہے کہ سوامی دیانند کا مسلمانوں یا عیسائیوں کے ساتھ چھوت چھات رکھنے کی تعلیم دینا اور گائے کا سوال بیچ میں لانا محض پولیٹیکل مقاصد کی بنا پر ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ وہ چھوت چھات اور ذات پات کی مزید تشریح کرتا ہوا برھمو سماجیوں کو مخاطب کرکے لکھتا ہے کہ:۔

"انہوں نے انگریز۔ مسلمان۔ چنڈال وغیرہ سے بھی کھانے پینے کی تمیز نہیں رکھی۔ انہوں نے یہی سمجھا ہوگا۔ کہ کھانے اور ذات کا امتیاز توڑنے سے ہم اور ہمارا ملک سدھر جائیگا۔ لیکن ایسی باتوں سے سدھار تو کہاں ہے۔ الٹا بگاڑ ہوتا ہے۔ صفحہ ۴۹۷"۔

سوامی دیانند کے نزدیک مسلمانوں اور انگریزوں سے چھوت چھات کرنا اور ذات پات کا نہ توڑنا لازمی ہے وہ بھی مذہبی نقطہ خیال سے نہیں بلکہ محض پولیٹیکل نقطہ خیال سے چنانچہ وہ کہتا ہے کہ:۔

۱۔ "دیکھو! اپنے ملک کے بنے ہوئے جوتے کو دفتر اور کچہری میں جانے دیتے ہیں۔ یہاں کے دیسی جوتے کو نہیں۔ اتنے ہی سے سمجھ لو کہ اپنے ملک کے بنے ہوئے جوتوں کی جس قدر توقیر و تعظیم کرتے ہیں اتنی غیر ملک کے باشندوں کی نہیں کرتے۔ صفحہ ۴۹۸"۔

۲۔ تم میں سے بہت سے لوگوں نے ان کی نقل کرلی اسی وجہ سے تم بے عقل اور وے عقلمند ثابت ہوتے ہیں۔ نقل کرنا کسی عقلمند کا کام نہیں۔

۳۔ ان میں ذات کا امتیاز بھی ہے۔ دیکھو جب کوئی یوروپین خواہ کتنا ہی معزز اور بڑے عہدہ پر ممتاز کیوں نہ ہو کسی غیر ملک۔ غیر مذہب

والوں کی لڑکی سے بیاہ کر لیتا ہے۔ یا یورپین کی لڑکی غیر ملک والے سے شادی کر لیتی ہے۔ تب اس وقت اس کی دعوت کرنا اس کے ساتھ مل کر کھانا اور اس کے ساتھ شادی وغیرہ کو دیگر لوگ بند کر دیتے ہیں۔ یہ ذات کا امتیاز نہیں تو اور کیا ہے؟ تم جیسے سادہ لوح آدمیوں کو بہکلتے ہیں۔ کہ ہم میں ذات کا امتیاز نہیں ہے۔ تم اپنی جہالت کے باعث مان بھی لیتے ہو +

۴۔ جس ملک کو بیماری ہوئی ہے۔ اس کی دوائی تمہارے پاس نہیں ہے۔ اور یورپین لوگ تمہاری پرواہ نہیں کرتے۔ اور آریہ ورتی لوگ تم کو دیگر مذہب والوں کی مانند سمجھتے ہیں۔ اب بھی سمجھ کر وید وغیرہ کی قدر کرنے سے ملک کی ترقی کرنے لگو تو بھی اچھا ہے +

۵۔ علم کا نشان جو یگیوپویت (زنار) ہے اسکو اور چوٹی کو کاٹکر مسلمانوں اور عیسائیوں کی مانند بن بیٹھنا یہ بھی فضول ہے۔ جب پتلون وغیرہ کپڑے پہنتے ہو۔ اور تمغوں کی خواہش کرتے ہو۔ تو کیا یگیوپویت وغیرہ کا کچھ بڑا بوجھ ہو گیا تھا +

۴۔ براہم سماج کے مقاصد کی کتاب میں سادھوؤں کی فہرست میں عیسیٰؑ۔ موسیٰؑ۔ محمدؐ۔ نانک۔ اور چیتن کے نام لکھے ہیں۔ لیکن کسی رشی مہرشی کا نام نہیں ہے۔ صفحہ ۴۹ +

۵۔ رشی مہرشیوں کے ناموں کو فراموش کر عیسیٰ وغیرہ کی طرف میلان رکھنا اچھا نہیں۔ صفحہ ۵۰۲ +

۶۔ اگر ترقی کرنا چاہتے ہو۔ تو آریہ سماج کے ساتھ مل کر اس کے مقاصد کے مطابق عمل کرنا منظور کیجئے۔ ورنہ کچھ ہاتھ نہ لگیگا۔ اس لیے کہ جیسا آریہ سماج ملک آریہ ورت کی ترقی کا باعث ہے ویسا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اگر اس سماج کو ٹھیک طور پر مدد دیں۔ تو بہت اچھی بات ہے۔ صفحہ ۳۔۵۰"

مذکورہ بالا چند اقتباسات سے اس بات پر روشنی پڑ سکتی ہے۔ کہ سوامی

دیانند چھوت چھات اور ذات پات کو توڑنے کے برخلاف تھا۔ اس نے خود بھی چھوت چھات کو نہیں توڑا تھا۔ ایسی صورت میں آریہ سماج کا مسلمانوں اور عیسائیوں کو ویدک دھرم کی دعوت دینا یا اُن کو اپنے اندر شامل کرنے کی کوشش کرنا ایک بدعنوانی تھی۔ جس کا نتیجہ آریہ سماج کے حق میں مفید نہیں نکل سکتا تھا۔ چنانچہ جب آریہ سماج نے مجھے اپنے نقطۂ خیال سے "شدھ" کر لیا۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ اس سے فریقین کو کسی قسم کا آرام نہیں مل رہا۔ بلکہ دونوں کے دونوں ہی سخت مشکل میں پھنس گئے۔ آریہ سماج کے دو گروہ تو پہلے ہی سے ہو چکے تھے۔ لیکن میری "شدھی" سے آریہ سماج کے دونوں گروہوں میں دو دو گروہ ہو گئے۔ ایک وہ جو اس "شدھی" کے مخالف تھے دوسرے وہ جو اس کے حق میں تھے۔ تیسرے وہ جو "شدھ" کیے گئے اصحاب کی علیحدہ برادری قایم کرنے کے حق میں تھے۔ چوتھے وہ جو ان کو اپنے اندر جذب کرنے پر زور دے رہے تھے۔ جو لوگ "شدھی" کے مخالف تھے۔ وہ اپنے اختلاف کی وجہ زیادہ تر یہ بتاتے تھے۔ کہ چونکہ ایک مسلمان "شدھ" ہو کر پنڈت لیکھرام کو قتل کر گیا ہے تعجب نہیں۔ کہ اس "شدھی" کا بھی اسی قسم کا نتیجہ نکلے۔ اس لیے مسلمانوں کو "شدھ" ہی نہیں کرنا چاہیے۔ جو گروہ "شدھی" کے حق میں تھا۔ وہ بھی محض اسی حد تک حق میں تھا۔ جہاں تک کہ کسی مسلمان یا عیسائی کے سر پر چوٹی رکھوا دینے کا خیال ہو۔ اس سے آگے وہ نہ تو اُن کے ساتھ کھان پان کرنے کی اجازت دیتا تھا۔ نہ ہی بیاہ شادی کی۔ جو تیسرا گروہ تھا۔ وہ یہ کہتا تھا۔ کہ جن لوگوں کو "شدھ" کیا جاوے اُن کی ایک علیحدہ ہی برادری قایم کر دی جاوے۔ اسی برادری میں اُن کے بیاہ شادی ہوا کریں۔ ہندوؤں میں سے جو لوگ آریہ بنتے ہیں۔ اُن کے ساتھ اُن کا تعلق محض نستے کا ہو۔ اور بیاہ شادی کا نہ ہو۔ چوتھا گروہ یہ کہتا تھا۔ کہ اگر ان کی علیحدہ برادری بنا دی گئی۔ تو اس سے اُن کو ہندوؤں یا آریوں میں جذب کرنے کا جو سوال ہے۔ وہ حل نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ بدستور سابق الگ تھلگ ہی پڑے رہینگے۔ اس لئے بہتر یہی ہے۔ کہ ان کو عملی طور پر جذب کیا جاوے۔ اور اپنے ساتھ ان کی بیاہ شادیاں کی جاویں۔ پچھلے دو قسم کے آریہ سماجی گروکل پارٹی میں پائے جاتے تھے۔ میرا تعلق گروکل پارٹی سے تھا۔ اور اسی پارٹی کے آریہ سماج

نے مجھے "شدھ" کیا تھا۔ کالج پارٹی صرف یہی نہیں کہ اس "شدھی" میں شامل نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ وہ اس کے مخالف تھی۔ اس کا زیادہ تر باعث یہ تھا۔ کہ کالج پارٹی اپنی دور اندیشی کی بنا پر محض ان پڑھوں یا مورکھوں کو ہندوؤں کے دائرہ میں لانے کی موید تھی۔ جن کو اپنی جہالت کے باعث نہ تو اپنے حقوق کی خبر ہو۔ نہ ہی وہ آریہ سماج کے لیڈروں یا کارکنوں کے ساتھ لگا کھا سکیں۔ بلکہ بھیڑ بکری کی طرح وہ محض ہوندڈے جانے کا کام ہی سرانجام دے سکیں۔ بنابریں یہ پارٹی ایک تعلیم یافتہ اور ڈگری یافتہ مسلمان کو "شدھ" کرنے کے حق میں نہیں تھی۔ کیونکہ اس کا خیال تھا۔ کہ اگر یہ شخص کل کو اپنے حقوق مانگیگا۔ اور ہمارے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کریگا۔ تو ہم کیا جواب دینگے۔ اس دور اندیشی کی بنا پر کالج پارٹی نے اس "شدھی" میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ گوروکل پارٹی کے دل میں بھی یہ کھٹکا تھا۔ لیکن اس نے اس کا تدارک یہ کیا۔ کہ مجھ سے کم از کم ۲۵ سال کی عمر تک "برھمچاری" رہنے یا شادی نہ کروانے کا عہد لیا۔ حسن اتفاق سے آریہ سماج میں داخل ہوتے وقت میری عمر ۲۱ سال کے قریب تھی۔ آریہ سماج کا خیال تھا۔ کہ چار سال کے عرصہ میں اس شخص کا سخت امتحان ہو جائیگا۔ اس کے بعد دیکھا جاویگا۔ کہ کیا کرنا چاہیئے۔ شادی کے سوال کا تو آریہ سماج نے یوں فیصلہ کر دیا۔ اب رہا کھان پان کا جھگڑا۔ یہ بڑا مزیدار سوال تھا۔ اور مجھے خود بھی اس میں مزہ آتا تھا۔ جبکہ میں دیکھتا تھا کہ محض کھان پان کے مسئلہ کا حل کرنا ہی آریہ سماج کے لیئے ہمالیہ پہاڑ کا سر پر اٹھانا ہے۔ اکثر آریہ سماجی اپنی بہادری کا ثبوت دینے کے لئے مجھے دعوت دیتے تھے گو میں اس قسم کی دعوتوں کو ماننے کا عادی نہیں تھا۔ لیکن پھر بھی اگر کسی جگہ مجھے دعوت قبول ہی کرنی پڑتی تھی تو میں نے اس بات کا ملاحظہ کیا۔ کہ میرے لئے جن برتنوں میں کھانا آتا تھا۔ وہ امتیازی برتن ہوا کرتے تھے۔ ہندو نقطہ خیال سے کانسی کی دھات کے برتن خصوصیت رکھتے ہیں اور پیتل کے برتن عمومیت کے درجہ پر ہیں۔ میرے لئے پیتل کے برتنوں میں کھانا آتا تھا۔ وہ اس لیئے کہ کانسی کے برتن آگ میں ڈالنے سے خراب ہو جاتے ہیں۔ اور اکثر ٹوٹ جاتے ہیں۔ مگر پیتل کے برتن آگ کو خوب برداشت کر سکتے ہیں۔ گو مجھے "شدھ" کر لیا گیا تھا۔ مگر پھر بھی میرے جسم کے پرمانوں"

یا سوامی دیا نند کے الفاظ میں میرے جسم کی رطوبتیں "اپسی اشدھ" سمجھی جاتی تھیں کہ جن برتنوں میں مجھے کھانا کھلایا جاتا تھا۔ ان کو آگ میں ڈال کر "پوتر" کیا جاتا تھا یہی وجہ تھی کہ میرے لئے پیتل کے برتن مخصوص ہوتے تھے۔ تاکہ وہ آسانی کے ساتھ آگ کے ذریعہ "ڈس انفکٹ" کئے جا سکیں۔ یہ عمل ایسے آریہ سماجیوں سے کیا جاتا تھا۔ جو تمام دنیا کو "ویدک دھرم" کے جھنڈے تلے لانے کا شور مچاتے ہیں۔ میں خود بھی اکثر کھان پان کے معاملات میں دل لگی کر جاتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ چند "مہاشگان" نے اپنی بہادری کا ثبوت دینے کے لئے اس بات پر اصرار کیا۔ کہ میں خربوزے کاٹوں۔ اور وہ میرے ہاتھ سے کھانا پسند کرینگے۔ ان کے زیادہ زور دینے پر میں نے چاقو اٹھایا۔ اور ایک خربوزہ کو "بسم اللہ۔ اللہ اکبر" کہکر چیر ڈالا۔ میرے منہ سے یہ تکبیر سنکر "مہاشگان" کے ہوش اڑ گئے۔ اور وہ رام رام چلا اٹھے۔ اور بولے کہ خربوزہ بھرشٹ ہوگیا ہے۔ میں نے کہا۔ کہ اگر میں "مہان پربھو کا نام لیکر" خربوزہ کاٹتا۔ تو تم سمجھتے۔ کہ یہ پوتر ہوگیا۔ لیکن اب جبکہ اس نام کو میںنے دوسری زبان میں ادا کیا۔ تو تم سمجھتے ہو۔ کہ یہ اپوتر ہوگیا۔ خیر بات دل لگی میں اڑ گئی۔ اسی طرح لکھنؤ میں ایک برائے نام مسلمان خاندان کی آریہ سماج نے "سندھی" کی۔ میں بھی اس جلسہ میں شریک تھا۔ "شدھی" کرنے والے اور زنار پہنانے والے مہاتما آریہ پرتی ندھی سبھا یو۔ پی کے پریذیڈنٹ تھے۔ اور وہ برہمن تھے تمام رسم ادا ہو چکی اب کھانے کا وقت آیا۔ شہر کے معزز اصحاب دعوت میں شامل ہوئے۔ مگر پریذیڈنٹ مہاتما مع اپنی پارٹی کے غائب ہو گئے۔ جب ان کو دعوت میں شامل ہونے کے لئے کہا گیا۔ تو انہوں نے "شدھ" کئے گئے اصحاب کے ساتھ ایک تھالی یا ایک دستر خوان پر بیٹھکر تو ایک طرف اس کمرے میں بھی جہاں وہ بھوجن پا رہے تھے۔ بیٹھنا پسند نہ کیا۔ تاکہ کہیں اس کمرے کی ہوا کے ذریعہ "شدھ" کئے ہوئوں کے منہ کی ہوا اُن کے کھانے میں نہ چلی جاوے۔ اس گھر کا کھانا تک بھی پسند نہ کیا۔ جب زیادہ زور دیا گیا۔ تو انہوں نے بازار سے کچھ مٹھائی منگوا کر ایک دوسرے کمرے میں جہاں پر کہ مہمانوں کی جوتیاں پڑی تھیں۔ اور جو صاف ستھرا بھی نہیں تھا الگ بیٹھ کر مٹھائی اڑائی۔ یہ اُن لوگوں کی حالت تھی۔ جو اس خاندان کو "شدھ"

کرنے والے اور اُس کو زنار پہنانے والے اور اس کے روحانی گرو بنے تھے۔ اسی طرح آریہ سماج رڑکی نے ایک مسلمان کو "شدھ" کیا۔ مجھے اس "شدھی" میں بھی شامل ہونے کا موقع ملا۔ بڑا مزہ آیا۔ جب میں نے چند پنجابی نوجوانوں کو آریہ سماج رڑکی کے کارکنوں سے ساتھ جھگڑتے ہوئے دیکھا۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا معاملہ ہے۔ نوجوانوں نے کہا کہ یہ دھان مہاشے چاہتے ہیں کہ "شدھی" کے بعد "شدھ" شدہ کے ہاتھ سے پتاشے تقسیم کرائے جائیں۔ ہم چاہتے ہیں۔ کہ مٹھائی تقسیم ہو۔ میں نے کہا کہ پتاشے بھی تو مٹھائی ہی ہیں۔ اس میں کیا حرج ہے۔ نوجوان بولے کہ جناب آپ کو علم نہیں ہے۔ اس طرف پتاشے مسلمانوں کے ہاتھ سے لیکر کھالینا برا نہیں سمجھا جاتا۔ ہاں مٹھائی کھانے سے پرہیز ہے۔ میں نے بھی تماشا دیکھنے کے لئے نوجوانوں کا ساتھ دیا اور کہا۔ کہ ضرور مٹھائی ہی تقسیم ہونی چاہئے۔ چنانچہ نوجوان ایک تھال میں لڈو وغیرہ مٹھائی بھر کرلے آئے۔ تاکہ رسم کے بعد تقسیم کئے جائیں۔ مگر آریہ سماج کے کارکنوں نے وہ مٹھائی ایسی گم کی۔ کہ تھال تک کا بھی پتہ نہ لگا۔ کہ کدھر گیا۔ آخر پتاشے ہی تقسیم کئے گئے۔ اسی طرح آریہ سماج کانپور نے ایک عیسائی کو شدھ کیا۔ اس کی شدھی کا حال "آریہ سماچار۔ کانپور" بابت جولائی ۱۹۰۸ء میں مفصل شائع کیا گیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ عیسائی صاحب نے سماج میں شدھی کی درخواست دی۔ کانپور سماج نے اسکی درخواست کو منظور کر لیا۔ پہلے اس کی تین ماہ تک آزمایش کی گئی۔ جب وہ اس امتحان میں پاس ہو گیا۔ تو پھر اس کو "برت" رکھوایا گیا۔ "برت" کے بعد اس کا سر۔ داڑھی۔ مونچھ کا استرے کی تیز دھار کے ساتھ مونڈن کیا گیا۔ مونڈن کے بعد اسکو گنگا میں نہلایا گیا۔ نہلانے کے بعد اسکو اور اُس کی بیوی کو "پنچ گویہ" پلایا گیا۔ اور کچھ "پنچ گویہ" اُن کے کپڑوں پر بھی چھڑکا گیا اور اُس سے نور بیہ وصول کر کے اسکو "شدھی" کی سند دیدی۔ "پنچ گویہ" میں علاوہ دیگر اشیاء کے گائے کا گوبر اور گائے کا پیشاب بھی ہوتا ہے "شدھی" کے اس مضمون کو پڑھ کر میں نے "آریہ سماج کانپور کی شرمناک کرتوت" کے عنوان سے ایک گرما گرم مضمون لکھا۔ جس کے چند فقرات مفصلہ ذیل تھے:۔

"وہ کونسا دل ہے جس میں رشی دیانند کے لئے ذرا سی عزت بھی

موجود ہو۔ وہ کونسا آریہ ہے۔ جو آریہ کے معنوں کو ہی کم از کم جانتا ہو اور وہ کانپور کے نام دھاری آریوں کی اس نہایت ہی وحشیانہ اور شرمناک کرتوت پر پیچ وتاب نہ کھائے بہتر ہوتا۔ کہ کانپوری آریہ بھگوت پرشاد کو عیسائی رہنے دیتے۔ مگر اسکو گوبر نہ کھلاتے اور پیشاب پلاکر اسکو ناپاک نہ کرتے۔ اور اپنی اس شرمناک کرتوت سے آریہ سماج کے ماتھے پر کلنک نہ لگاتے۔ اس قابل نفرت کارروائی کے درج کرنے کے بعد لکھا ہے۔ کہ سائل نے حاضرین میں پان الائچی تقسیم کیں۔ جن کو حاضرین نے بخوشی خاطر قبول فرمایا۔ یہ ان لوگوں کی دوسری مکاری ہے۔ کہ اس غریب کو تو گوبر اور پیشاب کھانے پینے کو دیا۔ اور خود اس سے پان الائچی لئے بہتر ہوتا۔ کہ کانپور کے آریہ سماجی خود بھی گوبر اور پیشاب ہی اس کے ہاتھ سے لیکر کھاتے پیتے۔ تاکہ آریہ سماج کی بجائے کانپور میں گوبر سماج بن جاتا۔ پان الائچی کھاکر تو گویا ان لوگوں نے بڑی بھاری بہادری دکھائی۔ حالانکہ یو۔پی۔ میں مسلمانوں سے پان الائچی کھانا کچھ بھی برا نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ اس طرف پان فروش زیادہ تر مسلمان ہی ہوتے ہیں جن کے ہاتھ سے عام ہندو پان لیکر کھاتے ہیں . . . . ہم نہ صرف کانپور کے آریہ سماجیوں کو جنہوں نے یہ نامعقول حرکت کی۔ بلکہ کانپور کے آریہ سماچار کو بھی جس نے فخر یہ اس قابل نفرت کارروائی کو شائع کیا۔ بڑے زور سے چیلنج دیتے ہیں کہ وہ میدان میں نکلیں اور بتائیں۔ کہ ان کے پاس اس قابل نفرت انسانیت سے گری ہوئی۔ بلکہ قابل شرم کارروائی کے لئے کس وید کا۔ کس شاستر کا کس رشی کرت گرنتھ کا۔ رشی دیانند کی کونسی تصنیف کا پرمان (حوالہ) موجود ہے۔ کہ جب تم کسی شخص کو آریہ سماج میں لو۔ تو اسکو گنگا سنان کے علاوہ ضرور گوبر اور گائے کا پیشاب بھی کھلایا پلایا کرو۔ اگر یہ لوگ درحقیقت آریہ اور آریہ سماجی

ہیں۔ تو اُن کو اپنی پوزیشن صاف کرنی چاہئے۔ ورنہ اِن لوگوں کو نہیں چاہیئے۔ کہ وہ اس قسم کی کرتوتوں سے نہ صرف آریہ سماج کو ہی بدنام کریں۔ بلکہ پورانک لوگوں کی خاطر یا اپنی جھوٹی قومیت کی خاطر مسلمانوں اور عیسائیوں کی دل آزاری کریں۔ یقیناً مسلمان اور عیسائی ایسے نہیں ہیں۔ کہ وہ گوبر اور گائے کے پیشاب سے بھی ناپاک تصور کئے جائیں اور اُن کو یہ ناپاک اور گندی چیزیں کھلا کر شدھ کیا جاوئے۔

اندر۔ ستمبر ۱۹۰۶ء

اِس آرٹیکل کے شائع ہونے کے بعد آریہ سماج کانپور پر چاروں طرف سے بوچھاڑ پڑنے لگی۔ آریہ سماج کانپور کے بھی بعض ممبروں نے مقابلہ کی ٹھانی۔ اور "پنچ گویہ" کو بہترین قسم کا جلاب ثابت کرنے کے لئے نئی اور پرانی ویدک کی کتابوں کو الٹ پلٹ کیا۔ مگر آریہ سماچار کے ایڈیٹر نے لکھ دیا کہ "پنچ گویہ" غلطی سے لکھا گیا۔ ورنہ در اصل لفظ "پنچ امرت" چاہیئے تھا۔ اِس غلط بیانی پر آریہ سماج کانپور کے بعض راست گو ممبروں کو سخت غصہ آیا۔ چنانچہ اُن میں سے ایک معزز صاحب نے مفصلہ ذیل مضمون شائع کروایا۔

"پریہ ورمہاشے دھرم پال جی۔ نمستے"

مَیں آریہ سماج کانپور کا سبھاسد ہوں۔ آپ کے پرچہ کا باقاعدہ مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ گذشتہ ستمبر کے پرچہ میں آپ نے "آریہ سماج کانپور کی شرمناک کرتوت" کی سُرخی سے جو مضمون لکھا تھا۔ میں نے اس کا بغور مطالعہ کیا تھا۔ اس کے بعد "آریہ سماچار کانپور" نے اپنے ستمبر کے پرچہ میں جو مضمون اس کے جواب میں تحریر کیا ہے۔ میں نے اس کا بھی مطالعہ کیا۔ "آریہ سماچار" کے اِس مضمون کو پڑھ کر مجھے نہ صرف ازحد رنج اور افسوس ہی ہوا ہے۔ بلکہ میں شرمندہ ہوں۔ کہ کس حوصلہ پر "سماچار" کے ایڈیٹر نے اور آریہ سماج کانپور کے کسی گمنام سبھاسد نے نہ صرف دل آزاری سے پُر بلکہ واقعات

کے سراسر خلاف تحریروں کو شائع کرکے پبلک کو دھوکہ دیا ہے۔ میں بحیثیت ایک سبھاسد آریہ سماج کانپور کے مناسب سمجھتا ہوں کہ اس سرتاپا غلط بیانی کی تردید کروں۔ بھگوت پرشاد کی شدھی کے وقت میں خود اس جگہ موجود تھا۔ بلکہ بھگوت پرشاد کو میں ہی آریہ سماج میں لانے کا موجب ہوا تھا۔ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ بھگوت پرشاد کو گوموتر اور گوبر کھلایا پلایا گیا تھا۔ ایڈیٹر کا یہ لکھنا کہ "پنچ گویہ" نامہ نگار کی غلطی ہے "پنچ امرت" لفظ چاہئے تھا۔ صریحاً غلط بیانی ہے۔ پنچ گویہ ہی تھا۔ اور اس میں گوبر اور گوموتر ملایا گیا تھا۔ میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا کہ آریہ سماج کانپور کے تمام سبھاسد نے امرواقعہ سے کیوں اور کس بنا پر انکار کیا ہے۔ اور ایڈیٹر صاحب نے بھی پبلک کو کیوں دھوکہ دیا ہے۔ باقی رہا گنگا سنان کے متعلق ان کا بیان کہ گنگا جل میں اس لئے اس کو سنان کروایا گیا۔ کیونکہ گنگا کا پانی کانپور میں بہت شدھ ہے۔ بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ میں چونکہ خود کانپور میں ہی رہتا ہوں اس لئے اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر قطعی وثوق سے کہہ سکتا ہوں۔ کہ گنگا کا پانی کانپور میں بہت ہی گندہ ہے۔ یہاں تک کہ اس میں چمڑے کے کارخانوں کا پانی اور تمام مُردے پڑنے سے اسکا پانی ایسا گندہ ہو گیا ہے۔ کہ اکثر لوگ اس میں کپڑے تک دھلوانا پسند نہیں کرتے۔ اس میں نہانا اور اس کو پینا تو درکنار۔ مجھے ایک دو دفعہ گنگا کے گھاٹوں کا دورہ کرنا پڑا۔ گنگا کے کنارے اس قدر مُردے اور اس میں اس قدر گندگی تھی۔ کہ اس روز سے میں نے گنگا میں ہاتھ تک نہیں دھوئے۔ فی الحال اس پر اکتفا کرتا ہوں مفصل پھر عرض کرونگا۔

نیازمند۔ جیون لال (۲ اندر۔ نومبر ۱۹۰۶ء)

اس شہادت کے شائع ہونے کے بعد آریہ سماج کانپور کے پُرزے ڈھیلے

پہنچ گئے۔ مگر آریہ پرتی ندھی سبھا ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کے پریذیڈنٹ پنڈت سوامی تلسی رام صاحب نے اخبار "وید پرکاش" میں مفصلہ ذیل مزیدار جواب "رنج گوبہ" کی تائید میں دیا:۔

شریر (جسم) کے درگندھ یکت پدارتھ (بدبودار اجزا) کے نکالنے کے لئے گوبر اور گوموتر پلانا اگنی گن وانک نہایت ہی مفید ہے۔ دیکھو گوبر اور گوموتر میں جمال گوٹہ سمیا اور اہنگ آدی (وغیرہ) دھاتو شودھ کرتے ہیں۔ انکا وِش (زہر) دور کرتے ہیں۔۔۔ مہاشے دھرم پال جی مسلمانی پرت اتر ڈال دھرم مارگ میں دوڑنے کے لئے اپنی بی۔ اے تک کی فارسی یا انگریزی کی تعلیم کے ابھمان کو تیاگ دیویں۔" وید پرکاش صفحہ ۱۷، ۲۲"

نہ صرف یہی بلکہ سوامی صاحب موصوف نے پوشیدہ طور پر ایک فتویٰ جاری کیا جس کی پہلی دو دفعات مفصلہ ذیل تھیں:۔

اوّل۔ پرائشچت (شدھی) وِشے کو میں نے اپنے اسکے جرو وید پرکاش میں کئی دفعہ لکھا ہے۔ کہ جو پرائشچتی ہوں۔ انکا پرائشچت منو کے ایکادش (گیارھویں) ادھیائے انوسار برت نیم آدی نے ودھی پوروک ہونا چاہئے۔ پرنتو آریہ سماج میں جو ہوتا ہے وہ پرایہ انگریزی چال پر ہوتا ہے شاستر کا آدر بہت کم ہوتا ہے۔ اسی لئے میں آجکل کے "شدھ" کئے ہوؤں کے ساتھ بھوجن آدی ویوہار سے گلانی (نفرت) کرتا ہوں۔

دوم۔ بھنگی انتیج ماتر (برائے نام اچھوت) ہی ہیں۔ پرنتو آریہ دھرم درودھی (آریہ دھرم کے مخالف) نہیں۔ اتاہ (اس لئے) وہ مسلمانوں اور عیسائیوں کی نسبت نکٹ تر (زیادہ نزدیک) ہیں۔

پنڈت سوامی تلسی رام صاحب نے مذکورہ بالا فتویٰ میں "شدھ" کئے ہوؤں کے ساتھ کھان پان تک کرنے سے نفرت کا اظہار کیا۔ نہ صرف یہی بلکہ اس نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو بھنگیوں سے بھی گیا گذرا ظاہر کیا۔ سوامی صاحب موصوف کے اس فتویٰ کی اگرچہ میں نے سخت مخالفت کی۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ آریہ سماج کے بہیئت مجموعی یہی خیالات تھے۔ اور یہی خیالات ہیں۔ اور یہی طرز عمل ہے۔

بتیسویں فصل

پتندر

میں نے اس بات کو محسوس کیا۔ کہ ہندوؤں میں سے جو لوگ آریہ سماج میں آئے ہوئے ہیں۔ ان کے دل میں مسلمانوں کے لیے خاص نفرت موجود ہے۔ اگر وہ مسلمانوں کو شدھی بھی کرتے ہیں۔ تو اس لئے نہیں کہ وہ ان کو اپنا بھائی اور گوشت پوست بنانا چاہتے ہیں۔ بلکہ محض اس لئے کہ وہ ان کو اپنے ہاتھ میں مسلمانوں کے خلاف بطور ایک ہتھیار کے استعمال کریں۔ اور جہاں تک ہو سکے۔ وہ مسلمانوں کو چڑایا ابتدا میں مجھے آریہ سماج کی اس پالیسی کا علم نہیں تھا لیکن جوں جوں تجربہ ہوتا گیا میں اس نتیجہ پر پہنچتا گیا۔ کہ سوامی دیانند کے قول و فعل کی طرح آریہ سماج کے قول و فعل میں بھی بعد المشرقین ہے۔ میں مسلمانوں کے برخلاف بہت کچھ لکھ چکا تھا۔ اور میں اپنے ہی ہاتھ سے اپنے اور مسلمانوں کے درمیان اس قدر گہری اور وسیع خلیج پیدا کر چکا تھا۔ کہ جسکو اب آسانی سے عبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دوسری طرف آریہ سماج کے ساحل پر میں جس جگہ اپنی زندگی کے جہاز کو لنگر انداز کر چکا تھا۔ وہ اس قدر خطرناک تھا۔ کہ وہاں قدم تک رکھنے کے لئے بھی جگہ ملنی مشکل تھی۔ دو ہی سال کے عرصہ میں مجھے مسلم سوسائٹی اور آریہ سماج کی تصویروں کا مقابلہ کرنے کا موقع مل گیا۔ اور میں سمجھ گیا کہ آریہ سماج اس مجلسی رنگ یا اخوت سے بالکل معرا ہے جو کہ مسلم سوسائٹی میں موجود ہے۔ اور کہ جو مساوات مسلم سوسائٹی میں مسلموں اور نو مسلموں میں پائی جاتی ہے۔ آریہ سماج میں اس کا نام تک بھی ندارد ہے۔ میں نے اپنی پوزیشن کو نہایت ہی نازک محسوس کیا۔ میں چاہتا تھا۔ کہ کوئی ایسا پروگرام بنایا جاوے۔ جو آریہ سماج کو مسلم سوسائٹی کی طرح ایک زندہ سوسائٹی بنا دے۔ اور ان تمام مشکلات کو حل کر دے جو اخوت و مساوات کے بارے میں آریہ سماج میں پائی جاتی ہیں۔ حسن اتفاق سے آریہ سماج میں چند ایسے نوجوان بھی تھے۔ جو خود آریہ سماج کی اس قسم کی اندرونی کمزوریاں

کو دیکھ کر آریہ سماج سے مایوس ہو چکے تھے۔ جب اُن نوجوانوں کو میرے خیالات کا اور میرے قلم کا پتہ لگا۔ تو اُنہوں نے میری طرف ہاتھ بڑھایا۔ میں نے بھی اُن کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اب ہم نے اپنے لئے ایک خاص پروگرام بنایا جس کا پہلا جزیہ تھا۔ کہ میں گوروکل کانگڑی کو الوداع کہکر لاہور میں ڈیرہ لگاؤں۔ اور ایک دھوتی پوش "سادھو" کی بجائے "سپاہی" بن جاؤں۔ چنانچہ میں لاہور میں آگیا۔ جہاں پہنچنے کے ساتھ ہی میں نے پہلی دھوتی کو کوٹ پتلون سے بدل ڈالا۔ اور اپنے لوہے کے قلم کا رُخ مسلمانوں کی طرف سے ہٹا کر آریہ سماج کی طرف کر دیا۔ اپنے پروگرام کا سب سے پہلا مضمون میں نے "آریہ سماج اور شدھی" کے متعلق لکھا جو چالیس صفحوں کے لگ بھگ تھا۔ جون کے مہینے میں آریہ سماج نے مجھے "شدھ" کیا تھا۔ "شدھی" کے تین سال بعد جون کے مہینے میں ہی میں نے یہ پہلا بم چھوڑا۔ اس سے آریہ سماج کے حلقہ میں سخت ہل چل پڑ گئی۔ میں نے اس مضمون میں آریہ سماج کی "شدھی" کے بارے میں ڈبل پالیسی کو واقعات کی مدد سے طشت ازبام کیا۔ آریہ پریس اور ہندو پریس نے اس مضمون پر خوب زور سے مخالف و موالف رائے کا اظہار کیا۔ ایک مہینہ انتظاری کرنے کے بعد اگست کے پرچہ میں میں نے "آریہ سماج کی زندگی اور موت" کے عنوان سے ۵۴ صفحہ کا گرما گرم مضمون لکھا۔ چونکہ اس مضمون میں کارٹونوں کی مدد سے آریہ سماج کا سر۔ آریہ سماج کا پیٹ۔ آریہ سماج کی ٹانگیں۔ آریہ سماج کی شدھی۔ آریہ سماج کی شادی۔ آریہ سماج کی قومیت وغیرہ کو واضح کیا گیا تھا۔ اس لئے یہ مضمون اس قدر دلچسپ بن گیا۔ کہ پنجاب کے بعض ہندو اخبارات کے علاوہ کلکتہ اور بمبئی کے بھی کئی ہندو اخبارات نے اس کو اپنے اپنے کالموں میں جگہ دی۔ اور اس پر بہت عمدہ آرائے کا اظہار کیا۔ مگر آریہ سماج کے حق میں یہ مضمون بڑا خطرناک "بم" ثابت ہوا۔ اس لئے کہ اس میں آریہ سماجیوں کی اندرونی چالوں کو طشت ازبام کیا گیا تھا۔ اس مضمون نے جو ہل چل پیدا کی تھی۔ وہ ابھی زوروں پر تھی۔ کہ میں نے ستمبر کے پرچہ میں "آریہ سماج اور فلٹریشن" کے عنوان سے ۶۳ صفحہ کا مضمون اور لکھ مارا۔ اس مضمون میں واقعات کی بنا پر یہ ثابت کیا گیا کہ آریہ سماج میں کس قسم کی خرگین کی بھرتی ہو رہی ہے۔ اور کہ ایسی خرگین کی بھرتی سے جب تک آریہ سماج کو پاک صاف نہیں کیا جاویگا۔ تب تک آریہ سماج کوئی بھی عملی کام کر کے

نہیں دکھا سکتا۔ کیونکہ یہ خزبین کی بھرتی چلتی گاڑی میں روڑا اٹکانے والی ہے۔
چونکہ اس مضمون میں بعض بڑی بڑی شخصیتوں کو بھی رگڑا گیا تھا۔ اس لیے آریہ سماج میں مضمون نگار کے برخلاف بھی مخالفت کا طوفان پیدا ہو گیا۔ مگر میں نے اس مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اکتوبر کے پرچہ میں "بنیادی پتھر" کے عنوان سے ۳۲ صفحہ کا مضمون اور چھوڑا جس میں اس بات پر زور دیا گیا تھا۔ کہ وہ لوگ جو آریہ سماج میں آکر بھی "ہندوازم" کی غلامی سے آزاد نہیں ہونا چاہتے ہیں اور آزاد نہیں ہوتے ان کے ہاتھ سے آریہ سماج کا کام چھین لینا چاہیے۔ اور نئے طریقہ پر اس کام کی بنیاد ڈالنی چاہیے۔ اس مضمون نے جو آگ لگائی تھی۔ ابھی اس کے شعلے بلند ہی ہو رہے تھے۔ کہ میں نے نومبر کے پرچہ میں پچاس صفحہ کا مضمون "انقلاب عظیم" کی سرخی سے لکھا۔ یہ ایک قسم کا آتشیں پرکالہ تھا۔ جو آریہ سماج میں چھوڑا گیا۔ اس مضمون کا مدعا یہ تھا۔ کہ آریہ سماج محض ایک مردہ ڈھیر ہے۔ مردوں کے اس ڈھیر پر نئی عمارت کھڑی کرنی چاہیے۔ وہ عمارت کیا ہو اور کس قسم کی ہو۔ اسکا مکمل نقشہ میں نے اس مضمون میں پیش کیا۔ ساتھ ہی کام کرنے کا پروگرام بھی پبلک کے سامنے رکھ دیا۔ اپنے سلسلہ میں یہ آخری مضمون تھا۔ ان تمام مضامین کا نتیجہ یہ ہوا کہ آریہ سماج کے بہت بڑے حصہ میں ہمارے خیالات پھیل گئے۔ اور اکثر اصحاب ہمارے ساتھ مل کر کام کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ آریہ سماج کے پرانے لیڈروں نے جو نہیں چاہتے تھے۔ کہ نوجوان پارٹی کے خیالات آریہ سماج میں پھیلیں۔ ان مضامین کو اور ان مضامین کے نتائج کو بڑے اندیشہ کی نظر سے دیکھا۔ مگر چونکہ سوسائٹی کا کچھ حصہ ہمارے ساتھ ہو گیا تھا۔ اس لیے ان کو یہ حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ کہ وہ کھلے طور پر ہماری مخالفت کریں۔ قریب تھا کہ آریہ سماج میں دورجدید کا آغاز ہو اور آریہ سماج اپنی اندرونی کمزوریوں سے پاک و صاف ہو کر مسلم سوسائٹی کا ہم پلہ بن سکے۔ مگر قدرت کو یہ منظور نہیں تھا کہ اسلام اور مسلم سوسائٹی کو نقصان پہنچے۔ نوجوان پارٹی آخر نوجوان ثابت ہوئی۔ اس کے پرانے کارکنوں کو یہ فکر لاحق ہو گئی۔ کہ اس تحریک کی بدولت میری پوزیشن اس قدر مضبوط ہوتی جاتی ہے۔ کہ شاید میں کسی دن ان کو بھی رگڑ ڈالوں۔ بنا برین بجائے ساتھ دینے کے وہ مخالفت پر آمادہ ہو گئے۔ اور انہوں نے نہایت گھٹیا درجہ کے ہتھیاروں کو...

مقابلہ پر استعمال کرنا شروع کیا۔ پرانے خیال کے آریہ سماجی میرے خیالات کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔ اور وہ مذکورہ بالا آتشیں مضامین کی وجہ سے میرے مخالف ہو چکے تھے۔ ادھر نوجوان پارٹی نے بھی مخالفت شروع کر دی میں نے محسوس کیا کہ اسلام اور مسلم سوسائٹی کا ستارہ اقبال چڑھ رہا ہے۔ اور کہ ہندوؤں میں سے پیدا شدہ کوئی بھی سوسائٹی جو اسلام اور مسلم سوسائٹی کو اپنے اندر جذب کرنے کا پروگرام بناتی ہے وہ پیدا ہونے سے پہلے ہی مر جاتی ہے۔ آریہ سماج اس پہلو میں مر رہا ہے۔ ہم نے جو پروگرام بنایا تھا۔ وہ عمل میں آنے سے پہلے ہی مر گیا۔ چنانچہ میں نے اس تمام پروگرام کو جو کئی مہینوں کی جدوجہد کے بعد تیار کیا گیا تھا۔ کنوئیں میں پھینک دیا۔ آریہ سماج کے دائرہ میں میں نے اپنے ہی قلم کی بدولت جو مخالفت پیدا کر لی تھی۔ اسکو میں نے چند ماہ کے اندر صاف کر دیا۔ اور میں بدستور سابق گورو کل کانگڑی میں چلا گیا مگر نوجوان پارٹی کی مخالفت برابر جاری رہی جس کی سرکوبی کے لئے میں نے بجائے ماہوار رسالہ کے ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔ اور اس کا نام "چتند" رکھا۔ "چتند" کے چند ہی پرچوں نے نوجوان پارٹی کے تمام مورچوں کا دھواں اڑا دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب کو بھی جو کہ نوجوان پارٹی کے ہاتھ میں ایک ہتھیار تھا۔ نیچا دکھانا پڑا۔ "چتند" میں بعض ایسے راز طشت از بام کئے گئے تھے کہ جن کا ذکر یہاں پر خالی از دلچسپی نہ ہوتا۔ مگر افسوس ہے۔ کہ اس کی فائل تک میرے دفتر سے گم ہو چکی ہے۔ مخالفوں کے حق میں "چتند" ایسا سرکوب ثابت ہوا۔ کہ وہ اب تک اسکا نام عزت سے لیتے ہیں +

تینتیسویں فصل

اگنی

حالات و واقعات نے مجھے اس نتیجہ پر پہنچا دیا کہ ہندوؤں میں سے آئے ہوئے آریہ سماجی قدرتاً اس قدر تنگ دل ہیں کہ وہ مسلمانوں میں سے بنے ہوئے آریہ سماجی کو کسی مفید کام میں اپنے ساتھ شامل کرنا گوارا نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی وہ انکو انتظامی معاملات میں کوئی حصہ دینے کے لئے تیار ہو سکتے ہیں۔ اگر وہ اس کو کسی کام میں مشغول رکھنا چاہتے ہیں۔ تو وہ صرف غیر آریوں کے ساتھ جنگ کرنے کا کام ہے۔ اگر وہ اس جنگ میں مارا جاوے تو انکا پیچھا چھوٹ گیا۔ اگر وہ فتح پا لے۔ تو اُن کو "مفتوحہ" علاقہ پر حکمرانی کرنے کا موقع مل جائیگا۔ ایسے حالات میں میں نے بھی یہی مناسب سمجھا۔ کہ آریہ سماج میں رہکر "نائٹ" Knight کی زندگی ہی بسر کی جاوے۔ اور اپنے "بارود" کو ہر وقت خشک رکھا جاوے۔ لیکن میں نے اس بات کو ترک کر دیا۔ کہ آریہ سماجیوں کی رعایت ہو۔ اور غیر آریہ سماجیوں کے ساتھ سختی۔ بلکہ دونوں کو "نشانہ" کے سامنے رکھ لیا۔ آریہ سماج کی اندرونی کمزوریوں کو طشت از بام کرنے کے بعد دیو سماج نے مجھے اپنی طرف مخاطب کر لیا۔ میں گرمی کے دن گذارنے کے لئے الموڑہ پہاڑ پر گیا ہوا تھا کہ وہاں پر مجھے دیو سماج کے جنرل سکرٹری بھائی امر سنگھ صاحب کی مفصلہ ذیل چٹھی ملی +

صاحب من

۲۰ دسمبر ۱۹۰۸ء کو دیو سماج کے پوجینہ بانی دیو گورو بھگوان شری پنڈت ستیا نند اگنی ہوتری جی کو اپنے تئیں نوع انسان کی بھلائی کے لئے کلی طور پر قربان کرتے ہوئے پورے پچیس سال ہو جائینگے۔ اس عرصہ دراز کے اندر ان کا مبارک وجود ہمارے کثرت سے ہم وطنوں کی زندگیوں

ہیں جس قدر مختلف پہلوؤں میں بھلائی کے لانے کا موجب ثابت ہوا ہے اسکا لحاظ کرکے اور یہ محسوس کرکے کہ اپنے سچے محسنوں کی عملی شکرگذاری کا بھاری افراد اور قوموں کو اعلی بناتا ہے۔ اُن کے بعض فیض یافتہ لوگوں نے یہ تجویز کی ہے۔ کہ اس مبارک تقریب میں ان کی ان خدمات کی جوبلی کا الثب خاص طور سے منایا جاوے۔ اور اس میں علاوہ اور باتوں کے انہیں ایک کتاب نذر کی جاوے۔ کہ جس میں ان سے ایک یا دوسرے پہلو میں فیض پانیوالے لوگوں کی طرف سے اس فیض کا اپنے الفاظ میں نہایت مختصر طور سے بیان درج ہو۔ کہ انہیں سشری دیو گورو بھگوان کی تقریروں کو سُنکے یا تحریروں کے مطالعہ کرنے یا اُن کی زندگی کی مثال سے یا اُن کی قائم کی ہوئی مختلف السٹی ٹیوشنوں یعنی دیو سماج یا اُن کے جاری کئے ہوئے سکولوں اور دوائی خانوں یا اُن کے تیار کئے ہوئے پرچارکوں اور اُن کے سیوکوں وغیرہ سے حاصل ہوا ہے۔ دویم ان سے تعلق رکھنے والی چیزوں کی ایک نمائش اس موقع پر کھولی جاوے۔ اور اس میں علاوہ اور چیزوں کے ان کی اپنی لکھی ہوئی جس قدر تحریریں یا اُن کے لیکچروں اور راویدیشوں کے جس قدر خاکے ہوسکیں۔ وہ سب اکٹھی کی جاویں میں یہ خط آپ کی خدمت میں اس لئے ارسال کرتا ہوں۔ کہ اگر آپ مذکورہ بالا مقاصد میں سے کسی کے پورا کرنے میں کچھ حصہ لینے کی خواہش رکھتے ہوں۔ تو میں آپ سے باادب درخواست کروں۔ کہ اگر آپ کو مذکورہ بالا طریقوں میں سے کسی طریقہ سے شری دیو گورو بھگوان کی زندگی اور کام سے کسی قسم کا جسمانی۔ ذہنی۔ سوشیل یا اخلاقی فیض حاصل ہوا ہو۔ تو آپ اس کا بیان مختصر الفاظ میں اس کاغذ پر جو اس چٹھی کے ہمراہ آپ کی خدمت میں بھیجا جاتا ہے۔ نیچے کی طرف کو مقررہ حاشیہ جلد بندی کے لیے چھوڑ کر جہاں تک ہوسکے۔ بہت خوشخط ہندی اردو یا انگریزی الفاظ میں تحریر کرکے ۱۰ تاریخ ماہ اگست ۱۹۰۶ء تک راقم

کے پاس ارسال فرما دیں۔ اگر آپ کے پاس ان سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز مثلاً اُن کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی تحریر یا اُن کے کسی ایڈیشن یا لیکچر کا خلاصہ یا اُن کے مخالف یا موافق لکھی ہوئی کسی اور شخص کی تحریر موجود ہو۔ یا آپ کو کسی ایسی چیز یا تحریر کا کسی اور کے پاس ہونے کا پتہ ہو۔ تو آپ کرپا کر کے اس کے متعلق راقم کو اطلاع دیں۔ اور آپ اپنے پاس کی جس جس چیز کو جس جس شرط پر اس موقع کے لئے دے سکتے ہوں۔ اس کا راقم کو پتہ دیں۔ آپ اس خط کا جس قدر جلد جواب ارسال کرینگے۔ اس قدر راقم کی مشکوری کا باعث ہونگے

آپکا صدق دل سے

امر سنگھ جنرل سکرٹری جوبلی ہو تسب کمیٹی دیو آشرم لاہور

اس بات کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ کہ آریہ سماج اور دیو سماج میں عرصہ دراز سے عداوت چلی آتی تھی۔ بلکہ اگر یہ کہا جاوے۔ کہ دیو سماج کے بانی کا سوامی دیانند سے آزادانہ سوال و جواب کرنا اور سوامی صاحب کی طرف سے تلخ جواب کا دے جانا ہی اس مخالفت کا بیج تھا۔ تو شائد نامناسب نہیں ہوگا۔ گو آریہ سماج طاقت کے لحاظ سے دیو سماج سے زیادہ تھا۔ مگر دیو سماج نے کئی مرتبہ آریہ سماج کو چاروں شانے چت گرا کر ایسے رگڑے دیے تھے۔ کہ آریہ سماج جیسے پڑا ہوا دانت پیسنے کے سوائے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ میں چونکہ دیو سماج میں کئی سال تک رہ آیا تھا۔ اس لئے آریہ سماج کے لیڈر یہ توقع رکھتے تھے۔ کہ میں دیو سماج کے اندرونی رازوں کو طشت از بام کروں۔ لیکن جب تک دیو سماج مجھے ایسا کرنے کے لئے کوئی موقع نہ دیتا۔ میں اس کے ساتھ اُلجھنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ آریہ سماج کے بہت بڑے حصے میں میرے متعلق یہ خیال بیٹھا ہوا تھا کہ میں جو دیو سماج کے بارے میں خاموش ہوں۔ اس کی وجہ یا تو یہ ہے۔ کہ میں اُن کی طرف سے جاسوس ہو کر آریہ سماج میں آیا ہوں۔ یا میں کسی خاص وجہ سے دیو سماج کا ذلیل ہوں۔ حالانکہ یہ دونوں خیال محض غلط اور بے بنیاد تھے۔ مگر جب دیو سماج کی طرف سے میرے پاس مذکورہ بالا خط پہنچا۔ تو میں نے اس خط سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ چنانچہ بطور تمہید کے میں نے اسکی رسید بدیں الفاظ بھیجی

جالیہ کوٹھی۔ الموڑہ ۲۵ر جولائی ۱۹۲۰ء

شریمان جی نمستے

"مجھے آپ کے گرامی نامہ مورخہ نامعلوم کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ جس میں آپ نے بڑی مہربانی کرکے مجھ سے یہ پوچھا ہے۔ کہ میں دیو سماج اور اس کے پوجنیہ بانی شری دیوگورو بھگوان کے ساتھ اپنے تعلق کے بارے میں کچھ لکھوں۔ میرا خیال ہے۔ کہ میں پانچسال کے لگ بھگ دیو سماج میں رہا۔ اس عرصہ میں میں نے دیو سماج سے جو کچھ سیکھا یا بھلایا سو ایک لمبی کہانی ہے۔ میں افسوس کرتا ہوں کہ موجودہ حالات میں میں آپ کی درخواست کو اتنی جلدی پورا نہیں کرسکتا۔ جتنی جلدی کہ آپ چاہتے ہیں تاہم میں دیکھونگا کہ آیا دسمبر سے پہلے پہلے یہ ممکن ہے۔ کہ میں آپکی درخواست کو پورا کرنے کے لئے وقت پا سکتا ہوں۔ یا نہیں"

آپکا صدق دل سے۔ دھرم پال

یہ خط لکھ کر میں نے الموڑہ سے واپس آجانے میں بہت جلدی کی۔ اور گوروکل کانگڑی میں پہنچکر لالہ منشی رام صاحب سے چند ضروری معاملات میں مشورہ کرکے میں لاہور پہنچ گیا۔ اور "شری دیوگورو بھگوان" کی جوبلی سے بہت دن پہلے میں نے ایک خاص کتاب بنام "اگنی" چھاپ کر ان کی خدمت میں پیش کردی۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ڈیڑھ ہزار چھاپا گیا تھا۔ اور وہ ایک ہی ہفتہ میں ختم ہوگیا۔ دوسرا ایڈیشن دو ہزار کا شائع کیا گیا۔ یہ کتاب دیو سماج کے برخلاف ایسا خطرناک "بمب" تھا۔ کہ اس سے پیشتر اور اس کے بعد آج تک نہ کبھی ایسی کتاب لکھی گئی۔ اور نہ کبھی لکھی جائیگی "اگنی" کے معنی آگ ہیں "اگنی" نے دیو سماج کے قلعہ کو آگ لگا دی۔ چونکہ اس کتاب میں دیو سماج کے بڑے بڑے لیڈروں کے اس قسم کے دستخطی خطوط اور روزنامچے شائع کیے گئے تھے۔ جن میں نہایت ہی شرمناک اور مجرمانہ حرکات کا ذکر موجود تھا۔ بنابریں یہ کتاب اسم بامسمےٰ ثابت ہوئی۔ دیو سماج کی طرف سے اسکا جواب یہ دیا گیا۔ کہ میں نے ان کے یہ پرائیویٹ کاغذات سرقہ کروائے ہیں۔ اس لئے مجھ پر زیر دفعہ ۱۱۴ تعزیرات ہند مقدمہ چلایا جانا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے ۱۲ر جنوری ۱۹۰۶ء کو مجھ پر مذکورہ بالا دفعہ کے ماتحت

خواجہ کمال الدین صاحب بی۔ اے پلیڈر کی وساطت سے کرنل پارسن صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا۔ کرنل صاحب موصوف نے میرے نام سمن تک جاری کرنے کے بغیر مستغیث کے وکیل کی تقریر کو سنکر مقدمہ خارج کر دیا۔ اور لکھ دیا کہ یہ محض مذہبی بحث ہے۔ کتاب کا جواب کتاب کے ذریعہ ہونا چاہئے۔ نہ کہ عدالت کے ذریعہ۔ مگر دیوسماج نے اس فیصلہ کی نگرانی کروائی۔ اور سشن جج نے مقدمہ کو دوبارہ جاری کرنے کی اجازت دیدی۔ جب کرنل پارسن صاحب کے پاس مقدمہ دوبارہ واپس آیا۔ تو انہوں نے ۱۱ر نومبر ۱۹۰۸ء کو حکم لکھا۔ کہ یہ مقدمہ کچھ بھی نہیں ہے محض عدالت کا وقت ضائع کرنا ہے مگر چونکہ استغاثہ شہادت پیش کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے میں اس مقدمہ کو کیپٹن نکولس کے سپرد کرتا ہوں۔ کیپٹن نکولس نے استغاثہ کی چند شہادتوں کو سننے کے بعد حکم لکھ دیا۔ کہ چونکہ میں چھٹی پر جاتا ہوں۔ اس لئے مقدمہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے پاس واپس بھیجا جاوے۔ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ۱۲ر فروری ۱۹۰۹ء کو اس مقدمہ کو مسٹر انڈرسن سٹی مجسٹریٹ کے سپرد کیا۔ جن کی عدالت میں دیوسماج والوں نے آریہ سماج کے بڑے بڑے لیڈروں کو بطور گواہ کے طلب کیا۔ مقدمہ نہایت زور شور سے چلتا رہا آخرکار ۳۰ر جولائی ۱۹۰۹ء کو مسٹر انڈرسن نے فریقین کے وکلا کی تقریریں سنکر مقدمہ خارج کر دیا۔ اور مجھے بری کر دیا گیا۔ اس مقدمہ میں میری طرف سے مسٹر بودھراج صاحب ساہنی بی۔ اے۔ ایل۔ بی۔ سی۔ ایل۔ بیرسٹر ایٹ لا۔ لاہور پیروکار تھے۔ نہایت ہی لائق ہونے کے علاوہ وہ اس قدر نیک اور شریف تھے۔ کہ انہوں نے یہ جانکر کہ میں بے گناہ ہوں۔ مقدمہ کی مفت پیروی کی۔ اور مجھ سے ایک کوڑی تک فیس نہ لی۔ عدالت کے سامنے انہوں نے تین گھنٹہ تک جو تقریر کی۔ وہ قانونی معلومات کا خزانہ تھی۔ عدالت کا کمرہ اُن کی تقریر کو سننے کے لئے وکلا اور بیرسٹروں سے بھرا ہوا تھا۔ عدالت کے علاوہ جملہ حاضرین بھی اُن کی لیاقت پر عش عش کرتے تھے۔ اُن کی اس تقریر کو اور مقدمہ کے جملہ حالات کو میں نے ایک سو صفحہ سے زیادہ حجم کی کتاب کی شکل میں شائع کر کے تقسیم کر دیا۔ مسٹر بودھراج صاحب ساہنی کی قانونی لیاقت و قابلیت کا ایسا سکہ بیٹھا۔ کہ اس مقدمہ کے چند ماہ بعد گورنمنٹ کشمیر نے ان کو ہائی کورٹ جج کے عہدے پر بلا لیا۔ جہاں ایک شخص نے اپنے طور پر نتیجہ نکالا

مگر میں نے ان کے چیف جج ہونے پر یہ نتیجہ نکالا کہ انہوں نے جو ایک بے گناہ کی بغیر کسی قسم کے معاوضہ کے مدد کی تھی۔ اس مدد کا صلہ خدا نے ان کو یہ دیا۔ کہ وہ چیف جج بن گئے۔ چونکہ دیوسماج خدا کا منکر تھا اور منکر ہے۔ اور اس کے ممبر خدا کی شان میں نہایت ہی بُرے کلمات استعمال کرتے تھے۔ اور کرتے ہیں۔ چونکہ خواجہ کمال الدین صاحب نے اسلام اور اسلام کے خدا کو مانتے ہوئے ایسے گروہ کی وکالت کی تھی۔ غیور خدا کو یہی منظور تھا کہ خواجہ صاحب نے جس قدر ناستکوں کی وکالت کی ہے۔ وہ اس سے کئی گنا زیادہ اسلام اور اسلام کے خدا کی وکالت کر کے کفارہ دیں۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے اس نے ایسے سامان پیدا کر دیئے۔ کہ خواجہ صاحب وکالت کو خیرباد کہکر توحید الٰہی کے نشے میں سرشار ہو گئے۔ مسٹر بودھراج صاحب ساہنی بیرسٹرایٹ لا تو پنجاب کو چھوڑ کر کشمیر پہنچ گئے۔ مگر ہمارے خواجہ صاحب پنجاب کو چھوڑ کر انگلستان جا پہنچے مسٹر ساہنی چیف جج بن گئے۔ مگر خواجہ صاحب مسلم مشنری بن گئے۔ اور دیوسماج کا خدا سے منکر سکرٹری وہ دیورتن جو دیوسماج کی حمایت میں ایک بے گناہ خدا پرست کو جیل خانے میں بھجوانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ آخرکار دیوسماج کا بدترین دشمن بن کر خدا پرست ہو گیا۔ اور اس کی بیوی کی سگی بہن میری بیوی بن گئی۔ یہ خدا کی قدرت کا نمونہ تھا۔ ادھر تو دیوسماج کی طرف سے میرے برخلاف یہ مقدمہ چل رہا تھا ادھر میں اپنے آتش بار قلم کے ذریعہ دیوسماج کی اندرونی حالت کو طشت ازبام کر رہا تھا۔ چونکہ دیوسماج کے بارے میں میرے پاس کافی سے زیادہ گولہ بارود موجود تھا۔ اس لئے جب تک مقدمہ چلتا رہا۔ تب تک میں نے بھی اس قلمی جنگ کو جاری رکھا۔ چنانچہ دیوسماج کے برخلاف میں نے جس قدر گولہ باری کی اس کا نقشہ مفصل ذیل ہے:-

دیوسماج کو اُڑانے کے لئے گولہ بارود کا میگزین

نمبر شمار	نام کتاب یا رسالہ	تعداد کاپی	تعداد صفحات	کل صفحات
۱	اگنی۔ پہلا ایڈیشن	۱۵۰۰	۷۶	۱۱۴۰۰۰
۲	اگنی۔ دوسرا ایڈیشن	۲۰۰۰	۷۶	۱۵۲۰۰۰

نمبر شمار	نام کتاب یا رسالہ	تعداد کاپی	تعداد صفحات	کل صفحات
۳	آسمانی گولہ	۳۰۰۰	۷۶	۲۲۸۰۰۰
۴	ورق کا سر ورق	۲۰۰۰	۱۰۸	۲۱۶۰۰۰
۵	لاہوری پاکھنڈی	۲۵۰۰	۴۴	۱۱۰۰۰۰
۶	خدائی سٹڈیشن	۲۰۰۰	۸۴	۱۶۸۰۰۰
۷	خدائی بمب	۱۶۰۰	۱۰۸	۱۷۲۸۰۰
۸	ہوائی جنگ	۲۵۰۰	۸۴	۲۱۰۰۰۰
۹	فروری کا رسالہ	۱۶۰۰	۹	۱۴۴۰۰
۱۰	مارچ کا رسالہ	۱۶۰۰	۱۸	۲۸۸۰۰
۱۱	مئی کا رسالہ	۱۶۰۰	۱۱	۱۷۶۰۰
۱۲	جولائی کا رسالہ	۱۶۰۰	۱	۱۶۰۰۰
۱۳	اکتوبر کا رسالہ	۱۶۰۰	۱۶	۲۵۶۰۰
۱۴	دسمبر کا رسالہ	۱۷۰۰	۲۵	۴۲۵۰۰
۱۵	مختلف ٹریکٹ و اشتہارات	۲۴۰۰	۴	۹۶۰۰۰
	میزان کل	۵۰۸۰۰	۶۶۳	۱۶۰۵۷۰۰

جس کا دوسرا مطلب یہ ہے۔ کہ دو سال کے عرصہ میں ہم نے ناستکوں یا خدا سے منکروں کے اعتقادات و خیالات کی بیخ کنی کے لئے بغیر کسی قسم کی بیرونی مدد کے تن تنہا سولہ لاکھ صفحہ کا مضمون شائع کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بہت سے دیوسماج کے ممبر دیوسماج سے الگ ہو گئے۔ اور خدا پرست بن گئے۔ دیوسماج کی روز افزوں ترقی بند ہو گئی۔ اس سے پیشتر آریہ سماج کے مقابلہ میں دیوسماج کا پلہ بھاری تھا۔ مگر اب آریہ سماج کا پلہ بھاری ہو گیا۔ حالانکہ کسی وقت آریہ سماج کے لیڈنگ اخبارات نے دیوسماج سے بدیں الفاظ معافی مانگی تھی:۔

پنڈت اگنی ہوتری صاحب سے معافی

(۱)

ہم نے اپنے رسالہ ویدک وجے پتر نمبر ۱ بابت ماہ اپریل ۱۸۹۰ء میں جو مضمون لاہور کے دیو دھرم مشن کے بانی پنڈت ستیا نند اگنی ہوتری صاحب کی نسبت مشتہر کیا تھا۔ اس کی نسبت ہم نہایت افسوس ظاہر کرتے ہیں۔ مضمون مذکور میں جس قدر اتہامات پنڈت صاحب کی نسبت خصوصاً اور دیو دھرم مشن کے دوسرے شخصوں کی نسبت عموماً عائد کئے گئے تھے۔ وہ سب واقعات کے برخلاف اور جھوٹے ہیں ہم اس مضمون کی تحریر سے سخت درجہ کی شرمساری ظاہر کرتے ہیں۔ اور پنڈت صاحب نے جو ہمیں معافی مانگنے کا موقع دیا اس لئے ان کا شکریہ ادا کرکے صدق دل سے ان سے معافی کے خواستگار ہوتے ہیں۔ اور آئندہ کے لئے وعدہ کرتے ہیں کہ اس قسم کے جھوٹے اتہام پھر اپنے اخبار میں شائع نہیں کرینگے۔

(۲)

ہم نے ۱۰ جون ۱۸۹۰ء کے پرچہ میں اجمیر کے ویدک وجے پتر کے ایک آرٹیکل کا حوالہ دیکر یہ لکھا تھا کہ اس میں پنڈت اگنی ہوتری صاحب کی نسبت جو باتیں درج کی گئی ہیں۔ وہ حرف بحرف سچ ہیں۔ اور یہ کہ وہ پنڈت اگنی ہوتری صاحب کا صحیح صحیح خاکہ اتارتی ہیں ہمیں نہایت افسوس ہے کہ ہم نے مذکورہ بالا باتیں تحریر کیں۔ کیونکہ ویدک وجے پتر نے پنڈت اگنی ہوتری صاحب اور نیز اور شخصوں کی نسبت جو دیو دھرم مشن سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو کچھ اتہامات لگائے تھے۔ وہ بالکل جھوٹے تھے۔ اور اس لئے ہم اپنی پہلی تحریر کو واپس لیکر ان سے معافی مانگتے ہیں۔ ہم بہت مشکور ہیں کہ پنڈت اگنی ہوتری صاحب

نے مہربانی کر کے ہمیں معاف کر دیا ہے *

بچھو سنگھ۔ ایڈیٹر۔ آریہ پتر کا۔ لاہور

یہ ان معافی ناموں کی نقل ہے۔ جو آریہ سماج کے اخبارات کے ایڈیٹروں نے دیو سماج کے بانی کے "دربار" میں پیش کیے تھے۔ اِن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ دیو سماج کے سامنے آریہ سماج کس قدر زبون و نادم ہو چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ آریہ سماج کے اخبارات کے ہاتھ میں واقعات نہیں تھے۔ بلکہ انہوں نے محض دروغ نویسی سے کام لیا تھا۔ مگر میں نے جو کچھ لکھا تھا۔ وہ واقعات کی بنا پر تھا۔ یہی وجہ تھی۔ کہ چیلنج پر چیلنج دینے اور عدالت کی طرف سے زور دیے جانے کے باوجود دیو سماج نے مجھ پر ہتک عزت کا دعویٰ دائر کرنے سے آخری دم تک پہلو تہی کیا۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ میں نے ان کے متعلق جو خطوط و روزنامچے شائع کیے تھے وہ غلط یا بناوٹی تھے۔ بلکہ انہوں نے اس بات پر زور دیا۔ کہ میں نے یہ کاغذات وغیرہ اُن کے دفتر سے چوری کروائے ہیں۔ چنانچہ اس کے متعلق اُنہوں نے مجھ پر دفعہ ۴۱۱ کے ماتحت دعویٰ کیا۔ جو آخر کار خارج ہو گیا۔ اس سے اُن کو اور بھی ذلیل و خوار ہونا پڑا۔ مگر واہ رے آریہ سماج کے خیر خواہو تمہاری شکر گذاری! بجائے اس کے کہ آریہ سماج کے کارکن اس خدمت کے لئے میرے ممنون و مشکور ہوتے اُنہوں نے یہ چال چلی۔ کہ اُس نے دیو سماج کو مار لیا ہے۔ آؤ ہم مل کر اُس کو مار لیں۔ تاکہ فتح کا سہرا ہمارے سر بندھ جائے۔ چنانچہ جب میں نے دیو سماج کے متعلق لکھنا چھوڑ دیا۔ تو آریہ سماج کے چند کارکنوں نے متفقہ کوشش کے ساتھ میرے برخلاف جنگ کا اعلان کر دیا۔ اور میرے برخلاف ایک گندی کتاب شائع کی۔ جس میں دیو سماج کا نام بھی لے دیا گیا۔ اور دیو سماج کے ایک وکیل کی بے گناہ عورت کا نام محض مجھے بدنام کرنے کے لئے دھگسیٹا گیا۔ آریہ سماج کے کارکنوں کی اس ناشکر گذاری اور دل آزاری کو دیکھکر مجھے افسوس بھی ہوا اور غصہ بھی آیا۔ مگر خدا نے کہا۔ کہ تم خاموش رہو اور صبر کرو میں تمہاری کوشش کے بغیر ہی تمہارے دامن پر سے اس دھبہ کو جو ناشکر گذار انسانوں کی طرف سے لگایا گیا ہے۔ دھو ڈالونگا۔ چنانچہ میں تو خاموش رہا مگر وکیل صاحب مذکور نے کتاب کے آریہ مصنف کو عدالت میں دھگسیٹا کہ تم نے میری بیوی

کو بدنام کیا ہے۔ اب آریہ "مہاشگان" کے ہوش اُڑے۔ حالانکہ کتاب میرے ہی برخلاف لکھی گئی تھی۔ مگر پھر بھی کتاب کے آریہ مصنف نے مجھے اپنی بریت کے لئے بطور صفائی کے گواہ کے پیش کیا۔ تین روز تک میری شہادت ہوتی رہی۔ لیکن چونکہ مصنف نے جو کچھ لکھا تھا۔ وہ محض جھوٹ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایڑی سے چوٹی تک زور لگانے کے باوجود وہ اپنی بریت نہ کر سکے۔ عدالت نے اس جرم میں ان پر پانچسو روپیہ جرمانہ کیا جو چیف کورٹ تک بحال رہا۔ جب ایک بے گناہ عورت کا دامن عصمت پاک ہو گیا۔ تو اس کے بارے میں جو میری ذات پر الزام لگایا گیا تھا۔ وہ خود ہی جھوٹ اور بے بنیاد ثابت ہو گیا۔ اس طرح خدا نے اپنی عجیب و غریب حکمت سے میری کوشش کے بغیر ہی میری بریت کر دی۔ اس دروغ نویسی اور کذب بیانی کی بدولت آریہ سماج نے دیو سماج کے مقابلہ پر پھر شکست کھائی اور میدان اُن کے ہاتھ سے نکل گیا۔ اور دیو سماج نے اُن کو از سر نو نیچے دبا لیا۔ میں نے بھی جب دیکھا۔ کہ آریہ سماج درحقیقت اسی لائق ہے۔ کہ وہ دیو سماج کے سامنے نادم ہو۔ دیو سماج کے مقابلہ پر دوبارہ قلم اُٹھانے سے انکار کر دیا۔ بلکہ اگنی ہوتر کے علاوہ دیو سماج کے متعلق اپنی دیگر کتابوں کو بھی اگنی دیوتا کے منہ میں جھونک کر "سواہا" کر دیا +

چونتیسویں فصل

بھونچال

تجربہ اور مشاہدہ کے بعد میں نے آریہ سماج کو بجائے صلح کل اور امن پسند سوسائٹی کے میدان کارزار پایا۔ چنانچہ میں نے خود بھی بطور ایک "نائٹ" کے زندگی بسر کرنی شروع کی۔ میں اپنی سلامتی اسی وقت تک سمجھتا تھا۔ جب تک کہ میرے پاس خشک "بارود" تھا۔ کیونکہ مجھے کبھی ایک منٹ کے لئے بھی یہ بھروسا نہیں تھا۔ کہ آریہ سماج میں آج جس شخص پر میں بھروسا کر رہا ہوں۔ اور جو میرا نزدیکی سے نزدیکی دوست یا حد درجہ کا خیر خواہ بنا ہوا ہے وہ دوسرے ہی منٹ میں میرا بدترین دشمن نہیں بن جائیگا۔ اسی گولہ بارود کی مدد سے اور زیادہ "نازک طبقہ" کی ہمدردی کی بدولت میں نے آریہ سماج میں لڑتے بھڑتے اتنے سال گذار دیئے۔ گولہ بارود بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اگر کسی طرف سے "کمک" نہ ملے۔ مگر آریہ سماج کا "نازک طبقہ"، مجھے نہ صرف گولہ بارود ہی بہم پہنچا دیتا تھا بلکہ وہ میرے زخموں پر جو ان کے ہی بھائی بندوں اور خاوندوں کی طرف سے لگائے جاتے تھے۔ مرہم پٹی بھی کر جاتا تھا۔ بعض اوقات وہ رحمدلی سے متحرک ہو کر اپنے ہی بھائی بندوں کے سربستہ رازوں کی کنجی میرے ہاتھ میں دے جاتا تھا جو بے خطا ثابت ہوتی تھی۔ قدرت نے عورت کو رحمدل بنایا ہے۔ خاصکر ہندو عورت کا دل رحم کا مرکز ہے وہ لوگ جو ہندوؤں سے آریہ سماجی بنتے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ وہ ہندوؤں کی بہت سی نیک صفات مثلاً دان پن۔ رحمدلی۔ صبح اٹھنا نہانا۔ پوجا۔ پاٹھ کرنا وغیرہ کو ترک کر دیتے ہیں۔ لیکن میں نے یہ بھی مشاہدہ کیا۔ کہ عورتوں میں اس قسم کی بری تبدیلی اول تو ہوتی نہیں۔ اگر ہوتی ہے۔ تو صرف ان عورتوں میں جو مردوں کی طرح "آریہ" بن جاتی ہیں۔ آریہ سماج میں ایسے لوگ شاذ و نادر ہی ہونگے۔ جو اس وقت جاگتے ہوں۔ جبکہ ایک مسلمان صبح کی نماز پڑھنے کے لئے جاگتا ہے۔ ورنہ وہ عموماً دن چڑھے بستروں

سے سر اٹھاتے ہیں۔ مگر آریہ سماج کی مستورات چونکہ ہندوانہ اثرات کے مطیع ہیں۔ اس لئے وہ عموماً بہت صبح جاگتی اور پوجا پاٹھ کرتی ہیں۔ آریہ سماج کے "نازک طبقہ" کی ہمدردی یوں تو شروع سے میرے ساتھ تھی مگر جب میں نے حالات سے مجبور ہو کر نائٹ کی زندگی اختیار کی تب سے وہ ہمدردی اور بھی زیادہ ہو گئی۔ بعض صورتوں میں ان کی یہ ہمدردی محبت میں اور بعض صورتوں میں محبت سے "پریم" میں اور پریم سے شادی کی درخواست میں تبدیل ہو جاتی تھی مگر چونکہ ہندو قانون جو آریہ سماج پر حاوی ہے۔ کچھ ایسا پیچیدہ واقع ہوا ہے۔ کہ جب تک اس کے جوئے کو گردن سے اتار کر نہ پھینک دیا جاوے۔ تب تک اس قسم کی کسی درخواست کا خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا اگر فریقین نے آریہ سماج سے الگ ہو کر ہندو قانون کی ماتحتی سے نکل جانا ہوتا۔ تو اس قسم کی درخواستوں کا کماحقہ نتیجہ نکل سکتا تھا۔ مگر چونکہ فریقین اس کے لئے تیار نہیں تھے۔ بنابریں آریہ سماج میں رہتے ہوئے ہندو قانون کی خلاف ورزی کر کے وہ ایک نیک کام کو سکنڈل Scandal کی شکل دینے کے لئے تیار نہیں ہوتے تھے۔ ہندو قانون کی اس پیچیدگی کا کئی صورتوں میں دردناک نتیجہ برآمد ہوتا تھا۔ چنانچہ دو روحیں جن کی شادی کی درخواستوں کو میں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس صدمہ سے اپنے جسموں سے الگ ہو گئیں۔ یہ نہایت دردناک نظارہ تھا۔ جبکہ ان میں سے ایک روح نے اپنے دم واپسین پر مجھے آخری دفعہ دیکھنے کی آرزو ظاہر کی۔ اور جب میں اس کے سامنے گیا۔ تو اس نے اپنی حسرت بھری آنکھیں میری طرف اٹھائیں اور پھر ہمیشہ کے لئے بند کر لیں۔ اس سے بھی بڑھ کر دردناک نظارہ وہ تھا جبکہ مجھے دوسری روح نے اپنی خاکستر کو میرے ہاتھوں سے اٹھوا کر دریا میں پھینکوانے کی وصیت کی۔ جس وصیت کو میں نے پورا کیا۔ خدا ان روحوں پر رحم کرے۔ قدرت نے مجھے ان ہتھیاروں سے مسلح نہیں کیا۔ جو "دلربائی" کے ہتھیار کہلاتے ہیں۔ مگر میں نے دیکھا کہ آریہ سماج کے دائرہ میں مردوں کے طبقہ میں جس قدر میری مخالفت ہوتی تھی۔ اسی قدر "نازک طبقہ" کے دل میں میرے لئے ہمدردی اور محبت بڑھتی جاتی تھی۔ مجھے اس بات کی آرزو نہیں تھی۔ اور نہ میں ایسی آرزو کر سکتا تھا کہ وہ جو مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ اس جہان سے اٹھ جائیں

یا اگر زندہ رہیں - تو نیم بسمل کی شکل میں - میں ایک سیدھا سادہ انسان تھا - اور میں سب کو سادگی پسند ہی دیکھنا چاہتا تھا - مگر جب ان کی یہ سادگی "پیچیدگی" کی شکل میں بدل جاتی تھی - تو مجھے بھی افسوس ہوتا تھا - خاصکر اس وقت جبکہ میرے مخالف اس "پیچیدگی" سے جو میری پیدا کی ہوئی نہیں ہوتی تھی - میرے برخلاف ناجائز فائدہ اٹھاتے تھے - جب اس قسم کے "واقعات" زیادہ ہونے لگ گئے تو مجھے اندیشہ ہو گیا کہ اس میں میرے مخالفوں کا ہاتھ کام کر رہا ہے - چنانچہ ایک دفعہ مختلف مقامات سے میرے "ہاتھ" کے لئے چار "دعویدار" کھڑے ہو گئے جن کے "بریم بھرے" خطوط نے مجھے بہت پریشان کر دیا چونکہ میں مخالفوں سے گھرا ہوا تھا - اس لئے میں نے ان خطوط سے یہی نتیجہ نکالا - کہ یہ سب میرے مخالفوں کی کارستانی ہے - مگر میرا یہ نتیجہ ہر ایک حالت میں درست نہیں تھا - یہ درخواستیں خواہ نیک نیتی سے ہوتی تھیں - خواہ وہ بدنیتی سے لیکن ہوتیں محض اس لئے تھیں کیونکہ درخواست کنندوں کو جگہ خالی نظر آتی تھی - چونکہ اس دروازہ کا ہمیشہ کھلا رکھنا میرے لئے بھی مفید ثابت نہیں ہو سکتا تھا - بنابریں میں نے اس کو بند کر دینے کی ٹھان لی - اس مقصد کے لئے میں نے درخواست کنندوں میں سے ایک ایسی درخواست کا انتخاب کرنا چاہا - جس پر ایک سے زیادہ معززین کی تصدیق ہو چنانچہ میں نے دیکھا کہ جو درخواست میرے پاس گوجرانوالہ سے پہنچی - اس کی تائید میں چند معززین بھی ہیں - جن میں سے دو معزز اصحاب نے انگریزی میں جو خطوط لکھے - ان کا ترجمہ حسب ذیل ہے :-

وزیر آباد ۹/۸/۱۹۰۸

میرے پیارے بھائی دھرم پال جی - نمستے

مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کا ارادہ شادی کرنے کا ہے - کیا یہ درست ہے میں نہیں جانتا - کہ آپ کے سامنے کیا معراج ہے - مگر عرصے سے میری یہ دلی آرزو ہے - کہ آپ کی شادی کسی آریہ گھرانے میں ہو میرا خیال ہے - کہ جب تک آریہ سماج آپ جیسے خاص قابلیتوں والے جنٹلمین کی شادی کسی اچھے گھرانے میں نہیں کرتا - تب تک وہ "رشتہ"

کیئے گئے اصحاب کو ہضم نہ کرنے کے الزام سے بری نہیں ہو سکتا۔
آپ لالہ سکھدیال کو جو گورو کل کانگری میں ٹیچر تھا جانتے ہیں۔ اس کی بہن سومیتی دیوی جس کی عمر ۱۷ سال کے قریب ہے۔ اور جو گورو کل کانگری کے پرپواروں میں تعلیم پاتی تھی۔ چند یوم سے میرے پرپوار میں رہتی ہے میں نے لالہ سکھدیال کی موجودگی میں اس کے ساتھ آپ کے قومی جوش اور آپ کی خاص قابلیتوں کا ذکر کیا ہے۔ اور میں خیال کرتا ہوں کہ ہم نے اس کے دل پر کافی اثر ڈال دیا ہے۔ کہ وہ آپ کو خوشی سے اپنا خاوند بنالے۔ فی الحال میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں جب مجھے اس کے متعلق آپ کے خیالات کا پتہ لگیگا۔ تو میں اور زیادہ لکھونگا +

آپ کا صدقدل سے
باشی رام۔ گورنمنٹ پنشنر

دوسرا خط

گوجرانوالہ۔ ۱۴/۱۱/۱۹۰۸ء
پیارے بھائی۔
میں نے آپ کے لئے جس لڑکی کی تجویز کی ہے وہ سکھدیال کی بہن سومیتی دیوی ہے۔ جو کبھی گورو کل کانگڑی میں استاد تھا۔ اور آجکل گورو کل گوجرانوالہ میں پڑھاتا ہے۔ لالہ سکھدیال کی ذات اروڑہ ہے۔ اور وہ بہت عمدہ خاندان سے ہے۔ ۔ ۔ سومیتی ایک خوبصورت لڑکی ہے جس کی عمر ۱۶ سال کی ہے۔ شادی سے پیشتر آپ دونوں کو ایک دوسرے سے بات چیت کرنے اور ایک دوسرے کو دیکھنے کی پوری آزادی ہوگی اگر آپ کو فرصت ملے۔ تو ایک روز کے لئے یہاں آجائیں۔ اور اسکو دیکھ جائیں اور معاملہ طے کر جائیں۔ اپنے آنے سے مجھے ایک روز پہلے خبر کر دینا۔ تاکہ میں اس روز یہاں سے غیر حاضر نہ رہوں۔ اور گھر پر موجود ہوں

آپ کا آریہ بھائی
حاکم رائے۔ پلیڈر

تیسرا خط

گوجرانوالہ

پیارے پنڈت دھرم پال جی

آپ کا تار مل گیا تھا۔ مگر چونکہ مجھے بخار آ رہا تھا اس لیئے میں جلدی جواب نہیں دے سکا۔ علاوہ ازیں چونکہ شریمتی سومیتی جی نے آپکو اپنی طرف سے خط لکھ دیا تھا۔ اس لیئے مجھے جواب دینے کی چنداں ضرورت نہیں رہی تھی۔ سومیتی جی ثابت قدم ہیں۔ جو خط اس نے آپ کو لکھا۔ وہ بالکل پرائیویٹ ہے۔ یہانتک کہ اس کے بھائی سے بھی پرائیویٹ ہے۔ اور وہ پرائیویٹ ہی رہنا چاہیئے۔۔۔ چونکہ سومیتی جی آپ کو چھوڑنے کے لیئے کسی صورت میں بھی تیار نہیں ہے۔ اس لیئے ہمارا فیصلہ بھی اس کے فیصلہ کے مطیع ہوگا۔

آپ کا آریہ بھائی

حاکم رائے۔ پلیڈر۔

ان خطوط کے بعد میں گوجرانوالہ گیا۔ اور ہماری تینوں کی خط وکتابت براہ راست ہونے لگ گئی کچھ عرصہ کے بعد مجھے ایک خط ملا جسکے چند فقرات مفصلہ ذیل تھے:۔

"۔۔۔۔ جب میں آپ کے سنکھ (سامنے) ایشور کو ساکھشی (حاضر وناظر) جانکر پرتگیا (عہد) کر چکی ہوں۔ تو کیا اب میرا دھرم ہے۔ کہ مکھ (منہ) موڑلوں کدا پی (ہرگز نہیں)۔ دھرم ایک ہی ہوتا ہے۔ جب آپ اپنا ہردہ (دل) میرے ارپن (سپرد) کر چکے ہیں۔ تو میں اسی سمے (وقت) اپنا ہردہ (دل) آپ کے ارپن (سپرد) کر چکی۔ آپ اپنی پرتگیا (عہد) کو توڑ دیں۔ پرنتو (مگر) میں کبھی نہیں توڑونگی۔ چاہے مجھے ساری آیو (عمر) برھمچارنی (بغیر شادی) ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔۔۔۔۔"

اب سوال یہ پیدا ہوا۔ کہ شادی کہاں ہو اور کیسے ہو۔ لالہ سکھدیال نے مہاتما منشی رام کو اسکے متعلق خط لکھا۔ جسکا مہاتما صاحب موصوف نے یہ جواب دیا:۔

پریہ ور سکھدیال جی۔ نمستے

آپ کا پتر (خط) پہنچا۔ میں نہیں سمجھتا۔ کہ اس میں وہ دھائی آدمی پرہار کیا وغیرہ کا کیا تات پریہ (مطلب) ہے۔ میں جو کچھ کرنے لگا ہوں۔ وہ میرا کرتو یہ (فرض) ہی ہے۔ دھرم پال کو میں پتروت (مانند فرزند) ہی سمجھتا رہا ہوں۔ اور اب کوئی کارن (باعث) نہیں کہ ویسا ہی کیوں نہ سمجھوں۔ گو جرانوالہ میں یدی (اگر) ادہک (زیادہ) ورودھ (مخالفت) ہو۔ تو میری سمتی (رائے) میں جالندھر وواہ کو نا اوتم ہے بہت ہے۔ دکھلاوے کی کوئی آوشکتا (ضرورت) نہیں۔ میری سمتی (رائے) میں وواہ شیگھر (جلدی) ہی ہو جانا اوتم ہوگا۔ یا تو گوروکل کے وارشکوتسب سے ایک سپتاہ پہلے ہو۔ یا ایک سپتاہ پیچھے ہو۔ تو میں آسکونگا ایسٹر پر ہر وار میں ارادہ کبھی کا پرچار ہوگا۔ اس سے میرا رہنا اوشیک ہوگا

آپ کا منگل ابھلاشی

منشی رام

مگر مہاشے سکھ دیال اور اُن کی بہن اس بات کے حق میں نہیں تھے۔ کہ شادی چپ چاپ ہو جائے۔ اُن دونوں بھائی بہنوں کے سامنے یہ خیال تھا۔ کہ چونکہ وہ ایک غیر معمولی کام کرنے لگے ہیں۔ اس لیے اس کو غیر معمولی ہی شہرت ملنی چاہیئے۔ چنانچہ ان ہی دنوں میں لالہ منشی رام صاحب نے اپنے اخبار میں ایک مضمون لکھا جس میں سوامی دیانند کی مفصلہ ذیل رائے درج کی گئی:۔

"مسلمان آدمی اینہ مت (غیر مذاہب) والے ویدک مت میں آویں۔ تو وہ جس ورن کے گن اور کرم یکت ہوں۔ اسی ورن میں رہ سکتے ہیں۔ وواہ اور کھان پان آدمی بیوہار بھی اپنے سمان (مساوی) ورن کے ساتھ کریں آجکل کے آریہ لوگ ان کے ساتھ اوکت (مذکورہ بالا) بیوہار نہیں کرینگے۔ اسلئے اپنے لوگوں میں ہی کریں۔ اور ست ویدک رکھیں۔ اس میں کسی پرکار کی ہانی (نقصان) نہیں ہو سکتی"۔

سوامی دیانند کی اس رائے کو نقل کر کے لالہ منشی رام صاحب نے اپر مفصلہ ذیل حاشیہ افزائی کی:۔

"کیسے ہردے بیدھک شبد ہیں!! اور آجکل کے آریہ لوگ ان کے ساتھ اوکت ویوہار نہیں کرینگے" ۱۸۸۱ء میں جو اوستھا تھی - آج ۲۸ برس کے بعد کیا اس میں کچھ بھی پریورتن ہوا ہے - اُتر میں کہا جائیگا کہ جنم کے مسلمانوں کے ساتھ کھان پان و ویوہار کھلا ہوا ہے - یہی ہے - تو اس کے لئے آریہ سماج کے پرش پرشنسا کے پاتر ہو سکتے ہیں جس دھرم پال کو ہندو ماتر نے اپنا بنا لیا - اس کے ساتھ کھان پان کا ویوہار کر لینا کچھ بڑی بہادری کا کام نہیں کنتو کیا ابتک جنم کے عیسائی یا مسلمان آریوں کے ساتھ ہندو آریوں نے وواہ سمبندھ کھول دئے ہیں " ستیہ دھرم پرچارک ۲۶ جنوری ۱۹۰۹ء "

اس مضمون کو پڑھکر ان دونوں بھائی بہنوں کو اپنا کام اور بھی غیر معمولی معلوم ہونے لگا اور وہ اس فکر میں ہوئے - کہ اس کام کو پبلک میں پیش کر کے اور بھی زیادہ اہمیت دیجاوے انکی خوش نصیبی سے لاہور کے پنجابی اخبار نے اپنے ۴ فروری ۱۹۰۹ء کے پرچہ میں گوجرانوالہ کے کسی نامہ نگار کا مفصلہ ذیل مضمون شائع کیا *

"گوجرانوالہ سے ایک نامہ نگار لکھتا ہے کہ چاروں طرف یہ زبردست افواہ ہے - کہ برہمچاری دھرم پال کی بہت جلدی ہی گوجرانوالہ میں شادی ہونے والی ہے - اگر میں غلطی نہیں کرتا تو انہوں نے ۱۹۰۳ء میں ویدک دھرم کو گرہن کرتے وقت پبلک کے سامنے یہ پرتگیا کی تھی - کہ وہ عمر بھر تک برہمچاری کی مرتاضانہ زندگی بسر کرینگے - پنڈت رام بھجدت صاحب جو کہ اسوقت آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب کے پردھان تھے جہانتک مجھے خیال ہے اس موقع پر حاضر تھے - کیا برہمچاری دھرم پال اور پنڈت رام بھجدت بہت جلدی ہی اس معمے کی بذریعہ اخبار تشریح کر کے " آریہ پبلک کو ایک گہرے احسان کے نیچے رکھدینگے " پنجابی ۴ فروری ۱۹۰۹ء *

"پنجابی" کے نامہ نگار کو بخوبی علم تھا - کہ میری برہمچاری رہنے کی پرتگیا صرف ۵ سال کی عمر تک کے لئے تھی نہ کہ عمر بھر کے لئے - مگر چونکہ نامہ نگار مذکور اور اسکی پارٹی کا اس بہانے سے شادی کے معاملہ کو پبلک میں لانے کا مدعا تھا اس لئے میں نے بھی اس کی حسب مرضی اس سوال کا جواب دینے کا ارادہ کیا - اسی اثنا میں مہاشے سکھدیال نے

میرے پاس "پنجابی" میں شائع کروانے کے لئے مفصلہ ذیل مضمون بھیجا +

جناب ایڈیٹر صاحب "پنجابی" لاہور +

نمستے۔

میں نے آپ کے ۲۰ فروری سنہ ۱۹۰۹ء کے پرچہ میں اس مضمون کو پڑھا ہے۔ جو کہ آپنے مہاشہ دھرمپال کے بارے میں لکھا ہے۔ آپ نے مہاشہ دھرمپال سے جو سوال کیا ہے۔ اُسکا جواب تو وہ آپ ہی دینگے مگر میں آپکے نامہ نگار کی ایک غلطی کی اصلاح کرنی چاہتا ہوں جو کہ اُنہوں نے دیدہ دانستہ یا تجاہل عارفانہ سے کی ہے۔ نامہ نگار صاحب لکھتے ہیں کہ ایسی یا ویسی افواہ ہے میں آپکے نامہ نگار پر۔ آپ پر۔ اور تمام پبلک پر اس بات کو روشن کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ایک افواہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک قطعی "طے شدہ معاملہ" ہے۔ مگر یہ اُن معنوں میں "طے شدہ" نہیں ہے۔ جن معنوں میں کہ جان مورلے تقسیم بنگال کو "طے شدہ معاملہ" کہتے ہیں۔ ممکن ہے۔ جان مورلے کا "طے شدہ معاملہ" کبھی بدلا جائے لیکن یہ فیصلہ کبھی بھی بدلا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ یہ ایسا طے شدہ ہے۔ جیسا کہ رات کے بعد دن کا آنا طے شدہ ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ آپ میری ان چند سطور کو اپنے قیمتی اخبار میں جگہ دیکر مجھے مشکور فرمائینگے" +

آپکا ایک آریہ متر

سکھدیال۔ گوجرانوالہ

مہاشے سکھدیال کے مذکورہ بالا مضمون کے علاوہ ان کی بہن کے بھی پے درپے خطوط میرے پاس پہنچ رہے تھے۔ جن میں سے ایک خط میں چند سوالات کئے گئے تھے۔ اور ان سوالات کا جواب پبلک میں مانگا گیا تھا +

اِس خط کی عبارت ایسی برجستہ۔ اور مضمون ایسے الفاظ میں قلم بند کیا گیا تھا۔ کہ اس سے پیشتر میرے پاس جسقدر خطوط آئے تھے اُن میں سے کسی کی عبارت ایسی عمدہ نہیں تھی۔ میں نے سمجھا۔ کہ "دیوی" اپنے اعلیٰ خیالات کے ساتھ ساتھ مضمون نویسی میں بھی خوب ترقی کر رہی ہے۔ ایک دوشیزہ لڑکی کے خطوط کو شائع کرنا ایسا کام نہیں تھا

کہ جو پبلک کی نظر میں اور وہ بھی ہندوستان کی پبلک کی نظر میں مستحسن سمجھا جاتا۔ مگر جب خط لکھنے والوں کا ہی یہ خیال ہو۔ کہ ان کے خطوط کو شائع کیا جاوے اور اس کام کو پبلک میں لایا جاوے تو معاملہ کی شکل بدل جاتی ہے۔ میرے سامنے اس معاملہ کو پبلک میں لانے کے لئے مفصلہ ذیل وجوہات تھے:۔

اوّل۔ میں اپنے تجربات کی بنا پر جان چکا تھا۔ کہ آریہ سماج میں جس قسم کی آزادی لڑکوں اور لڑکیوں۔ مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے سے ملنے جلنے کی ہے۔ وہ میرے حق میں مفید نتائج پیدا کرنیوالی ثابت نہیں ہو رہی بلکہ میرا وجود بہت سی صورتوں میں "دل شکنی" کا باعث ہوا اور ہو رہا ہے گو اس قسم کی کسی "دلشکنی" یا "دلشکنی" کے باعث کسی کی "موت" کے لئے میں اخلاقاً اور قانوناً ذمہ وار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ مگر پھر بھی اگر میں اس قسم کے "واقعات" کو روک سکتا ہوں۔ تو مجھے روکنا چاہیے +

دوئم۔ اس قسم کے "واقعات" کو روکنے کا بہترین طریقہ یہی ہو سکتا ہے۔ کہ یا تو میں اپنے "امیدواروں" میں سے کسی ایک "امیدوار" کو باقی "امیدواروں" کے لئے "عبرت" کا موجب بنا دوں۔ یا میں شادی کر لوں "عبرت" سے میری مراد ایک بہترین قسم کی "سزا" تھی جو ایسے معاملات میں دی جانی چاہیئے۔ اور وہ سزا میرے نزدیک اس سے بہتر کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ کہ کسی ایک "امیدوار" کو عمدہ سے عمدہ طریقہ پر "مصلوب" کر دیا جاوے۔ تاکہ باقی "امیدوار" اسکو دیکھکر خود ہی بھاگ جائیں +

سوئم۔ اگر "مصلوب" آزمائش کی "صلیب" پر سے صحیح سلامت اتر آئے اور وہ اپنے ارادوں میں بدستور سابق مضبوطی سے قایم رہے۔ تو کسی ایسے طریقہ سے جو ہماری شادی کو جائز قرار دیتا ہو اس کے ساتھ باقاعدہ شادی کر لیجاوے۔ لیکن اگر "مصلوب" "صلیب" پر ہی دم دیدے یا اپنے "عقائد" سے تائب ہو جائے۔ تو آئندہ کے لئے میدان صاف ہو جائیگا

چہارم۔ چونکہ آریہ سماج ابھی تک ہندو قانون کے ہی ماتحت ہے۔ اور ہندو قانون غیر ہندوؤں کی "شدھی" یا غیر ہندوؤں سے "شدھ" کئے گئے

اصحاب کی ہندو نژاد لڑکیوں سے ساتھ شادی کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اس قسم کی کسی بھی شادی کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ اس لئے اس قسم کی شادی کی تجویز کو آریہ پبلک کے سامنے پیش کرنے سے آریہ سماج کے لیڈروں کو سوال کے اس پہلو پر سوچنے اور اس مشکل کو حل کرنیکا موقع مل جائیگا۔ وہ آریہ سماجی جو میرے ہاتھ سے کسی چیز کا کھالینا اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں اور جو میرے "ورشنوں" کے پیاسے رہتے ہیں۔ اور مجھے رشی۔ مہرشی۔ مہاتما۔ سوامی۔ پنڈت وغیرہ کہتے ہوئے سیر نہیں ہوتے۔ انکی آزمائش کا بھی مجھے موقع مل جائیگا۔ کہ آیا وہ میرے بارے میں مذکورہ بالا خیالات کا محض ریاکاری کی بنا پر ہی اظہار کر رہے ہیں۔ یا وہ مجھے اپنے ساتھ کسی قسم کے مساوی مجلسی حقوق دینے کے بھی حق میں ہیں +

مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر میں نے ایک کتاب لکھ ڈالی۔ جسکا نام "بھونچال" رکھا گیا۔ میں بخوبی جانتا تھا کہ اس قسم کی کتاب آریہ سماج کے حلقہ میں بھونچال سے کم تہلکہ نہیں مچائیگی چنانچہ کتاب کے شائع ہونے کی دیر تھی۔ کہ درحقیقت آریہ سماج میں "بھونچال" آگیا۔ بدترین قسم کی مخالفت شروع ہوگئی۔ اخبارات کے کالم کے کالم سیاہ ہونے لگے۔ دفتر کے دفتر لکھے گئے۔ "بھونچال" نے بڑی بڑی مضبوط بنیادوں والی عمارتوں کو بھی ہلا دیا۔ ابھی "بھونچال" کے دھکے کم نہیں ہونے پائے تھے۔ کہ میں نے ڈیڑھ سو صفحہ کی ایک اور کتاب لکھ ماری اور اسکا نام "طوفان میں جٹان" رکھا۔ "طوفان" کے جھونکے "بھونچال" کے جھٹکوں سے زیادہ سخت تھے۔ آریہ سماج کی تواریخ میں اس سے پیشتر اس قسم کے "بھونچال" اور "طوفان" کبھی نہیں آئے تھے۔ ادھر تو "بھونچال" اور "طوفان" نے آفت برپا کر رکھی تھی اُدھر "مصلیہ" "ایلی ایلی۔ لما سبقتانی" پکار اٹھی۔ چنانچہ اس موقع پر میں نے تیسری کتاب کو ہندی میں تین ہزار کی تعداد میں شائع کیا۔ اس کتاب کا نام "گرہست اوشا" تھا اور اس میں دیوی سومیتی کا ۲۰ صفحہ کا دستخطی مضمون تھا۔ جس کی سُرخی "کنیا کی پکار" تھی۔ مضمون عالمانہ تھا۔ یہانتک کہ جب میں اسکو چھپوا رہا تھا۔ تو میں خود حیران ہو رہا تھا۔ کہ "مصلیہ" دیوی سومیتی نے اتنے تھوڑے سے عرصہ میں اس قدر لیاقت کیسے حاصل کر لی۔ مگر یہ کتاب چھپکر ڈاک میں ڈالی جا رہی تھی۔ کہ مجھے مہاتما نے سکھدیال کا مفصلہ ذیل خط ملا:۔

جالندھر شہر - ۱۵ - ۵ - ۱۹۰۹

پریہ پال اور دیوی سومیتی - نمستے

آج ۵ / مئی ۱۹۰۹ء کو سومیتی کی نوٹ بُک میں دو نوٹ میرے ورودھ (مخالف) اور چند ایک (ﻋﻘﻠﻤﻨﺪ-ﻋﻠﻤﻤﻠﻤ) تو نوٹ - دھرمپال کے نام دیکھکر مجھے گیان ہوا کہ میں نہ کیول دھرمپال کے لئے پرتیت (بلکہ اپنی بھگنی (بہن) کے لئے دُکھ اور رکاوٹ بن رہا ہوں میں ایسا بننا اپنے لئے پاپ سمجھتا ہوں - اتہ (اس لئے) پچھلے پاپ کے لئے اپنی بھگنی (بہن) سومیتی دیوی اور مہاشے دھرمپال سے کھشما (معافی) مانگ کر آئندہ کے لئے اپنی رکاوٹ کو میں بیچ سے ہٹانا پرم دھرم سمجھتا ہوں باتفاق

(۱) اپنی اور (طرف) سے میں اپنی بھگنی سومیتی دیوی اور مہاشے دھرمپال دونوں کو سوچنا دیتا ہوں - کہ آپ جب چاہیں وواہ کر لیں - میں وواہ میں یدی آپ چاہیں - یتھاشکتی (حتی المقدور) سہایتا کے لئے اودیت (تیار) ہوں +

(۲) میں اپنی بھگنی سومیتی دیوی اور مہاشے دھرمپال کو سوچنا دیتا ہوں - کہ میں اس نوٹ بُک کے چاروں اُپ یکت (مذکورہ بالا) نوٹوں کے خیالات اور "کنہیا کی پکار" کے خیالات کو ایک نہیں پاتا - یہ چاروں نوٹ سویم (بذاتہ) دیوی سومیتی کے لکھے ہوئے ہونے سے سومیتی کے دہشتوک (اصلی) خیالات یہ ہونے میں کسی پرکار کا شک کرنا ٹھیک نہیں پرنتو "کنہیا کی پکار" میری لکھی ہوئی ہے میں نے پرایہ کرکے انومان (قیاس) کر لیا تھا کہ بھگنی (بہن) کے ایسے خیالات ہیں - اب انعقاد برعکس (پتہ) لگ جانے پر میرا دھارمک فرض ہے - کہ میں اپنا دوش (قصور) مان لوں اور میں مانتا ہوں - چونکہ "کنہیا کی پکار" ابھی پبلک میں نہیں بھیجی گئی - اسلئے ارنرت (یعنی) جو جھوٹ کا پرچار میرے دوارا (ذریعہ) ہو جانا تھا - ابھی تک وہ نہیں ہوا - اس لئے جہاں میں اپنی بھول مانتا ہوں - وہاں یہ بھی میرا فرض ہے - کہ اس بھول سے مہاشے دھرمپال کو سوچنا دیدوں - اور دیتا ہوں - تاکہ آپ "کنہیا کی پکار" کی اشاعت کو روک لیں - چونکہ ابھی تک اشاعت نہیں ہوئی - اب اس سوچنا کے پشچات (بعد) یدی وہ اشاعت کریں - تو مہاشے دھرمپال کی اپنی مرضی ہے میرا کرتویہ (فرض) کیول (صرف) ایک بھول سے سوچنا دینا ہے جس بھول کا مجھے آج پتہ لگا ہے

بھوودی ہنکاری سُکھدیال - ۵ / مئی ۱۹۰۹ء

اس خط نے میرے سامنے سے ایک بیا پردہ اُٹھا دیا - اور میں نے اپنے ایک دوست سے جو اس وقت جبکہ میں اس خط کو پڑھ رہا تھا میرے پاس بیٹھا تھا برملا کہا - کہ یہ ویدک دھرم کی ہی برکت ہے کہ مرنیکے بعد تو مرد کا عورت کی جون میں جانا ممکن مانا گیا ہے - مگر آریہ سماج میں ہماری آنکھوں کے سامنے مرد عورت کا

جارہا اور جھکر لمبے لمبے مضامین اور "پریم پتر" لکھتا ہوا دیکھا جاتا ہی۔ چونکہ کتاب چھپ چکی تھی۔ اور اسکا کچھ حصہ ڈاک میں ڈالا جاچکا تھا۔ اور کچھ ویسے دستی تقسیم کی جا چکی تھی۔ اسلئے اس کا اب روکنا یا نہ روکنا بالکل فضول تھا۔ اور اگر ایک لڑکی اپنی پرائیویٹ ڈائری میں میرے متعلق کسی قسم کے عشقیہ خیالات کا اظہار کرتی ہے۔ تو اسکے لئے مجھے کیوں سزا ملنی چاہیے۔ مگر بھائی کے خط کے ساتھ دوسری ڈاک میں اسکی بہن کا مفصلہ ذیل خط پہنچا

شانتی بھون۔ جالندھر شہر $\frac{5}{1905}$ ۱۶ +

پریہ ویر جی۔ نمستے +

آپ بیشک "کنہیا کی پکار" کو پرکاشت کریں۔ کیونکہ جو پتر مہاتما جی کی طرف ہے۔ وہ میں نے ہی لکھا تھا۔ اور پھر اتا جی نے آپ کو ایک کل پتر لکھکر دیا ہے۔ وہ آپنے پڑھ لیا ہوگا۔ اس پتر کا آخر میں نیچے لکھتی ہوں۔ میں اُتنا تک شادی نہیں کرتی۔ جتنا تک یا پنجسوا آریہ پریوار نہ بنے۔ یا کم سے کم سو تک۔ یا دو سو تک آریہ پریوار نہ بن جائے۔ یا آپ مہاتما منشی رام جی یا پردھان رام کرشن جی یہ لکھدے۔ کہ آریہ سماج مُردہ ہے۔ تو شادی میں ابھی ہی کرونگی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ بیشک کنہیا کی پکار کو پرکاشت کریں +

آپ کی پریہ۔ سومیتی

میرے لئے یہ ایک انکشاف تھا۔ مگر یہ معما بھی تھا۔ اسلئے کہ میں اسوقت تک یہی سمجھتا تھا۔ کہ میرے پاس جسقدر مضامین یا خطوط آرہے ہیں وہ "دیوی سومیتی" کے ہیں۔ جسکو کہ میں نے آزمایش کی "صلیب" پر لٹکا رکھا تھا۔ اور جو اگر آزمایش میں کامیاب نکلے۔ تو میری بیوی بننے کی مستحق ہوگی لیکن میرے لئے یہ ایک معما تھا۔ کہ "دیوی" کے ساتھ اسکے بھائی نے کیوں اپنی بہن کی "پوشاک" پہنی۔ اور وہ کیوں "صلیب" پر چڑھا۔ کیا وہ بھی نصف کا "دعویدار" بننا چاہتا تھا؟ عجیب پرلطف ڈراما تھا۔ اور نیا سین تھا۔ جبکہ میں نے ایک کی بجائے دو "سومیتیوں" کو "صلیب" پر لٹکتے دیکھا

پینتیسویں فصل

ڈراپ

اب ایک طرف تو دیوی سومتی کے ساتھ اسکا بھائی بھی "صلیب" پر لٹکتا ہوا نظر آرہا ہے جس سے یہ ڈراما بجائے "ٹریجڈی" کے "کومڈی" کی شکل میں تبدیل ہو کر عجیب ظرافت آمیز بن گیا۔ دوسری طرف دوسرے "دعویداروں" میں الگ بھونچال آرہا ہے تیسری طرف آریہ سماج کی طرف سے اس شادی کی تجویز کی اس قدر دھواں دھار مخالفت ہو رہی ہے۔ کہ آریہ سماج کے بڑے بڑے عالموں کے دل ہل جاتے ہیں اور وہ برملا یہ اعلان کرتے ہیں:-

"میں نے آریہ سماج کی ورتمان حالت دیکھ بھال کر یہ نتیجہ کیا ہے۔ کہ ابھی ہم آریہ پرشوں میں جنم سے مسلمانوں وغیرہ کو شامل کرنیکی طاقت نہیں ہے۔ اسلئے جو مہاشے یا آریہ سماج ایسی "شدھی" کرتا ہے۔ وہ انوچت (برا) کر رہا ہے (ستیہ دھرم پرچارک)"

یہ اور اسی قسم کی دیگر تحریروں سے اس بات کا تو دو ٹوک فیصلہ ہو گیا۔ کہ آریہ سماج جنم کے مسلمانوں کو اپنے اندر جذب کرنے یا انکو مجلسی نقطہ خیال سے مساوی حقوق دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اور کہ میری "شدھی" کے بارے میں اس نے جو اس قدر شور مچایا تھا۔ وہ محض مسلمانوں کو چڑانیکے لئے تھا۔ میں خود بھی تو اسی بات کا فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔ کہ آیا آریہ سماج درحقیقت نیک نیتی سے مسلمانوں کو شدھ کرتا ہے یا اس میں وہ کوئی دیگر دنیوی اغراض مدنظر رکھتا ہے۔ چنانچہ "بھونچال" نے اسکا دو ٹوک فیصلہ کر دیا۔ اب رہا دوسرے دعویداروں کا سوال۔ اور انکا حال۔ اسکا فیصلہ بھی بھونچال نے کر ڈالا۔ چنانچہ ایک روز ایک جنٹلمین کلرک میرے پاس آکر کہنے لگا۔

جنٹلمین۔ کیا آپکو سومترا کا حال معلوم ہے:-

سومترا ایک تبدیل شدہ نام ہے۔ جو کہ "دعویدار" کے اصلی نام کی بجائے استعمال کیا گیا ہے۔

میں۔ کچھ عرصہ سے مجھے اسکا کوئی حال معلوم نہیں ہے۔ **جنٹلمین**۔ آپنے سخت غلطی کی جو بھونچال کو شائع کیا۔ **میں**۔ بھونچال اور سومترا کا کیا تعلق؟ **جنٹلمین**۔ بھونچال ہی نے سومترا کو قریب المرگ کر دیا ہے۔ **میں**۔ یہ کیسے؟ **جنٹلمین**۔ سومترا کا اب تک یہی خیال تھا۔ کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگی لیکن بھونچال کو پڑھ کر اسکی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور اب وہ قریب المرگ ہے۔ **میں**۔ سومترا ایک بیوقوف

لڑکی ہے۔ اگر وہ مرتی ہے تو میرا اس میں کیا قصور ہے؟ جنٹلمین۔ آپ کا بڑا بھاری قصور ہے۔ جب آپکو معلوم تھا
کہ وہ آپ پر جان دے رہی ہے تو آپنے دوسری جگہ شادی کا انتظام کیوں کیا؟ میں۔ معاف کیجیے میں اسکا
قائل نہیں ہوں۔ ان لڑکیوں کی یہ عادت ہے کہ اگر انسے باقاعدہ شادی کرنیکے لئے کہا جائے۔ تو وہ
یہ کہکر بات کو ٹالدینگی۔ کہ اگر ہم نے شادی کر لی۔ تو "بھائیا" ناراض ہو کر زہر کھا لیگا یا کنوئیں میں ڈوب
مریگا۔ بنا برین۔ وہ کھلم کھلا باقاعدہ شادی کرنے کی بجائے بے قاعدہ "پریم" جاری رکھنا پسند کرتی
ہیں جو شرم کی بات ہے۔ جنٹلمین۔ مگر سومترا تو باقاعدہ شادی کرنیکے لئے تیار ہے۔ میں۔ محض غلط
وہ جنگلی ہرن کی شکل میں رہنا چاہتی ہے۔ اور اسکا خیال ہے۔ کہ میں بھی اسی شکل میں رہوں +
جنٹلمین۔ لیکن اگر آپ نے اُسکے ساتھ شادی نہ کی تو اسکا خون آپکے سر ہوگا۔ میں۔ ہرگز نہیں۔
بلکہ اسکا خون اسکے سر ہوگا یا اسکے "بھائیا" اور رشتہ داروں کے سر ہوگا جو ہندوپن کی زنجیروں
میں جکڑے ہوئے ہونیکے باعث اسکو آزادانہ طریقہ پر شادی کرنیکی اجازت نہیں دیتے۔ جنٹلمین۔ خیر
ان باتوں کو جانے دیجیے۔ میں تو آپکے پاس سومترا کی طرف سے آخری پیغام لیکر آیا ہوں۔ میں۔ وہ کیا؟
جنٹلمین۔ وہ آپکو آخری مرتبہ دیکھنا چاہتی ہے۔ میں۔ اگر یہ بات ظاہر ہوگئی۔ کہ آپ دلالی کا کام کر رہے
ہیں۔ تو آپ کی کس قدر بدنامی ہوگی؟ جنٹلمین۔ اگر مرنے والے کو دم واپسین پر میرے ذریعہ تسلی ملجائے
تو مجھے بدنامی کا ڈر نہیں ہے ۔ یہ پراوپکار کا کام ہے۔ اسمیں اگر آپ کی بدنامی بھی ہو تو آپکو
پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ میں۔ میں ایسے پراوپکار سے باز آیا۔ جنٹلمین۔ اگر آپکی شکل دیکھنے سے
کسی کی آرزو پوری ہو سکتی ہو تو اس میں گناہ کیا ہے؟ میں۔ اگر شکل دیکھنے سے آرزو پوری ہو سکتی ہو تو
آپ میری فوٹو لیجا سکتے ہیں۔ جنٹلمین۔ فوٹو سے مطلب پورا نہیں ہو سکتا۔ میں۔ اگر فوٹو سے مطلب
پورا نہیں ہو سکتا۔ تو سمجھنا چاہیے کہ وہ مطلب ہی ایسا ہے۔ جو پورا نہیں ہونا چاہیے۔ جنٹلمین نے
قریباً ایک گھنٹہ تک اسکے متعلق گفتگو کی لیکن جب اسکو معلوم ہوگیا۔ کہ میں ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں
تو وہ مایوس ہو کر چلا گیا۔ لیکن اسکو "مریضہ" کے بچانے کا اسقدر فکر تھا۔ کہ اس نے جاتے کے ساتھ ہی اپنی
بیوی کو وہی پیغام دیکر بھیجا۔ جب اسکی بیوی بھی مایوس واپس گئی۔ تو وہ اپنے ساتھ ایک اور سہیلی کو لیکر دوسرے
آگئی جب انہوں نے "مریضہ" کی دلسوز الفاظ میں وکالت کی۔ تو میں نے بھی یہ خیال کر کے کہ اگر کسی
شخص کی زندگی محض میرے دیکھنے سے بچ سکتی ہو۔ یا دراز ہو سکتی ہو۔ تو میرا اسکے سامنے سے گذر
جانا گناہ نہیں ہوگا۔ چنانچہ میں نے وکیلوں کی دلائل کو سنکر "ہاں" کر دی۔ دوسرے روز وہی جنٹلمین
ایک بند فٹن میں مع دو دیویوں کے مجھے لیجانیکے لئے میرے مکان پر پہنچا۔ اندھیرا ہو چکا تھا۔ میں اسکے

ساتھ ہوا غش کے دروازے بند تھے۔ آخر کار ہم ایک ایسی جگہ پہنچے۔ جہاں پر "مریضہ" مع اپنی
سہیلیوں کے چشم براہ تھی مجھے دیکھکر اُس نے حسرت بھری آوازیں نکلنے کی۔ اور اُسپر غش طاری
ہوگیا۔ وہ گلاب کا سا چہرہ جو کسی وقت نہایت شگفتہ تھا کسی نامعلوم آگ کے ذریعہ جل چکا تھا۔
"مریضہ" کی سہیلیوں اور اس جنٹلمین نے کمرہ کو خالی کردیا جب مریضہ نے دوبارہ آنکھ کھولی۔ تو اُس نے
میرے سوائے کسی دوسرے کو کمرہ میں نہ دیکھکر اپنی دردناک داستان شروع کی۔ جو ہندو قانون۔
اور ہندو برادری کا بدترین نقشہ پیش کررہی تھی۔ اسکے والدین اور بھائیوں نے اسکے دل سے میرے
متعلق خیالات کو دور کرنیکے لئے جو جو سختیاں کیں۔ مریضہ نے انکا ذکر کیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ وہ آج کس
طرح اپنی سہیلیوں کے کندھے پر اس مکان میں پہنچی تھی۔ تنہائی کے یہ چند لمحے ایک ناولسٹ یا
ڈرامائسٹ کے قلم کو سنہری مضمون مہیا کرسکتے ہیں۔ مگر میں نے اس سے جو نتیجہ اخذ کیا۔ وہ یہ تھا کہ
ہندو سوسائٹی اور خاصکر آریہ سماج میں مردوں اور عورتوں کو جو آزادی حاصل ہے۔ اگر اسکے
ساتھ ہندو قانون بھی اسی قدر وسیع ہوتا۔ تو بہت سی روحوں کو قبل از وقت جسم سے علیحدہ
ہونے یا ہندو سوسائٹی سے کٹ جانے سے بچایا جاسکتا تھا مگر چونکہ ہندو قانون نہایت ہی
تنگ ہے۔ اسلئے ایسے "مریض" یا تو دم گھٹکر جان دے دیتے ہیں۔ یا وہ ہندو قانون کی پرواہ نہ کرکے
ہندوؤں سے کٹ جاتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں ہندوؤں کو نقصان پہنچتا ہے" مریضہ" کی سہیلیوں
کیطرف سے مجھے مشورہ دیا گیا کہ میں اسکو "بھگا" لیجاؤں۔ لیکن یہ ایک ایسا مشورہ تھا۔ کہ جسپر میں عمل کرنیکے
لئے تیار نہیں ہوسکتا تھا۔ دوسرا مشورہ یہ تھا کہ میں اسکے ساتھ شادی کرلوں لیکن ایک ہندو نژاد
لڑکی کیساتھ غیر ہندو نژاد کا شادی کرنا نہ صرف ہندو برادری کے نزدیک ہی معیوب تھا۔ بلکہ وہ ہندو قانون
کی نظر میں بھی ناجائز تھا۔ قانون کی اسی پیچیدگی کو حل کرنیکے لئے ایک ہندو نژاد لڑکی کو میں آزمائش کی
"صلیب" پر لٹکا چکا تھا۔ اور میں اس تجربہ کی خاطر دوسری لڑکی کو "صلیب" پر لٹکانیکے واسطے تیار نہیں تھا "مریضہ"
نے جب اپنے مرض کو لاعلاج پایا۔ تو اُسپر دوبارہ غش طاری ہوگیا۔ اور میں نے اُسکو اُسکی سہیلیوں اور خدا
کے سپرد کیا۔ تیسرے "دعویدار" نے زیادہ عقلمندی سے کام لیا۔ "مصلوب" ہونیکی بجائے اُس نے
مجھ سے استدعا کی کہ میں اسکے خطوط کو راز سربستہ رکھوں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ چوتھا دعویدار
وہ تھا جسکی قسمت میں "گیان پرکاش" کی ہیروئن بننا لکھا تھا۔ باقی کے دعویدار کھتری کل سے
تعلق رکھتے تھے۔ مگر چوتھے دعویدار کا تعلق برہمن کل سے تھا +

چھتیسویں فصل

گوروکل

ذات پات کو توڑ کر محض گن۔ کرم۔ سوبھاؤ کی بنا پر شادی کرنے اور شدھی کے کام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جو کوشش کی گئی۔ اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ذات پات کے علاوہ دوسرا بھوت جو آریہ سماج اور ہندو سوسائٹی کے سر پر سوار ہے۔ وہ چھوت چھات کا بھوت ہے۔ اِس بھوت کو آریہ سماج کے سر سے اتارنے کے لئے بہت دیر سے ہل چل ہو رہی تھی۔ لیکن اس ہل چل کو بنارس کے برہم بھوج نے اپنی انتہا پر پہنچا دیا بنارس میں میرے دوست پنڈت گنیش دیو شاستری نے چند نوجوان آریہ سماجیوں کو لیکر برہم بھوج کر ڈالا۔ اور اس میں ہندو۔ مسلمان۔ عیسائی۔ وغیرہ سب کو ایک لائن میں بٹھلا کر کھانا کھلا دیا۔ ذات پات کے حامی ہندوؤں نے اسکو اپنی ہتک سمجھا۔ اور اُن ہندوؤں کو جو اس میں شامل ہوئے تھے۔ برادری سے خارج کر دیا چونکہ خارج شدہ اصحاب میں سے چند ایک تعلیم یافتہ اور انگلستان سے واپس آئے ہوئے تھے۔ اسلئے انہوں نے اس مجلسی بائیکاٹ کو اپنی ہتک خیال کر کے عدالت میں باقاعدہ مقدمہ دائر کر دیا۔ مقدمہ کا دائر ہونا تھا کہ تمام ہندو سوسائٹی میں کولاہل مچ گیا۔ او کھان پان کے متعلق ہندو اور آریہ اخبارات میں مخالف و موالف زوردار مضامین نکلنے شروع ہو گئے اس بحث میں میں نے نمایاں حصہ لیا۔ اِس لئے کہ یہ بحث ہماری ہی پیدا کردہ اور ہمارے ہی مقصد کو لیکر تھی۔ آریہ سماج کے معدودے چند صاحبان کے سوائے باقی تمام آریہ پریس اور آریہ سماج نے اس معاملے میں ہماری اسی قسم کی مخالفت کی جس قسم کی مخالفت وہ شادی کی تجویز کے بارے میں کر چکے تھے۔ گو عدالت ماتحت میں ہمارے خیالات کی فتح ہوئی اور بائیکاٹ کرنیوالوں کے برخلاف ڈگری ہو گئی۔ مگر ہائی کورٹ نے عدالت ماتحت کے فیصلہ کو رد کر دیا۔ اور ہندو قانون کے مطابق چھوت چھات کو درست تسلیم کر کے ہندو برادری کی حرکت کو جائز تسلیم کیا جسکا دوسرا مطلب یہ تھا۔ کہ اگر ہندو سوسائٹی آریہ سماج کے ممبروں کو مسلمانوں یا عیسائیوں کے ساتھ کھان پان کرنے کی وجہ سے بائیکاٹ کر دے۔ تو

ہندو قانون ان کے اس فعل کو درست تسلیم کریگا۔ اور کہ آریہ سماج کا ہندو قانون کے ماتحت ہوتے ہوئے مسلمانوں اور عیسائیوں کے ساتھ کھانا پان کرنا ہندو قانون کے مطابق ناجائز ہے اسی اثنا میں بمبئی میں ایک ہندو کے ذات پات کو توڑ کر ایک برہمن بیوہ کے ساتھ شادی کر لینیکا مقدمہ در پیش تھا۔ یہ شادی گن۔ کرم۔ سوبھاؤ کو لیکر کی گئی تھی۔ عدالت نے ہندو قانون کے مطابق اس شادی کو قطعی ناجائز اور اس شادی کی اولاد کو چنڈال قرار دیا۔ ان دونوں مقدمات نے آریہ سماج میں ہماری مجلسی پروگرام کی دو ٹکہ موت کردی۔ اب ہم نہ تو آریہ سماج میں ذات پات کے برخلاف جنگ کر سکتے تھے۔ اور نہ ہی چھوت چھات کے برخلاف آواز اٹھا سکتے تھے اس لئے کہ آریہ سماج ہندو قانون کے ماتحت اور ہندو ہی تھا۔ اور ہندو قانون ذات پات کو توڑنے یا چھوت چھات کو اڑانے کے حق میں نہیں ہے۔ اب ہمارے لئے ذات پات یا چھوت چھات کے برخلاف لکھنا۔ یا شدھی کے حق میں آواز اٹھانا صریحاً حماقت تھا۔ ہمارا قلم ٹوٹ چکا تھا اور ہم مجلسی میدان میں اپنی موت تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہو چکے تھے۔ چنانچہ میں نے مسلمانوں یا عیسائیوں کے ساتھ بحث مباحثہ کی صف کو قطعی لپیٹ ڈالا۔ بلکہ جس قدر کتابیں میں انکے برخلاف لکھ چکا تھا۔ انکو بھی جلا دیا۔ اس لئے کہ جب غیر ہندوؤں کے لئے آریہ سماج کا دروازہ مجلسی نقطہ خیال سے قانوناً بند ہو چکا ہو۔ اس صورت میں انکے مذہب پر کوئی حملہ کرنا ہماری محض حماقت تھی۔ اسکے ساتھ ہی میں نے ناٹک کی زندگی بسر کرنا ترک کر دیا۔ اور اپنے جنگی ہتھیاروں کو جواب بیکار محض تھے پھینکدیا۔ اور لٹریری لائف یا علمی زندگی بسر کرنیکا پروگرام بنایا۔ چنانچہ اس پہلو میں کامیاب ہونیکے لئے میں نے ایک طرف تو یوروپ اور امریکہ کے فلاسفروں کا لٹریچر پڑھنا شروع کیا۔ دوسری طرف میں نے سوامی دیانند کے یجروید بھاش کا اردو میں ترجمہ کرنیکا اعلان کر دیا۔ مگر واہ رے قدر دانی یجروید بھاش کے ترجمہ کا اعلان ہونے کی دیر تھی۔ کہ گوروکل پارٹی نے اور خاصکر مہاتما منشی رام صاحب نے از سر نو میری مخالفت شروع کی۔ اس مخالفت میں انہوں نے نہایت ادنیٰ درجہ کے ہتھیاروں سے کام لیا۔ چونکہ میں اپنے ہفتہ وار اخبار کو جسکی اشاعت ڈھائی ہزار سے زیادہ تھی۔ بند کر چکا تھا۔ اور میرے ہاتھ میں اب سوائے ماہواری رسالہ کے دوسرا کوئی اخبار نہیں تھا اسلئے اب ان لوگوں نے قطعی نڈر ہو کر میرے برخلاف غلط فہمیوں کا طوفان برپا کر دیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ میں سوامی دیانند کے بھاش کا اردو میں ترجمہ کروں کیونکہ

اُن کے نزدیک ویدوں کا ترجمہ کرنا محض گورو کل کے برھمچاریوں کا کام تھا چنانچہ وہ آریاور ہند و پبلک سے یہی اپیل کر کے روپیہ مانگتے تھے۔ کہ گورو کل سے ویدوں کے سکالر پیدا ہونگے۔ صاف ظاہر ہے۔ کہ اگر ویدوں پر سے پردہ اُٹھ جائے تو گورو کل کے سکالروں کی مانگ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ گورو کل پارٹی نے مہاتما منشی رام جی کی معیت میں اس موقع پر میری مخالفت شروع کی۔ یہاں تک کہ ان ہی ایام میں جبکہ میں کسولی کے پہاڑ پر بیٹھا ہوا ترجمہ کا کام کر رہا تھا۔ مجھے ایک دو روز کے لئے شملہ جانا پڑا جہاں پر کہ آریہ سماج کے بڑے بڑے سنیاسی مہاتما موجود تھے۔ میں نے اُنکے سامنے اس بات کو پیش کیا کہ یجروید کے فلاں منتر کا ترجمہ جو سوامی دیانند نے کیا ہے۔ اس میں جانوروں کی قربانی کا ذکر ہے۔ ابھی مہاسبھی مہاتماؤں نے اس منتر پر غور بھی نہیں کیا تھا۔ کہ مہاتما منشی رام صاحب نے آگ بگولا ہو کر مجھے گالیاں دینی شروع کر دیں۔ میں جانتا تھا کہ مہاتما جی کے جھلانے کا کیا مطلب ہے چنانچہ انکی گالیوں کی پرواہ نہ کر کے میں نے ترجمہ کے کام کو برابر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ تمام یجروید کا ترجمہ اُردو میں مکمل ہو گیا۔ اب مجھے فرصت مل گئی۔ کہ میں گورو کل پارٹی اور خاصکر مہاتما منشی رام صاحب سے ان کی بدعنوانیوں کے لئے باز پرس کرتا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے میں نے پہلے اپنے ماہواری رسالہ کو ہفتہ وار اخبار کی شکل میں تبدیل کر ڈالا۔ میں جانتا تھا کہ گورو کل پارٹی کا اور مہاتما منشی رام کا تمام زور گورو کل کو لیکر ہے۔ یہی وہ کھونٹا ہے۔ جسکے بل بوتے پر مہاتما صاحب ہر کس و ناکس کو روندتے پھرتے ہیں۔ یہی وہ کچکول ہے جسکو ہاتھ میں لیکر مہاتما صاحب قومی گدا بنے ہوئے ہیں اگر اس کھونٹے کی یا اس کچکول کی حقیقت کو طشت از بام کر دیا جاوے تو مہاتما صاحب کی حرارت اعتدال پر آجائیگی۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے میں نے بہت زبردست گولہ بارود جمع کیا۔ جب میرا توپخانہ کیل کانٹے سے لیس ہو گیا تو میں نے ۵ جنوری ۱۹۱۲ء کو "ویدوں کا پرچار اور چند سنجیدہ وچار" کی سرخی جما کر گورو کل پر ۱۲ صفحہ کا گولہ چھوڑا۔ اس "سبب" میں آریہ سماج کے بہت پرانے کارکن پنڈت ہانسی رام صاحب گورنمنٹ پنشنر وزیرآباد کا گورو کل کے متعلق دستخطی مضمون ٹھونسا گیا تھا چونکہ پنڈت صاحب موصوف کے دو فرزند گورو کل میں تعلیم پاتے تھے جن میں سے ایک سب سے بڑی جماعت میں تھا۔ اور ان دونوں لڑکوں کے ساتھ مہاتما صاحب موصوف نے سخت بیرحمی کا سلوک کیا تھا۔ اور وہ دونوں لڑکے گورو کل سے نکل آئے تھے۔ بنابریں پنڈت صاحب

موصوف کا مضمون نہایت ہی سنسنی پھیلانے والا ثابت ہوا ابھی یہ مضمون آگ ہی لگا رہا تھا۔ کہ دوسرے ہفتہ اس سے بھی زیادہ خطرناک مضمون شائع ہوا جس میں وزیرآباد آریہ سماج کے کارکنوں کی طرف سے گورو کل کی اندرونی حالت پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ اور بعض خطرناک خطوط کے ذریعہ اسکو تقویت دی گئی تھی۔ ابھی یہ دو ہی گولے گورو کل پر پڑے تھے کہ مہاتما صاحب موصوف تمام ادی ستی بھول کر گورو کل سے بھاگے ہوئے لاہور پہنچے۔ ابھی وہ قلم اٹھانے نہیں پائے تھے کہ تیسرا گولا پہلے دونوں مضامین سے بھی زیادہ بھاری انکے سر پر پڑا اس مضمون میں لائل پور کے آریہ لیڈر مہتہ جیمنی بی۔ اے۔ لالہ متھراداس صاحب۔ ڈاکٹر ہیرالال صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور اور ڈاکٹر گوپالداس صاحب لاہور کے سرٹیفکیٹ اور آریہ سماج کے چند لیڈروں کے خطوط گورو کل کی ردی حالت کے بارے میں درج کئے گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ آریہ سماج کا بچہ بچہ گورو کل اور مہاتما صاحب کا دشمن بنا بیٹھا ہے۔ ان مضامین کے نکلنے کی دیر تھی۔ کہ چاروں طرف سے میرے پاس گورو کل کی اندرونی حالت کے متعلق خطوط اور تصاویر پہنچنے لگ گئیں۔ مہاتما صاحب نے اس گولہ باری کو روکنے کے لئے اپنے قلم کو جنبش دی۔ مگر تاب کے۔ ایک خفیف سا ڈیفنس کر کے رہ گئے۔ چوتھے نمبر میں پنڈت آتمارام صاحب ویدی کا جنکے چار لڑکے گورو کل میں تعلیم پاتے تھے نہایت زوردار مضمون شائع ہوا۔ اسکو پڑھ کر مہاتما صاحب کے رہے سہے اوسان بھی اڑ گئے۔ اب وہ قلم کو پھینک کر عدالتی چارہ جوئی کی دھمکی دینے پر اتر پڑے لیکن جب دوسرے پرچہ میں ان کو چیلنج دیا گیا۔ کہ اگر وہ کچھ ستری ہیں تو انکو ضرور عدالت میں جانا چاہئے۔ تو وہ ادھر سے بھی جی اس باختہ ہو کر پلٹے۔ چھٹے مضمون میں آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب کے سکرٹری لالہ کانشی رام وید کا ایک نہایت ہی زبردست مضمون شائع ہوا جس میں گورو کل کا نگڑی کے حساب کتاب پر روشنی ڈالی گئی تھی اس مضمون کے ساتھ ہی آریہ سماج کے پتا مہاتما لالہ جیونداس صاحب گورنمنٹ پنشنر لاہور کا بھی مضمون نکلا جس میں انہوں نے مہاتما منشی رام کو کذب بیانیوں کا مرتکب ثابت کیا تھا۔ ساتویں اور آٹھویں مضمون میں گورو کل کی اندرونی حالت کے بارے میں بعض ایسے خطوط شائع کئے گئے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ گورو کل کے لڑکے بدترین قسم کے عیوب میں مبتلا ہیں۔ نویں مضمون میں اس بات کو ثابت کرنے کے لئے واقعات پیش کئے گئے تھے کہ گورو کل کے لڑکوں میں مفسدانہ خیالات بھرے جاتے ہیں۔ غرضیکہ اسی قسم کے ایک درجن مضامین کی گولہ باری گورو کل پر کی گئی۔ اردو اخبارات کی دنیا بھی اس گولہ باری کی لپیٹ میں آگئی سوائے

دو تین اخبارات کے سوا ہر ایک اردو اخبارات نے ان مضامین کی تائید کی۔ اور بعض نے انکے اقتباسات اپنے اپنے کالموں میں شائع کئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مہاتما صاحب کی وہ بزرگی جو گوروکل کی بدولت تھی اور گوروکل کا وہ خیالی خوبصورت نقشہ جو پبلک کے سامنے پیش کیا جاتا تھا ان مضامین کے شائع ہونے سے خاک میں مل گیا۔ اور گوروکل آسمانی کالج کی بجائے زمین کی معمولی پاٹھ شالاؤں کے درجے پر آ گیا۔ اور سمجھدار اصحاب نے اپنے لڑکوں کو گوروکل سے نکالکر دوسرے سکولوں یا کالجوں میں داخل کر دیا۔ جن لوگوں نے ان مضامین کی صداقت پر شبہ کیا تھا۔ کچھ دیر کے بعد جب انہوں نے گوروکل سے ڈگری یافتہ نوجوانوں کو دیکھا تو وہ ان مضامین کی تصدیق کرنیکے لئے مجبور ہوئے مہاتما صاحب موصوف نے میرے لٹریری کام کے راستے میں جو بلاوجہ روڑا اٹکانا چاہا تھا جب وہ روڑا دور ہو گیا۔ تو میں نے از سرِ نو علمی شغل شروع کر دیا چنانچہ یجروید کے ترجمہ کے علاوہ اب میں نے سوامی دیانند کا اصلی ستیارتھ پرکاش بھی اردو میں چھاپ ڈالا چونکہ اس کتاب میں سوامی دیانند نے گائے بیل کی قربانی اور گوشت خوری کے حق میں دلائل دیئے ہیں اور اس کتاب میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے کھنڈن کے سمولاس بھی موجود نہیں ہیں۔ بنابریں اس کتاب کے دوبارہ شائع ہونیکو آریہ سماج نے اپنے مقاصد کے برخلاف پاکر ایکدفعہ پھر مخالفت شروع کی۔ لیکن اس مرتبہ انکی مخالفت نقطی خفیف تھی۔ انکی اس مخالفت کا جواب دینے کے لئے میں نے انکی مرتبہ لاہور میں الگ آریہ سماج قائم کر ڈالا۔ جسکے ممبروں سے گورنمنٹ کا وفادار رہنے اور پالیٹکس سے پرہیز کرنیکے فارم پر دستخط کروائے جاتے تھے۔ ہم نے آریہ سماج کی دونوں پارٹیوں کو اس فارم پر دستخط کرنیکے لئے چیلنج دیا۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا جس پر ہمیں دونوں پارٹیوں کو لتاڑنے کا بہت سنہری موقع مل گیا۔ ان ہی دنوں میں ہمارے سماج کے نام کمشنر صاحب مردم شماری کی چٹھی آئی جس میں پوچھا گیا تھا۔ کہ تمہارے سماج میں اور دیگر سماجوں میں کیا فرق ہے ہمارے سماج نے علاوہ دیگر فرق بتانیکے ایک فرق یہ بتایا کہ ہمارے ممبر گورنمنٹ کے وفادار رہنے اور پالیٹکس سے پرہیز کرنے کے فارم پر دستخط کرتے ہیں لیکن باقی دونوں پارٹیاں اس فارم پر دستخط کرنے سے منکر بلکہ مخالف ہیں۔ اس خط کتابت کا نتیجہ یہ ہوا کہ گورنمنٹ نے مردم شماری کی رپورٹ میں ہماری پارٹی کو آریہ سماج کی تیسری پارٹی کے نام سے یاد کیا۔ اس رپورٹ کے شائع ہونے پر آریہ سماج میں از سرِ نو تہلکہ مچ گیا۔ اور انہوں نے زور شور سے رزلیوشن پاس کیئے۔ اور ڈیپوٹیشن بھیجے کہ گورنمنٹ نے دھرمپال کی پارٹی کو آریہ سماج کی تیسری پارٹی تسلیم کر کے ہماری دل آزاری کی ہے۔ ان سطور کو رپورٹ میں سے خارج کر دینا چاہیئے مگر گورنمنٹ نے ان کے رزولیوشنوں یا انکے ڈیپوٹیشنوں کا نفی میں جواب دیا۔

سینتیسویں فصل

ریشنلزم

اس وقت تک آریہ سماج کے متعلق جس قدر بیان کیا جا چکا ہے۔ اس سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ آریہ سماج میں داخل ہوتے کے ساتھ ہی میں نے اسکو میدان کارزار دیکھا اور جتنی مدت میں آریہ سماج میں رہا۔ مجھے ایک دن بھی امن کی زندگی بسر کرنی نصیب نہ ہوئی۔ اس جنگ وجدل کی بڑی بھاری وجہ یہ تھی کہ آریہ سماج میں سوامی دیانند کی طرح قول وفعل کی مطابقت نہیں تھی۔ میں چاہتا تھا کہ قول وفعل میں مطابقت ہو۔ اسی بنا پر آریہ سماج میں چاروں طرف سے مخالفت ہو رہی تھی۔ مگر باوجود اس مخالفت کے میں نے اصلاح کا کام شروع کیا مگر جس ہندو قانون کے آریہ سماج ماتحت ہے۔ وہ ایسا تنگ دائرہ رکھتا ہے۔ کہ جس میں کسی قسم کی اصلاح کی گنجایش نہیں ہے یہی وجہ تھی کہ ذات پات اور چھوت چھات کو توڑنے اور شدھی کو عملی جامہ پہنانے کے متعلق میں نے جس قدر کوشش کی وہ تمام ناکامیاب ثابت ہوئی۔ اگر اس کوشش کا کوئی نتیجہ نکلا۔ تو صرف اس قدر کہ آریہ سماج بہ حیثیت مجموعی میرا مخالف بلکہ دشمن ہو گیا یہ مخالفت یا دشمنی کچھ حقیقت نہیں رکھ سکتی تھی۔ اگر دوسری طرف کامیابی کے لئے کچھ بھی گنجایش ہوتی مگر افسوس یہ تھا۔ کہ آریہ سماج ہندوازم کے بندرگاہ میں لنگر انداز تھا۔ جب تک ہندوازم کے بندرگاہ سے اسکے لنگر کو کاٹ کر باہر نہ نکالا جاتا تب تک اس میں اس قسم کی کوئی اصلاح کامیاب نہیں ہو سکتی تھی جو کہ ہم کرنا چاہتے تھے۔ مگر آریہ سماج کے لیڈر اس خطرے سے جو کہ ہندوازم کے بندرگاہ سے الگ ہو کر انکے سامنے آسکتا تھا بخوبی آگاہ تھے۔ بنابریں ہزار جد وجہد کے باوجود وہ ٹس سے مس نہ ہوئے یہی ایک قانونی پائنٹ تھا۔ جو ان کے حق میں اور ہمارے مخالف جاتا تھا صاف ظاہر ہے کہ اس پائنٹ کا ہمارے ہاتھ میں سوائے اسکے اور کوئی علاج نہیں ہو سکتا تھا کہ ہم ہندو قانون کی ماتحتی سے نکل جائیں۔ مگر ہندو قانون کی ماتحتی سے نکلکر آریہ سماج پر ہمارا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا تھا۔ الغرض ہمیں اپنی اصلاح کے کام میں یا پرانی مشکوں میں نئی شراب بھرنے کے عمل میں کسی پہلو سے بھی کامیابی کی صورت نظر نہیں آتی تھی ہم تحریر وتقریر کے

میدان میں مخالفوں کے دھوئیں اُڑا دیتے تھے۔ مگر ہندو قانون کے سامنے ہماری ہر ایک فتح شکست کی صورت میں بدل جاتی تھی۔ ہندو قانون کی موجودگی میں آریہ سماج میرے لئے اور میں آریہ سماج کے لئے مجلسی نقطہ خیال سے مُردہ تھے۔ اگر آریہ سماج کو میری ذات سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ تو صرف اسقدر کہ میں اُس کے ممبروں کی تعداد میں مردم شماری کے وقت ایک ممبر کا اضافہ کر دوں اور اگر مجھے آریہ سماج سے کوئی فائدہ پہنچ سکتا تھا تو صرف "نیوگ" کا جسکا کہ اس کی شریعت کے ماتحت رہتے ہوئے مجھے اخلاقی حق حاصل تھا۔ اگر بغور دیکھا جاوے تو ایسے شخص کی زندگی جسکو ہر وقت میدان کارزار میں رہنا پڑے وبال جان ہو جائے۔ اگر اسکو رزم کے ساتھ بزم کے سامان ایک منٹ کے لئے بھی نصیب نہ ہوں میں اپنی جان پر ظلم کرنیوالا اور سخت احمق ہوتا۔ اگر میں رات دن میدان رزم میں رہتا ہوا بزم کے ان حقوق سے فائدہ نہ اُٹھاتا۔ جو کہ اس شریعت نے جسکے کہ میں ماتحت تھا۔ میرے لئے جائز کر دئے تھے۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ آریہ سماج میں بطور ایک نائٹ کے زندگی بسر کرنیکے لئے جسکو کہ اپنا "بارود" ہر وقت خشک رکھنا پڑتا ہو۔ "نیوگ" کا مسئلہ میرے لئے مونس و غمگسار ثابت ہوا۔ آریہ سماج کی طرف سے میری دھواں دھار مخالفت کے تاریک بادلوں کے ارد گرد یہی ایک روپہری دھاری تھی۔ مجھے اس بات کے ماننے میں کوئی جھجک معلوم نہیں ہوتی کہ آریہ سماج میں آکر سالہا سال تک میں اصولاً نہ صرف نیوگ کے حق میں رہا۔ بلکہ میں نے اُس کی تائید میں مضامین بھی لکھے اگرچہ میں اُن فروعات کے ساتھ جو سوامی دیانند نے نیوگ کے متعلق بیان کی ہیں۔ اتفاق نہیں کرتا تھا۔ مگر میں اصولاً اس بات کو درست سمجھتا تھا کہ اگر ایک شخص کے پاس کاشتکاری کا سامان نکما پڑا ہو۔ اور اسکی اپنی زمین کوئی نہ ہو تو اُس کو اپنے ہمسایہ کی ایسی درخواست کو ماننے سے انکار نہیں کرنا چاہئے۔ کہ میرے پاس زمین تو زرخیز ہے مگر کاشتکاری کا سامان نہ ہونے کی وجہ سے نکمی پڑی ہے یا اگر کچھ سامان ہے بھی۔ تو وہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ اِدھر آپ کے پاس کاشتکاری کا سامان نکما پڑا ہے۔ اور آپکے پاس زمین بھی نہیں ہے۔ اِسلئے آپ میری زمین کو کاشت کریں۔ اور اگر وہ شخص اِسبات کو منظور کرے تو پولیٹیکل اکانومی یا علم اقتصاد کے اصولوں کے مطابق اِس میں فریقین کا فائدہ ہے۔ لیکن اگر فریقین میں سے دونوں کے پاس کاشتکاری کا سامان اور زمین موجود ہے۔ تو اس صورت میں ایک کاشتکار کو اپنی زمین کی کاشت نظر انداز کر کے ہمسایہ کی زمین کو کاشت کرنے دوڑنا اپنی زمین کے حق میں بہتر نتیجہ پیدا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ بالکل ممکن ہے کہ وہ اپنی

کاشتکاری کی تمام طاقت کو ہمسایہ کی زمین کاشت کرنے میں صرف کر ڈالے اور جب اُس کی اپنی زمین کی کاشت کی نوبت آئے تو وہ اُس کو کاشت کرنے سے رہ جائے۔ اس صورت میں وہ اپنے گھر میں کاشتکاری کا سامان ہونے کے باوجود دوسرے لوگوں سے یہ درخواست کرتا پھرے۔ کہ تم آکر میری زمین کو کاشت کرو۔ کیونکہ میں ہمسایہ کی زمین کاشت کرنے کی وجہ سے درماندہ ہو گیا ہوں۔ اِس طرح وہ دوسرے لوگوں کو اپنے اوپر یہ مخول کرنیکا موقع دیگا۔ کہ تو سخت احمق ہے جو اپنی زمین کو چھوڑ کر دوسروں کی کاشتکاری کرتا پھرا۔ اس قسم کی حماقت کے فعل کے متعلق سوامی دیانند نے بھی ستیارتھ پرکاش میں نیوگ کے بیان میں لکھا ہے۔ کہ

"کسان یا مالی جاہل ہو کر بھی اپنے کھیت یا باغیچہ کے سوائے اور کہیں بیج نہیں بوتے۔ جبکہ معمولی بیج اور جاہل کا ایسا دستور ہے۔ تو جو شخص سب سے اعلیٰ انسانی بیج کو بُرے کھیت میں بوتا ہے وہ بھاری بیوقوف کہاتا ہے کیونکہ اُس کا پھل اُسکو نہیں ملتا" ۔ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۴۷

علم اقتصاد کے مذکورہ بالا اصول کی بناء پر نیوگ کے متعلق میرا یہ خیال تھا۔ کہ شادی شدہ مرد یا عورت کو کسی دوسرے شادی شدہ مرد یا عورت سے نیوگ نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ اگر نیوگ کی ضرورت ہو تو ایک شادی شدہ عورت کو کسی رنڈوے یا کنوارے سے نیوگ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ رنڈوے یا کنوارے کی اپنی کوئی زمین یا عورت نہیں ہوتی۔ کہ جسکو کاشت کرے یا جس میں اولاد پیدا کرنے کی حق تلفی کا اندیشہ ہو اسی طرح اگر شادی شدہ مرد کو نیوگ کی ضرورت ہو تو اُسکو کسی خاوندوالی عورت سے نیوگ نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ کسی کنواری یا بیوہ سے نیوگ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ کنواری یا بیوہ کا کوئی خاوند نہیں ہوتا۔ کہ جس کے حقوق کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ نیوگ کے متعلق میری مذکورہ بالا پوزیشن ایک اقتصادی اصول کو لیکر تھی۔ کیونکہ اس میں فریقین میں سے کسی کے حقوق کے تلف ہونے کا اندیشہ نہیں تھا جبکہ سوامی دیانند نے اپنے طریقہ نیوگ میں کنواروں اور کنواریوں کو خارج کر کے محض رنڈوؤں اور بیواؤں یا عورت والے خاوند سے خاوندوالی عورت کا اور خاوندوالی عورت سے عورت والے خاوند کا نیوگ جائز قرار دیکر اِس مسئلہ کو ایک دوسرے کے حقوق کو تلف کر دینے کا ذریعہ بنا دیا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ سوامی دیانند کے طریقہ نیوگ کو عملی جامہ پہنائے جانے کے حق میں رکاوٹیں آگئیں۔ جن کا اگرچہ مجھے بطور ایک غیر شادی شدہ ہونے کے ذاتی طور

پر کوئی تجربہ نہیں ہوا۔ تاہم شادی شدہ اصحاب نے اپنے عمل سے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ سوامی دیانند کا طریقہ نیوگ ناقابل عمل ہے۔ مگر میں نے جس طریقہ پر عمل کیا وہ اقتصادی نقطہ خیال سے ایسا مفید ثابت ہوا کہ مجھے یا فریق ثانی کو اس طریقہ پر عمل کرنے سے کسی قسم کی دقت کا سامان نہیں ہوا۔ نہ ہی اس طریقہ پر عمل کرنے سے فریقین میں سے کسی نے دوسرے کی حق تلفی کی۔ لیکن جب میں نے "جنگی" ہتھیاروں کو پھینک کر اور نائٹ کی زندگی کو خیرباد کہکر یورپ اور امریکہ کے لٹریچر کا مطالعہ شروع کیا۔ اور رشنیلزم نے میرے خیالات میں انقلاب پیدا کر دیا۔ تو آریہ سماج کی شریعت بھی میرے لئے کشش کی چیز نہ رہی۔ اور میں نے سب سے پہلی کتاب نومبر ۱۹۱۲ء میں آریہ سماج کی شریعت کی کتاب وید مقدس کے متعلق "ویداور سوامی دیانند" کے نام سے شائع کی۔ جس میں میں نے سوامی دیانند کے ہی پیش کردہ معیار کی بنا پر ویدوں کے الہامی ہونے سے انکار کر دیا۔ چونکہ رشنیلزم نے میرے خیالات میں متانت اور سنجیدگی پیدا کر دی تھی۔ بنابریں میں نے ویدوں کے متعلق اپنے خیالات کا نہایت ہی متانت اور سنجیدگی سے اظہار کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ویدوں کے متعلق میری پہلی ہی کتاب قطعی لاجواب ثابت ہوئی۔ اس کے بعد میں نے آریہ سماج کے سدھانت آواگون یا تناسخ کے متعلق دوسری کتاب شائع کی۔ جسکا نام "تناسخ چکر اور سوامی دیانند" رکھا گیا۔ اس کتاب میں میں نے آریہ سماج کی مستند کتب کے حوالہ جات سے اس بات کو ثابت کیا۔ کہ آواگون یا تناسخ کو مان کر ہم کسی صورت میں بھی خدا پرست نہیں ہو سکتے بلکہ ہمارا اور ہماری دنیا کا دور ہمارے خدا اور اس کی خدائی کا تمام دارومدار گناہ پر رہ جاتا ہے۔ اس لئے کہ اگر دنیا سے گناہ نابود ہو جائے تو خدا مع اپنی خدائی کے نابود ہو جاتا ہے۔ تناسخ کے عقیدہ کے غلط ہونے کے بارے میں اس کتاب میں جن دلائل سے کام لیا گیا۔ اور جو واقعات پیش کئے گئے۔ وہ قطعی لاجواب ثابت ہوئے اسی مسئلہ کا دوسرا حصہ "فتوح البرہان" کے نام سے شائع کیا گیا۔ جس میں واقعات کی بنا پر اس بات کو پیش کیا گیا کہ اگر تناسخ درست مان لیا جاوے۔ تو سوامی دیانند انسانی جامہ میں نہیں بلکہ کیڑے کوڑوں کی جون میں جانے کے قابل ٹھہرتا ہے۔ مسئلے کے اس منفی پہلو کے علاوہ رشنیلزم روح کی آئندہ زندگی کے بارے میں ہمارے

سامنے جو واقعات پیش کرتا ہے۔ اُن کو بھی یوروپ اور امریکہ کے بڑے بڑے فلاسفروں اور سائنس والوں کے تجربات و مشاہدات کی بنا پر پیش کیا گیا۔ پہلی کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی لاجواب ثابت ہوئی۔ اس کے بعد میں نے نیوگ کے متعلق قلم اُٹھایا۔ اور "نیوگ اور سوامی دیانند" کے نام سے کتاب لکھکر آریہ سماج کے پیش کی۔ جو بالکل لاجواب ثابت ہوئی۔ اسی سلسلہ میں میں نے "آریہ سماج اور سوامی دیانند" نامی کتاب لکھ ڈالی۔ سوامی دیانند کی تعلیم میں اب مجھے کسی قسم کی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ مگر آریہ سماج کے دس اصولوں کو میں اب بھی اپنے سامنے رکھتا تھا۔ لیکن یہ دس اصول جہاں تک کہ ان کا آریہ سماج سے تعلق تھا۔ مجھے کسی قسم کی مدد نہیں دے سکتے تھے۔ اور نہ ہی وہ میری کسی مجلسی مشکل کو حل کرنے میں کام آسکتے تھے۔ ویدوں اور سوامی دیانند اور آریہ سماج کے بارے میں اس قدر لٹریچر پیدا کر دینے کے بعد اگر میرے اور آریہ سماج کے درمیان کوئی چیز مشترکہ تھی تو وہی دس اصول تھے۔ مگر یہ ایک کچا دھاگا تھا۔ جو مجھے اور آریہ سماج کو باندھ رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کچا دھاگا دیرپا نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ وقت نزدیک آرہا تھا۔ جبکہ یہ کچا دھاگا بھی ٹوٹ جائے۔ آریہ سماج کی طرف سے میری تحریروں کا اگر کوئی جواب دیا جاتا تھا۔ تو صرف یہی کہ چونکہ میری شادی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے میں آریہ سماج کے مخالف لکھنے لگ گیا ہوں۔ یہ ایک سفیہانہ لباس تھا۔ جو کہ وہ اپنی مجلسی اور مذہبی کمزوری کو چھپانے کے لئے پہن سکتے تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا۔ کہ وہ ایک ریشنلسٹ کے مقابلہ پر اس لباس میں اپنی کمزوری کو چھپائیں۔ چنانچہ میں نے اُن کے بدن پر سے یہ آخری چیتھڑا بھی اتار ڈالنا چاہا۔ اور میں نے اُن "دعویداروں" میں سے جن کا ذکر میں پیچھے کر چکا ہوں۔ جو تھے "دعویدار" کے ساتھ سوئمبر طریقہ پر شادی کرلی۔ اگر میں کھشتری کل میں شادی کر لیتا۔ تو شاید میرا کیس اتنا زبردست ثابت نہ ہوتا۔ جتنا کہ برہمن کل میں شادی کرنے سے ہو گیا۔ اب ایک طرف تو مسٹر سکھرائے چند اور رکماشی بائی کا مقدمہ تھا جس میں رائے چند جنم کا ہندو مگر غیر برہمن تھا۔ اور رکماشی بائی جنم کی برہمن بیوہ تھی۔ مگر بمبئی کی ہائی کورٹ نے اس شادی کو ناجائز اور ان کی اولاد کو چنڈال قرار دیا تھا۔ دوسری طرف میرا کیس تھا میں جنم سے مسلمان مگر شریمتی گیان دیوی جی جنم سے برہمن بیوہ تھیں۔ اب سوال پیدا

ہوا۔ کہ آریہ سماج جس ہندو قانون کے ماتحت ہے وہ ہندو قانون اس شادی پر کیا فتویٰ دیتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ہندو قانون کی نظر میں یہ شادی قطعی ناجائز اور اس شادی کی اولاد مہا چنڈال ٹھہرتی ہے۔ اس گتھی کو سلجھانے کے لئے اور آریہ سماج کی ”شدھی“ کے بارے میں نازک پوزیشن کو ان پر ظاہر کرنے کے لئے میں نے ”گیان پرکاش“ شائع کی۔ جسکا جواب آریہ پریس نے سوائے اسکے اور کوئی نہ دیا۔ کہ گورنمنٹ اس کتاب کو ضبط کرے۔ اور اس کے مصنف پر مقدمہ چلایا جاوے۔ میری مجلسی مشکل کا یہ کوئی حل نہیں تھا۔ بلکہ مجھے ایک مصیبت سے نجات دلانے کی بجائے دوسری آفت میں پھنسا دیا تھا۔ گو یہ مسئلہ آریہ سماج کی زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ مگر یہ مسئلہ میری بھی زندگی اور موت کا مسئلہ تھا۔ کیونکہ ایک طرف تو مجلسی نقطہ خیال سے ہندو قانون نے میرے لئے آریہ سماج میں جذب ہونے کی کوئی گنجایش نہیں چھوڑی تھی اس لئے کہ آریہ سماج اسی ہندو قانون کے ماتحت تھا۔ دوسری طرف رشنلزم کے لٹریچر نے مجھے آریہ سماج کی اپنی شریعت کا جوا کندھے سے اتار ڈالنے کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ گویا اب مذہبی اور مجلسی نقطہ خیال سے آریہ سماج کی زمین میرے لئے قطعی تنگ ہو گئی۔ میرے لئے یہ نہایت ہی خطرناک اور نہایت ہی نازک وقت تھا۔ میں اپنی مجلسی مشکل سے گھبرا کر اپنی دماغی آزادی کو فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اور نہ ہی میں اپنی دماغی آزادی کی خاطر اپنی آنیوالی اولاد کے گلے میں لعنت کا طوق ڈالنے کے لئے تیار تھا۔ میں کسی ایسی سوسائٹی کی تلاش میں تھا۔ جو میری دماغی آزادی کو برقرار رکھتی ہوئی میری مجلسی مشکلات کو حل کر دے۔ میں ایسی ہی کسی سوسائٹی کے مذہبی قانون کے سامنے سر جھکانے کی فکر کر رہا تھا۔ اور میری نظر زیادہ تر مسیحی سوسائٹی کی طرف جاتی تھی۔ خود میرا اور میری بیوی کا رجحان بھی اسی طرف تھا۔ مگر کیا مسیحی سوسائٹی اور مسیحیت میں ایک رشنلسٹ کے لئے جگہ مل سکتی تھی یا نہیں۔ یہ سوال تھا۔ جسکے ہاں یا نہیں جواب ملنے پر میرے فیصلہ کا دارمدار تھا۔ مجھے اس سوال کا کیا جواب ملا۔ اسکا ذکر اگلے پرچہ میں کیا جاویگا۔

نوٹ

آریہ سماج کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بطور مختصر نوٹوں کے ہے مفصل لکھنے کیلئے اس کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ مصنف

اصلی ستیارتھ پرکاش

مطبوعہ

بنارس ۱۸۷۵ء

یہ کتاب بالکل نایاب تھی۔ کیونکہ ایک ہی دفعہ چھپکر رہ گئی تھی۔ یہ کتاب سوامی دیانند کی زندگی میں چھپی تھی۔ اور سوامی دیانند نے اس کی بعض غلطیوں کی اپنی زندگی میں ہی اصلاح کردی تھی۔ مگر سوامی جی کے مرنیکے بعد یہ کتاب دوبارہ نہیں چھپی۔ بلکہ اس کی جسقدر کاپیاں تھیں اُن کو بھی نیست و نابود کرنے کی کوشش جاری رہی۔ اس نادر کتاب کو صفحہ ہستی پر قائم رکھنے کے لئے ایڈیٹر اندر نے اس کا لفظ بہ لفظ اُردو ایڈیشن شائع کردیا۔ خوبی کی بات یہ ہے کہ اس کتاب میں نہ تو مسلمانوں کے کھنڈن کا سمولاس ہے۔ نہ ہی عیسائیوں کے کھنڈن کا۔ نہ ہی اس میں سکھوں کے مقدس گوروؤں کے لئے وہ نازیبا الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو کہ آجکل کی مروجہ ستیارتھ پرکاش میں دیکھے جاتے ہیں۔ بلکہ اس کتاب میں مسلمانوں اور عیسائیوں کو بھلا آدمی بتایا گیا ہے۔ اور اُن کے ساتھ کھلم کھلا کھانے پینے اور بیاہ شادی کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس کتاب میں یہ بھی ذکر آتا ہے کہ یگیہ میں جانوروں کی قربانی کرنی چاہئیے۔ اور بیل۔ گائے۔ بھیڑ۔ بکری وغیرہ کو یگیہ کے موقع پر ذبح کرنا کوئی پاپ نہیں ہے۔ اس بات کی تائید میں سوامی دیانند نے پُرانے شاستروں کے حوالے بھی دیئے ہیں مُردہ پتروں کے شرادھ کے حق میں جو دلائل اس کتاب میں دیئے ہیں۔ وہ قابلِ مطالعہ ہیں۔ الغرض یہ کتاب ہندو۔ مسلمان۔ سکھ۔ عیسائی۔ جینی۔ بدھ سب کے مطالعہ کے لائق ہے۔ اس کتاب کو پڑھکر کم از کم اتنا پتہ تو ضرور لگ جاتا ہے کہ سوامی دیانند کا اصلی منشاء کیا تھا۔ ہندی میں اس کتاب کی قیمت تین روپے تھی۔ لیکن اردو ایڈیشن کی قیمت بلا محصول عہ ہے +

تمام درخواستیں اس پتہ پر آنی چاہئیں +

مینیجر "المسلم"۔ لودیانہ

دیانندی قلعہ پر گولہ باری

از غازی محمود - دھرم پال بی - اے

۱- ویداور سوامی دیانند - اِس میں سوامی دیانند کے ہی پیش کردہ معیار اور اُنکے وید بھاشیہ کی بنا پر ویدوں کو بدترین کتب ثابت کیا گیا ہے - اِس کتاب نے دیانندی فرقہ کے مُنہ پر ایسی مُہر لگادی ہے کہ جب تک وہ ویداور سوامی دیانند دونوں میں سے ایک سے دست بردار نہ ہوجائیں ہرگز ہرگز نہیں ٹوٹ سکتی قیمت ۶ر +

۲- تناسخ چکراور سوامی دیانند - اِس میں وید - منوسمرتی - ستیارتھ پرکاش اور دیگر مستند کتب کے حوالجات سے اِس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ تناسخ کے ماننے کی صورت میں سوامی دیانند کو خداپرست نہیں کہا جاسکتا بالکل لاجواب ہے

۳- اصلی ستیارتھ پرکاش - مطبوعہ بنارس ۱۸۷۵ء قیمت عہ - دیکھو مفصل صفحہ ۲ - ٹائٹل +

۴- سوامی دیانند کے یجروید بھاشیہ کا اردو ترجمہ - سوامی دیانند نے یجروید کا جو کچھ ترجمہ کیا ہے ہم نے اُس کو اُردو میں شائع کردیا ہے - تاکہ اُردو دان دنیا کو اِس بات کا پتہ لگ سکے کہ دیانندی فرقہ ویدوں کی آڑ کیوں لیتا ہے - یہ نہایت ہی دلچسپ معموں اور رازوں کا مجموعہ ہے - قیمت فی جلد عہ +

۵- فتوح البرہان - یہ وہ نادر کتاب ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ واقعات کی بنا پر سوامی دیانند کس جون میں جانیکے لائق تھا - اواگون کی باطل پرستی کو ایک لاجواب طریقہ پر بیخ وبُن سے اُڑا کر روح کی آئندہ زندگی کے بارے میں جو واقعات دیئے گئے ہیں وہ قابل مطالعہ ہیں - قیمت ۸ر +

۶- خالصہ دھرم اور گورو گووند سنگھ - اِس نادر کتاب میں تواریخی حوالوں اور گرنتھ صاحب کے وچنوں سے اُن تمام ناپاک کوششوں کو مٹی میں ملا دیا گیا ہے جو کہ دیانندیوں یا دیگر لوگوں کی طرف سے سکھوں کو ہندو اور اُن کے گوروؤں کو ویدوں کا پیرو اور مسلمانوں کا دشمن ثابت کرنیکے لئے کیجاتی ہیں اِس کتاب نے سکھوں اور مسلمانوں کے ایک بڑے حصہ پر بہت ہی عمدہ اثر ڈالا ہے قیمت فی جلد ۶ر +

۷- نیوگ اور سوامی دیانند - اِس میں ویدوں مہابھارت اور دیگر مستند کتب کے حوالوں سے نیوگ پر مفصل بحث کرتے ہوئے یہ دکھایا گیا ہے کہ سوامی دیانند نے نیوگ کی تعلیم کیوں دی - قیمت ۸ر +

۸- آریہ سماج اور سوامی دیانند - آریہ سماج کی اندرونی تصویر - قیمت فی جلد ۸ر +

۹- گیان پرکاش - اِس کتاب میں ایڈیٹر اندر کے نیوگ کرنے اور ایک برہمن لیڈی سے شادی کرنے کی داستان درج ہے - قیمت فی جلد ۴ر +

ملنے کا پتہ :- **منیجر "المسلم" - لودیانہ**

RATIONALISM

المسلم

جلد اوّل	فروری سنہ ۱۹۱۵ء	نمبر ۸

المسلم

ایڈیٹر - غازی محمود - دھرم پال - بی - اے لودیانہ

سالانہ قیمت

خوش خبری

سوامی دیانند کی "اصلی ستیارتھ پرکاش" مطبوعہ بنارس ۱۸۷۵ء کا جو نوٹس "المسلم" کے سرورق کے صفحہ ۳ پر چھپ رہا ہے۔ اس کو پڑھ کر "المسلم" کے اکثر اصحاب نے یہ درخواست کی ہے۔ کہ جس طرح ان کے خریداروں کو یہ کتاب مفت دی جاتی تھی۔ اسی طرح "المسلم" کے خریداروں کو بھی مفت دی جاوے چونکہ یہ کتاب بہت ضخیم ہے۔ اور اس پر محصول ڈاک زیادہ لگتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کا پہلا ایڈیشن قریب الاختتام ہے۔ اس لئے یہ مناسب سمجھا گیا ہے۔ کہ "المسلم" کے جو خریدار اس کتاب کے شائق ہوں۔ اُن سے محصول ڈاک اور منی آرڈر کی فیس وغیرہ ملا کر یہ کتاب بجائے (عہ) میں وی۔ پی کرنے کے صرف (۱۰) میں وی پی کر دی جایا کرے۔ اس نوٹس کے بعد "المسلم کے جو نئے خریدار ہونگے۔ اگر وہ بھی اس کتاب کو لینا چاہیں۔ تو اُن کے نام "المسلم" کا پرچہ مع اس کتاب کے بجائے چار روپیہ دو آنہ (للعہ) کے صرف چار روپیہ (للعہ) میں سال بھر کے لئے وی۔ پی کر دیا جائیگا۔ اس طرح نئے خریداروں کو دو آنے کا فائدہ رہیگا۔ مگر "المسلم" کی خریداری کی درخواست کرتے وقت اس کا ذکر ضرور ہونا چاہئے کہ آیا درخواست کنندہ ستیارتھ پرکاش چاہتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر وہ ستیارتھ پرکاش طلب نہیں کریگا۔ تو "المسلم" کا پرچہ صرف عہ میں سال بھر کے لئے وی۔ پی کیا جائیگا +

منیجر "المسلم"۔ لودیانہ

المسلم کے متعلق

۱۔ "المسلم" ایک ماہواری رسالہ ہے۔ جو لودیانہ سے شائع ہوتا ہے۔ سالانہ قیمت عہ +

۲۔ "المسلم" کا مقصد اشاعت اسلام ہے۔ اور اس کا موٹو ریشنلزم ہے +

۳۔ "المسلم" میں کوئی پولیٹیکل مضمون یا خبر درج نہیں ہو سکتی +

۴۔ "المسلم" کچھ عرصہ تک محض کتابی صورت میں شائع ہوگا +

۵۔ "المسلم" کا مقررہ حجم ۲۲×۲۰/۸ پر ۴۶ صفحہ ہے۔ زائد صفحات کا دینا یا نہ دینا ایڈیٹر کی مرضی پر منحصر ہے +

۶۔ "المسلم" کی سالانہ قیمت پیشگی بذریعہ منی آرڈر۔ یا بذریعہ وی۔ پی وصول کی جاتی ہے +

۷۔ "المسلم" کا نمونہ مفت نہیں بھیجا جاتا۔ نمونہ کے لئے ۸/ کے ٹکٹ یا وی۔ پی کا آرڈر آنا چاہئے +

۸۔ "المسلم" میں دیگر ناظرین کے مضامین کا درج ہونا یا نہ ہونا مضمون کی نوعیت پر منحصر ہے +

۹۔ "المسلم" کا ایڈیٹر کسی مضمون کو واپس کرنے کا وعدہ نہیں کر سکتا۔ بنابریں مضمون نگار کو اپنے مسودہ کی نقل رکھ لینی چاہئے +

۱۰۔ "المسلم" کا پرچہ اگر کسی صاحب کو مہینے کی ۱۵ تاریخ تک نہ ملے۔ تو اُس کو دفتر "المسلم" سے دریافت کرنا چاہئے۔ کہ آیا پرچہ بھیجا گیا ہے یا نہیں۔ خط و کتابت کا پتہ مفصلہ ذیل ہے +

غازی محمود دھرم پال۔ بی۔ اے

ایڈیٹر "المسلم"۔ لودیانہ

المسلم

فروری ۱۹۱۵ء

سلم الاسلام

اٹھتیسویں فصل

رکاوٹیں

دوستو!

میرے گذشتہ بیان سے آپ پر یہ ظاہر ہو چکا ہے۔ کہ بطور ایک ریشنلسٹ کے آریہ سماج کا دروازہ میرے لئے قطعی بند ہو گیا۔ اگرچہ جس سوسائٹی میں آریہ سماج کام کر رہا ہے۔ وہ ایک ہندو سوسائٹی ہے۔ اور اس سوسائٹی کا قانون کبھی اور کسی صورت میں بھی ایک غیر ہندو کے لئے اپنا دروازہ نہیں کھول سکتا۔ تاہم آریہ سماج نے مذہبی مقاصد کو مدنظر رکھ کر نہیں بلکہ بعض پولیٹیکل مقاصد کو مدنظر رکھ کر غیر ہندوؤں کے لئے "شدھی" کا جو دروازہ کھولا تھا۔ وہ طرفین کے لئے مفید ثابت نہ ہوا۔ آریہ سماج نے اپنی اس غلطی کی تلافی کے لئے جو تدابیر کیں۔ ضرورت نہیں۔ کہ میں ان کی بحث

کروں۔ ہاں میں نے اپنی آئندہ بہتری کے لئے جو راستہ اختیار کرنا چاہا۔ وہ یا تو مسیحیت کے جھنڈے تلے آنا تھا۔ یا اسلام کی پناہ لینا تھا۔ چونکہ میں اسلام اور اہل اسلام کے برخلاف حد سے زیادہ لکھ چکا تھا۔ اس لئے میں اسلام کی طرف مراجعت کرنے کے لئے اسوقت تک تیار نہیں ہو سکتا تھا۔ جب تک کہ مجھے مسیحیت یا کسی دوسری سوسائٹی میں سینگ سمانے کے لئے کچھ بھی امید ہو سکتی تھی۔ مگر میں اب کسی ایسی سوسائٹی کا مزید تجربہ کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ جس کی پیدائش ہندوازم میں سے ہوئی ہو۔ اس لئے کہ ہندوازم سے پیدا شدہ دو سوسائٹیوں کا میں تجربہ کر کے اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا۔ کہ جس طرح ہندوازم کا معدہ نمدار دہے۔ ویسے ہی اس سے پیدا شدہ ہر ایک سوسائٹی کا معدہ قطعی نمدار دہے اور کہ اسی وجہ سے وہ غیر ہند و عنصر کو اپنے ہاں جذب یا ہضم کرنے سے قطعی قاصر ہیں۔ ان سوسائٹیوں سے میری مراد برھمو سماج۔ سکھ ازم۔ رادھاسوامی مت وغیرہ سے ہے۔ جو باوجود اپنے بانیوں کی تعلیمات اور کوششوں کے آج تک غیر ہند و عناصر کو اپنے اندر جذب نہیں کر سکے۔ اب میرے لئے دو ہی راستے تھے ایک تو مسیحیت کا دوسرا اسلام کا۔ ان دونوں میں سے میں نے ایک کا انتخاب کرنا تھا۔ چونکہ میں اکثر مسیح کی تعلیم کی تائید میں مضامین لکھتا رہتا تھا۔ اور میں نے شاذ و نادر ہی مسیح کی تعلیم کے برخلاف قلم اُٹھایا تھا۔ اس لئے میرے مسیحی دوست میرے متعلق یہ نتیجہ نکالنے میں حق بجانب تھے۔ کہ جو مسیح کا مخالف نہیں ہے۔ وہ مسیح کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کو اس بات کی بڑی بھاری امید تھی۔ کہ میں آج باکل باقاعدہ طور پر مسیحی ہو جاؤنگا۔ خاصکر جب ان کو یہ بھی علم تھا کہ میں چاروں طرف سے مایوس ہو چکا ہوں۔ چنانچہ اس قسم کے خیالات کی بنا پر میرے اکثر مسیحی دوست مجھے بڑے کھلے دل کے ساتھ اس قسم کے خطوط لکھتے تھے۔ جسکا ایک نمونہ مفصلہ ذیل ہے:۔

ڈیر مسٹر دھرمپال

وہ نام تو بھلا میرا آپ کو کاہکو یاد ہوگا۔ مجھے یقین ہے۔ کہ صورت دیکھ کر بھی مجھے آپ نہ پہچانینگے۔ کیونکہ مدت ہوئی۔ صرف تھوڑی دیر کے واسطے ملاقات ہوئی تھی۔

گر وہ ملاقات ایسی ہوئی تھی۔ کہ مجھے آجتک یاد ہے۔ جو کچھ اس موقعہ پر میرے اور آپ کے درمیان گفتگو ہوئی تھی۔ آج وہ آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں یا اس واسطے کہ جو پیشگوئی اس وقت میں نے آپ کی نسبت کی تھی۔ اب اس کا ظہور ہو رہا ہے۔

جن دنوں آپ نے آریہ مت اختیار کیا تھا۔ میں گوجرانوالہ میں تھا۔ اور آپ بڑی مہربانی سے مجھ غریب کے ملنے کو مشنری صاحب کے بنگلہ پر تشریف لاتے تھے اثنائے گفتگو میں میں نے عرض کی تھی۔ کہ آپ نے آریہ دھرم اختیار کرنے میں غلطی یا جلدی کی ہے۔ ذرا اور تحقیق کرنا چاہیے تھا۔ آخر آپ کو اپنی غلطی معلوم ہو جائیگی تب میں اگر جیتا رہا تو آپ کو یاد کرونگا۔ پھر آخیر میں بعد گفتگو ہم نے گھٹنے ٹیک کر دعا کی تھی۔ اور ایک دوسرے سے وداع ہوئے تھے۔ اس کے بعد پھر ملاقات نہیں ہوئی۔ آپ کے اخبارات گاہے گاہے دیکھنے کا موقع ملتا رہا۔ ان دنوں اندر کے کئی ایک پرچے میری نظر سے گذرے۔ جن میں گورو کل کے پوست کندہ حالات آپ نے شائع کئے ہیں۔ عام خیالات جو ان تجربات سے پبلک میں پیدا ہوئے ہیں۔ وہ بھی اخبارات سے معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ ممکن ہے۔ کہ ابھی تک آپ آریہ دھرم سے متنفر نہ ہوئے ہوں۔ مگر آریوں سے تو آپ ضرور الگ ہو گئے ہیں۔ محمدی تو آپ ہو نہیں سکتے۔ جب تک کہ نخل اسلام وغیرہ کا جواب باصواب نہ مل سکے۔ اور یہ یقینی بات ہے۔ کہ ان کا جواب آپ خود بھی نہیں دے سکتے۔ یوں اپنی قدیم سوسائٹی کو حاصل کرنے کی خاطر آپ مسلمانوں کے سامنے اپنے کئے سے پچھتاویں بھی۔ تو آپ کی تسلی نہیں ہو سکتی۔ جب تک یہ آپ کی تصنیفات دنیا میں موجود ہیں۔ دھرم پال عبد الغفور نہیں ہو سکتا۔ گھر تو آپ نے سارے ہی دیکھ لئے ہیں۔ اب ایک ہی گھر باقی ہے۔ اور وہ مسیحی ہے۔ میں نے ملاقات کے وقت عرض کی تھی۔ کہ آخر آپ کو مسیحی ہونا پڑیگا۔ کیا اس پیشگوئی کی تکمیل کا وقت نہیں آگیا۔ مہاشے صاحب میں پھر بھی عرض کرونگا۔ کہ آپ جلدی نہ کریں۔ اور نہ کسی مسیحی جماعت میں جلدی سے شامل ہو جائیں۔ آپ خدا ۔۔۔ ہیں۔ وہ آپ کی ہدایت کرے۔ جب تک اس کی طرف سے خاص ہدایت نہ ہو۔ آپ زندگی بھر ٹھوکریں کھاتے پھرینگے۔ تسلی حاصل نہ ہوگی۔ میں آج سے پھر آپ کے واسطے دعا کرنی شروع کرتا ہوں۔ کہ میرا خدا آپ

کے جسم و جان کی حفاظت کرے۔ اور آپ کو راہ راست دکھاوے اور ابدی آرام کا دلی اطمینان بخشے۔ جو گناہوں کی معافی سے حاصل ہوتا ہے۔ میں امید کرتا ہوں۔ کہ آپ میرے اس گستاخانہ خط سے ناراض نہ ہونگے۔ بلکہ مجھ بوڑھے کی گذارش پر غور کرینگے۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند ۔ جوانان سعادتمند پند پیر دانا را ۔

آپ اگر لاہور میں مسٹر طالب الدین یا پادری طامس ہاول صاحب سے ملیں تو فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں اگر جواب دینا آپ کی شان کے خلاف نہ ہو تو اس پتہ پر خط ارسال فرما دیں۔

"دعاگو۔ آر۔ ایم۔ واعظ۔ ملتان شہر"

میرے مسیحی دوست کا خط میری اُس وقت کی نازک حالت پر روشنی ڈالنے کے لئے بہت عمدہ مصالحہ پیش کرتا ہے۔ میں خود اس بات پر آمادہ تھا کہ اگر وہ رکاوٹیں جو میرے راستے میں مسیح تک پہنچنے میں حائل ہیں۔ دور ہو جائیں یا دور کر دی جائیں تو میں اپنے مسیحی دوستوں کی امیدوں کو پورا کرنے کا موجب ہو سکتا تھا۔ مگر باوجود اپنی تمام ہمدردی کے میرے مسیحی دوست اُن رکاوٹوں کو میرے راستے سے دور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ میں نے اپنے اس دوست کو اُس وقت جو جواب دیا تھا۔ اس میں بھی میں نے ایک طریقہ سے اپنی ان رکاوٹوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ چونکہ یہ خط مع جواب کے شائع کر دیا گیا تھا۔ اِس لئے یہ نامناسب نہیں ہوگا۔ اگر میں اس جواب کے چند فقرات کو یہاں پر نقل کر دوں۔ میں نے اپنے دوست کو لکھا:۔

"میں مانتا ہوں۔ کہ خداوند خدا میرا باپ ہے۔ اور میں اُس کا امرت پتر (بیٹا) ہوں۔ مسیح۔ محمدؐ۔ اور دیانند سب کے سب اسی خداوند خدا کے امرت پتر ہونے کی وجہ سے میرے بھائی ہیں۔ باپ کی زندگی اور موجودگی میں کسی بھائی کا حق نہیں ہے۔ کہ وہ اپنے چھوٹے بھائیوں کو اپنا غلام بنائے۔ جب میں خداوند خدا کو اپنا باپ تسلیم کرتا ہوں۔ تو مسیح۔ محمدؐ۔ اور دیانند اسی خداوند خدا میں میرے بھائی ہو جاتے ہیں۔ جب تک میرا یہ اعتقاد ہے۔ کہ میرا باپ مجھ میں زندہ موجود ہے۔ میں اس بات کو

سو جینے کیلئے بھی تیار نہیں ہوں۔ کہ میں اپنے زندہ باپ کی بجائے مسیح، محمد، یا دیانند کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں پہن کر مسیحی، محمدی۔ یا دیانندی کہلاؤں +

۲۔ بے شک میں اُن آریوں سے بیزار ہوں۔ جنہوں نے زندہ باپ خداوند خدا کو چھوڑ کر ایک انسان کی مدح سرائی شروع کر رکھی ہے۔ وہ اپنے لیکچروں میں زندہ خدا کا اتنا نام نہیں لیتے۔ جتنا کہ وہ دیانند کا نام لیتے ہیں۔ اُن کی تحریروں میں زندہ خدا کی اتنی تعریف نہیں ہوتی۔ جتنی کہ وہ ایک مُردہ انسان کی تعریف کرتے ہیں۔ اُن کی ایسی غلط رفتار کو دیکھ کر ہی مجھے لکھنا پڑتا ہے۔ کہ اگر تم نے خداوند خدا کو چھوڑ کر انسانوں کی مدح سرائی ہی کرنی ہو۔ تو مسیح کا نام لو۔ محمد کا نام لو۔ جو دیانند سے زیادہ افضل و برتر تھے۔ اور جنہوں نے بنی نوع انسان کی دیانند سے زیادہ خدمات کی ہیں۔ میری اس صاف گوئی پر یہ لوگ چڑتے ہیں۔ اور وہ اسکو دیانند کی ہتک خیال کرتے ہیں۔ مگر دیانند کیا تھا؟ وہ میرا ایک بھائی تھا۔ اور وہ مر گیا۔ مگر میرا باپ زندہ ہے۔ کیا میں زندہ خدا کی مدح کو چھوڑ کر اپنے مُردہ بھائی کی مدح سرائی کو اپنی زندگی کا مقصد بنا سکتا ہوں؟ ہرگز نہیں۔ مطلق نہیں +

۳۔ آپ کا یہ ارشاد کہ میں محمدی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ میں نے نخل اسلام وغیرہ کتابیں لکھی ہیں۔ بالکل درست ہے۔ فی الحقیقت میں محمدی نہیں ہو سکتا۔ نہ میں اس سے پیشتر کبھی محمدی تھا۔ میرا باپ بھی محمدی نہیں تھا۔ میرا دادا بھی محمدی نہیں تھا۔ ہاں وہ دیندار خدا پرست مسلم (مسلمان) تھے۔ حضرت محمد صاحب بھی مسلم ہی تھے۔ وہ بھی محمدی نہیں تھے۔ حضرت مسیح اور حضرت مسیح کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی قرآن مجید میں مُسلم ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ نہ کہ محمدی +

۴۔ جناب پادری صاحب! مجھے اپنی تصنیفات نخل اسلام وغیرہ پر پچھتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ گو اپنی کسی غلطی پر پچھتاوا کرنا اصولاً کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ خود پیدایش کی کتاب باب ۶ آیت ۶ اور ۸

میں یہ لکھا ہے:

"تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔ اور خداوند نے کہا۔ کہ میں انسان کو جسے میں نے پیدا کیا روئے زمین پر سے مٹا ڈالونگا۔ کیونکہ میں ان کے بنانے سے پچھتاتا ہوں۔" پیدائش ۶: ۶-۸

جناب پادری صاحب! جب بائبل میں خداوند خدا اپنی غلطیوں پر پچھتاوا کرتا ہوا اور دلگیر نظر آتا ہے۔ تو اس صورت میں اگر میں اپنی کسی غلطی پر پچھتاوا کروں۔ تو کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔ اگرچہ میں نے نخل اسلام وغیرہ اپنی تمام تصنیفات کو مدت ہوئی کہ جلا کر خاک سیاہ کر دیا تھا مگر میں نے یہ اسلیئے نہیں کیا تھا۔ کہ مسلمان مجھ سے خوش ہو جائینگے۔ بلکہ اس لیئے کہ مذہبی دنیا میں شانتی پھیلانے کا یہ راستہ تجربہ کے بعد غلط ثابت ہوا۔ بنا بریں میں نے اپنی اس قسم کی تمام تصنیفات کو جلا دیا۔

جناب پادری صاحب! آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ کیا آپ کی اس پیشگوئی کی تکمیل کا وقت نہیں آگیا۔ کہ مجھے آخر کار مسیحی ہونا پڑیگا میرے بزرگ پادری صاحب! اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ سے عرض کرونگا۔ کہ ابھی تک میرا باپ خداوند خدا زندہ موجود ہے۔ جس دن میرا باپ خداوند خدا مر جائیگا۔ اور میں یتیم رہ جاؤنگا اس دن میں اپنے خداوند خدا کے فرزندوں یعنی اپنے بھائیوں میں سے کسی زندہ بھائی کا اپنی نجات کے لیئے دامن پکڑ لونگا۔ اس سے پیشتر میں نہ مسیحی ہو سکتا ہوں۔ نہ محمدی۔ نہ دیانندی۔

۵۔ جناب پادری صاحب! آپ نے لکھا ہے۔ کہ میں لاہور میں مسٹر طالب الدین یا پادری ٹامس ہاول صاحب سے ملوں۔ آپ کا فرمانا بجا ہے۔ میں مسٹر طالب الدین کا واقف نہیں ہوں۔ ہاں پادری ہاول صاحب کبھی کبھی میرے مکان پر قدم رنجہ فرماتے ہیں۔ وہ بہت نیک آدمی ہیں۔ اُن سے ملکر مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں

کہ یسوع مسیح خدا کا بیٹا تھا۔ میں بھی حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا ہی مانتا ہوں۔ لیکن جب میں یہ کہتا ہوں۔ کہ مسیح بھی خدا کا بیٹا اور ہم بھی خدا کے بیٹے۔ اِس لئے مسیح ہمارا بھائی ہوا۔ نہ کہ ہمارا خدا۔ تب پادری صاحب ذرا چپ ہو جاتے ہیں۔ جناب پادری صاحب! آپ نے اپنے خط کے آخیر میں ارشاد فرمایا ہے کہ آپ مجھ سے بہت ملنا چاہتے ہیں۔ مبارک ہوگا وہ دن جب میں آپ کے دیدار سے شرف اندوز ہونگا جب آپ لاہور تشریف لائیں تو آپ مجھے ضرور درشن دیں۔ بلکہ اگر میرے ہی غریب خانہ پر فروکش ہوں۔ تو بے سعادت عیسائیوں کے گوناگوں اور بوقلموں کھانوں کا آپ نے عمر بھر مزہ لیا۔ اگر کسی دن میری خشک روٹی بھی کھانا منظور کرلیں۔ تو آپ کے معدہ کو کسی قدر آب و ہوا تبدیل کرنے کا موقع مل جائیگا اور ہم دونوں اپنے پیارے بھائی یسوع مسیح کی بابت گفتگو کرکے بہت محظوظ ہونگے۔ فقط

میں ہوں آپ کا صدق دل سے

دھرمپال

اپنے مسیحی دوست کے خط کو اور اس کے جواب کو اپنے اُس وقت کے اخبار میں شائع کرنے سے میرا مقصد یہ تھا۔ کہ میرا مسیحی دوست مسیح تک پہنچنے کے لئے میرے راستے میں جو بڑی بھاری رکاوٹیں ہیں۔ اُن کو دور کرنے میں مدد دیگا۔ اور وہ مجھے جواب الجواب کے ذریعہ یہ یقین دلادیگا۔ کہ درحقیقت مسیح اُن ہی معنوں میں خداوند خدا کا فرزند ہے۔ جن معنوں میں کہ میں اُن کو اور اپنے آپ کو خداوند خدا کا فرزند مانکر مسیح کو بجائے خدا یا خدا کا مجسم ماننے کے اپنا بھائی تسلیم کرتا ہوں۔ اور کہ خداوند خدا کی موجودگی میں مجھے مسیح کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر میرے مسیحی دوست نے میرے جواب کو پڑھ کر اس رکاوٹ کو میرے راستے سے دور کرنے کے لئے میری کوئی مدد نہ کی۔ اور میں جہاں تھا وہاں ہی کھڑا رہ گیا۔ خدا باپ اور خدا بیٹے کے بارے میں یہ پہلی اعتقادی رکاوٹ تھی۔ جو میرے اور مسیح کے درمیان ایک دشوار گذار پہاڑ کی مانند حائل تھی۔ میرے مسیحی دوستوں کا یہ اعتقاد

زیادہ تر مسیح کی معجزانہ پیدائش پر مبنی تھا بطور ایک کشنیلسٹ کے چونکہ میں اس معجزانہ پیدائش کا قائل نہیں تھا۔ بنا بریں مسیح تک پہنچنے کے لیے میرے راستے میں دوسری رکاوٹ باپ بیٹا اور روح القدس کی معما آمیز تثلیث کا مسئلہ تھا۔ جو مسیح کی معجزانہ پیدائش کی طرح میرے لیے لاینحل تھا۔ ان دونوں رکاوٹوں کے ساتھ لگتی تیسری رکاوٹ خدا باپ کا خدا بیٹے کو دنیا کے گناہوں کے لئے کفارہ کرنے کا مسئلہ تھا۔ مسیح تک پہنچنے کے لئے گویا رکاوٹوں کی یہ "تثلیث" کافی نہیں تھی۔ کہ ان سب سے بڑھ کر مجھے عہد عتیق اور عہد جدید دونوں کو ایک ساتھ خدا کا کلام تسلیم کر کے اپنی زندگی کا رہبر بنانے کی چوتھی رکاوٹ تھی۔ جو ہر طرح سے ناقابل عبور تھی۔ اِس لئے کہ عہد عتیق اور عہد جدید دونوں ایک دوسرے کے متضاد تعلیم کا مخزن ہیں گو میں ان چاروں رکاوٹوں کو کسی نہ کسی طرح عبور کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اور میں اپنی اس کوشش کا ذکر اپنے بعض مسیحی دوستوں سے بھی کر دیتا تھا۔ اور وہ میری کوشش کا اعتراف بھی کر لیتے تھے۔ مگر "چرچزم" یا مشنری ڈنڈا میری ان تمام کوششوں کو "بدعت" کے نام سے چکنا چور کر ڈالنے کے لئے کافی تھا۔ مختصر الفاظ میں مسیح تک پہنچنے کے لئے میرے راستے میں مفصلہ ذیل رکاوٹیں تھیں:-

اوّل۔ مسیح کی معجزانہ پیدائش۔ دوئم۔ تثلیث۔ سوئم۔ کفارہ۔ چہارم عہد عتیق اور عہد جدید کو ایک ساتھ خدا کا کلام تسلیم کرنا۔ پنجم۔ "چرچزم" یا مشنری ڈنڈا۔ اگر بغور دیکھا جاوے۔ تو سوائے پانچویں رکاوٹ کے باقی تمام رکاوٹیں محض اعتقادی رکاوٹیں تھیں۔ اور کہ ان اعتقادات میں اختلاف رائے رکھنا چنداں وزن دار اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔ خاصکر جبکہ یہ امر واقعہ ہو۔ کہ مسیح نے خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لئے اس قسم کے اعتقادات پر چنداں زور نہیں دیا۔ مگر چونکہ جو چرچ ہمارے ملک میں کام کر رہا ہے۔ اس کے کارندوں کو یہ اختیار نہیں دیا گیا۔ کہ وہ مشن سے تنخواہ پا کر ریشنلزم کا پرچار کریں۔ بنا بریں مشنری طاقت ان اعتقادی مسائل میں کسی شخص کو جو مسیح تک پہنچنا چاہتا ہو۔ سوائے مقررہ دروازہ کے کسی نئے دروازہ سے خواہ وہ ریشنلزم کے نام سے ہی موسوم ہو۔ چرچ میں گھسنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ اِس لئے کہ مذکورہ بالا اعتقادی مسائل کی جو تعریف

یا حد چرچ نے مقرر کردی ہے۔ اس تعریف یا حد سے تجاوز کرنا محض "بدعت" ہے۔ میں نے اپنے بہت سے مسیحی دوستوں کے پاس جن میں سے اکثر بہت اعلیٰ درجہ کے اور اعلیٰ لیاقت کے پادری بھی شامل تھے۔ مذکورہ بالا اعتقادی مسائل کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اور الفاظ کی اس سخت دیوار کو توڑ کر جو کہ ان مسائل کے ارد گرد چرچ کی طرف سے بنائی گئی ہے۔ ریشنلزم کی روشنی میں ان اعتقادات کی تفسیر کی۔ ان میں سے اکثر اصحاب نے میری اس تفسیر کو بہت پسند کیا۔ مگر انہوں نے اپنی پسندیدگی کے ساتھ اس بات کا بھی اظہار کر دیا۔ کہ یہ ایک "بدعت" ہے جس کے لئے چرچ میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ میرے مسیحی دوست اس بات کے خواہشمند تھے۔ کہ میں بپتسمہ پالوں۔ مگر وہ اس بات کے خواہشمند نہیں تھے۔ کہ جو عقائد کی مسائل کی ہیں اپنے الفاظ میں ریشنلزم کی روشنی میں تفسیر کرتا ہوں۔ وہ اس تفسیر کے لئے چرچ میں کوئی کونہ ڈھونڈ دیں۔ جب وہ مجھے اس قسم کا کوئی کونہ ڈھونڈھ کر دینے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ تو میں نے ایک چھوٹا سا مضمون ایک مسیحی اخبار میں درج ہونے کے لئے بھیجا جس کا مطلب یہ تھا۔

"کیا ہندوستان میں کوئی مشنری سوسائٹی ایسی ہے۔ جو مسیح کی معجزانہ پیدائش۔ تثلیث۔ کفارہ۔ عہد عتیق اور عہد جدید کو خدا کا کلام ماننے یا نہ ماننے پر زور دینے کے بغیر ایک متلاشئ حق کو بپتسمہ دے سکتی یا بپتسمہ دیتی ہو۔ اگر کوئی ایسی سوسائٹی ہو۔ تو اسکا کوئی ممبر یا اگر کسی شخص کو ایسی مشنری سوسائٹی کا پتہ ہو۔ تو وہ اس سوسائٹی کے نام و مقام سے مجھے مطلع کریں۔ میں بہت مشکور ہونگا۔"

یہ ظاہر ہے کہ اس مضمون میں محض ایک سوسائٹی کی موجودگی کا پتہ لگانا مقصود تھا۔ اس میں مسیحی اعتقادات پر کسی قسم کا حملہ یا چوٹ نہیں تھی۔ بلکہ یہ ایک قطعی بے ضرر نوٹس تھا۔ اور مسیحی اخبارات کے ایڈیٹر نے مجھ سے وعدہ بھی کر لیا تھا۔ کہ وہ اس نوٹس کو شائع کر دیگا۔ بشرطیکہ ذمہ وار عہدیدار نے اسکو شائع کرنے کی اجازت دیدی۔ مگر میری حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ دوسرے ہی روز میرا مضمون مجھے واپس دیا گیا۔ اور مجھے بتایا گیا۔ کہ اس نوٹس کے شائع ہونے سے "چرچ" میں "بدعت" پھیلنے کا

اندیشہ ہے۔ جو بنا بریں ایک مسیحی اخبار میں بھی شائع نہیں ہو سکتا۔ میں نے خیال کیا۔ کہ کیا "چرچ" کی بنیاد ایسی ریت پر ہے جو خیالیہ سا اس قسم کا ایک ادنیٰ نوٹس شائع ہونے سے بھی دریا برد ہو جانے کے خطرے میں آ سکتی ہو۔ اس قسم کا نوٹس مسیحی اخبار میں چھپنے سے میرا مدعا سوائے اس کے اور کچھ نہیں تھا کہ اگر مسیحیوں میں کوئی اس قسم کی سوسائٹی ہو۔ جو کہ مذکورہ بالا اعتقادی مسائل میں خیالات کی آزادی کو گناہ نہ سمجھتی ہو۔ بلکہ آزادی دینے کے حق میں ہو۔ یا اجازت دیتی ہو۔ تو مجھے اس سائٹی کے ساتھ ملکر کام کرنے کے لئے فوراً بپتسمہ پالینا چاہئے۔ مگر مجھے معلوم ہوا۔ کہ اس قسم کی سوسائٹی کی تلاش کرنا بھی چرچ کے نزدیک ایک قسم "بدعت" ہے۔ چہ جائیکہ ایسی کسی سوسائٹی میں شامل ہو کر مسیحی بننے کا خیال باندھنا۔ اس حقیقت کے انکشاف سے مجھے پانی کی گہرائی کا پتہ لگ گیا۔ اور مجھے معلوم ہو گیا۔ کہ پانی اس قدر پایاب ہے۔ جس میں ریشنلزم کا آہن پوش "ڈریڈناٹ" نہیں چل سکتا۔ اور نہیں چل سکیگا۔ باوجود اس مایوسی کے مجھے جتنی دفعہ بپتسمہ اپنے کے لئے کہا گیا۔ اور جسقدر مختلف مسیحی اصحاب کی طرف سے کہا گیا۔ میں نے اتنی ہی دفعہ ان اصحاب کے سامنے اُن رکاوٹوں کو جو کہ مسیح تک پہنچنے میں میرے راستے میں حائل تھیں پیش کیا۔ نہ صرف پیش کیا بلکہ اُن کے دور کرنے کا طریقہ بھی ساتھ ہی بتا دیا بشرطیکہ وہ مجھے ریشنلزم کے اسی "بیلچہ" کے ساتھ چرچ میں آجانے دیں۔ جس کے ذریعہ کہ ان تمام رکاوٹوں کو آنِ واحد میں اُڑایا جا سکتا ہے۔ مگر میرے تمام مسیحی دوستوں کو ریشنلزم کا "بیلچہ" نہایت ہی ڈراؤنی چیز بلکہ شیطان کا سینگ دکھائی دیا۔ اور ان میں سے کسی نے بھی اس بات کی جرأت نہ کی کہ وہ مجھے اس "بیلچہ" کو ساتھ رکھتے ہوئے ہی بپتسمہ دے ڈالے۔ آخر ایک مقام پر چند ذی علم پادری صاحبان کے سامنے مجھے موقع دیا گیا۔ کہ میں اس بات کو بیان کروں۔ کہ میرے مسیح تک پہنچنے میں کیا کیا رکاوٹیں ہیں۔ میں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا۔ اور اپنی رکاوٹوں کو بیان کرنا شروع کیا۔ یہ نامناسب نہیں ہوگا۔ اگر میں اپنے اس بیان کو کسیقدر وضاحت کے ساتھ یہاں پر قلمبند کر دوں تاکہ میرے دوسرے مسیحی دوستوں کو یا چرچ کو اس بات پر غور کرنیکا موقع مل سکے۔ کہ مسیح تک پہنچنے کے لئے ایک تعلیم یافتہ اور سوچنے والے شخص کے رستے میں کون کونسے ٹھوکر کھلانیوالے پتھر ہیں۔ اور کہ کیا ان ٹھوکر کھلانیوالے پتھروں کو دور کیا جا سکتا ہے۔ یا نہیں؟

اُنتالیسویں فصل

روح القدس یا معجزانہ پیدائش

کا

سلسلہ اشیا میں

مسیح تک پہنچنے یا مسیحی ہونے کے لیے ایک ریشنلسٹ کے راستے میں جو سب سے پہلی رکاوٹ آتی ہے۔ وہ مسیح کی معجزانہ پیدائش کا مسئلہ ہے۔

یوحنا کی انجیل کے شروع میں لکھا ہے:۔

"ابتدا میں کلام تھا۔ اور کلام خدا کے ساتھ تھا۔ اور کلام خدا تھا۔ یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اس سے موجود ہوئیں۔ اور کوئی چیز موجود نہ تھی۔ جو بغیر اس کے ہوئی.....

وہ جہان میں تھا اور جہان اسی سے موجود ہوا۔ اور جہان نے اسے نہ جانا۔ وہ اپنوں پاس آیا۔ اور اپنوں نے اُسے قبول نہ کیا۔ لیکن جنہوں نے اُسے قبول کیا۔ اُس نے انہیں اقتدار بخشا۔ کہ خدا کے فرزند ہوں۔ یعنی اُنہیں جو اُس کے نام پر ایمان لاتے ہیں۔ وے نہ لہو سے۔ نہ جسم کی خواہش سے۔ نہ مرد کی خواہش سے۔ مگر خدا سے پیدا ہوئے ہیں۔ اور کلام مجسم ہوا۔ اور وہ فضل اور راستی سے بھرپور ہو کے ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اُس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔ یوحنا ۱ باب ۱ آیت سے ۱۴ آیت تک"

یہہ کلام جو ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا" اور جو خدا تھا" اور جس سے سب چیزیں موجود ہوئیں" اور جس کے بغیر کوئی چیز نہ ہوئی" اور جو جہان

میں تھا" اور جہان اسی سے موجود ہوا" اور جو اپنوں کے پاس آیا" مگر اپنوں نے اُسے قبول نہ کیا" کیونکر مجسم ہوا۔ اور وہ کس شکل میں ہمارے درمیان رہا۔ اس کے متعلق لوقا کی انجیل کے ابتدا میں لکھا ہے:۔

"جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے جلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرت تھا۔ ایک کنواری لڑکی کے پاس جس کا نام مریم تھا اور جس کی یوسف نامی داؤد کی نسل کے آدمی سے منگنی ہو گئی تھی بھیجا گیا۔ اس فرشتے نے مریم کے پاس اندر آ کر کہا۔ کہ اے پسندیدہ عورت! خدا تیرے ساتھ ہے۔ اور تجھ پر سلام ہو۔ تو عورتوں میں مبارک ہے۔ مگر مریم اس فرشتے کو دیکھ کر ڈر گئی۔ اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا سلام ہے۔ تب فرشتہ نے اُس سے کہا۔ کہ اے مریم! مت ڈر۔ تو نے خدا کے حضور فضل پایا۔ اور دیکھ تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنیگی اور اُس کا نام یسوع رکھیگی۔ تب مریم نے فرشتے سے کہا۔ کہ یہ کیونکر ہوگا۔ کیونکہ میں تو کسی مرد کو جانتی نہیں ہوں۔ فرشتے نے جواب میں کہا۔ کہ روح القدس تجھ پر اُتریگی۔ اور خدا تعالیٰ کی قدرت کا سایہ تجھ پر ہوگا" لوقا ۱/۲۶-۳۵

متی کی انجیل میں کلام کے اس تجسم کو ذرا مختلف پیرائے میں یوں بیان کیا گیا ہے:

"یسوع مسیح کی پیدائش اس طرح ہوئی۔ کہ جب اُس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہوئی۔ تو اُن کے اکٹھا آنے سے پہلے وہ روح القدس سے حاملہ پائی گئی۔ تب اُس کے شوہر یوسف نے جو راستباز تھا۔ نہ چاہا کہ اُسے تشہیر کرے۔ اُس نے ارادہ کیا۔ کہ اُسے چُپکے سے چھوڑ دے۔ وہ ان باتوں کی سوچ میں ہی تھا کہ خداوند کے ایک فرشتے نے خواب میں اُس پر ظاہر ہو کے کہا۔ اے یوسف ابن داؤد! تو اپنی جورو مریم کو اپنے ہاں لانے سے مت ڈر کیونکہ جو بچہ اُس کے رحم میں ہے۔ وہ روح القدس سے ہے۔ وہ بیٹا جنیگی۔ اور تو اُس کا نام یسوع رکھیگا۔ کیونکہ وہ اپنے لوگوں کو اُن کے گناہوں سے بچائیگا۔ یہ سب کچھ ہوا۔ تاکہ جو خداوند نے نبی

کی معرفت کہا تھا پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہو گی۔ اور بیٹا جنیگی۔ اور اُس کا نام عمونوئیل رکھینگے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ خدا ہمارے ساتھ تب یوسف نے سونے سے اٹھ کر جیسا کہ خداوند کے فرشتے نے اُسے فرمایا تھا کیا۔ اور اپنی جورو کو اپنے یہاں لے آیا۔ پر اُس کو نہ جانا۔ جب تک کہ وہ اپنا پلوٹھا بیٹا نہ جنی۔ اور اُس نے اُس کا نام یسوع رکھا۔ متی $\frac{1}{18-25}$ +

مرقس کی انجیل میں کلام یا خدا کے تجسم کے متعلق اس قسم کے کسی واقعہ کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بلکہ صرف اسی پر اکتفا کی گئی ہے کہ:۔

یسوع نے ناصرت جلیل سے آ کر یردن میں یوحنا کے ہاتھ سے بپتسمہ پایا اور جونہی وہ پانی سے باہر آیا۔ اُس نے آسمان کو کھلا۔ اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر اُترتے دیکھا۔ اور آسمان سے ایک آواز آئی۔ کہ تو میرا عزیز بیٹا ہے جس سے میں راضی ہوں۔ اور روح اُسے فی الفور بیابان میں لے گئی۔ اور وہ وہاں بیابان میں چالیس دن تک رہ کے شیطان سے آزمایا گیا۔ اور جنگل کے جانوروں کے ساتھ رہتا تھا۔ اور فرشتے اُس کی خدمت کرتے تھے۔" مرقس $\frac{1}{9-14}$"

مسیح کے ساتھ روح القدس کا جو تعلق مرقس بیان کرتا ہے۔ وہ اس تعلق سے بالکل جدا ہے۔ جو متی۔ یوحنا اور لوقا نے بیان کیا ہے۔ مرقس نے مسیح کی روح القدس سے پیدایش کا تعلق بپتسمہ کے بعد کا بیان کیا ہے۔ اور مسیح کی جسمانی پیدایش کے متعلق مرقس نے جو الفاظ مسیح کے ہموطن لوگوں کے منہ میں ڈالے ہیں وہ مفصلہ ذیل ہیں:۔

"پھر وہ وہاں سے روانہ ہوا۔ اور اپنے وطن میں آیا۔ اور اُس کے شاگرد اس کے پیچھے ہولئے جب سبت کا دن ہوا۔ وہ عبادتخانے میں وعظ کرنے لگا۔ اور بہتوں نے سنکر حیران ہو کر کہا۔ کہ یہ باتیں اس نے کہاں سے پائیں۔ اور یہ کیا حکمت ہے۔ جو اسے ملی ہے۔ کہ ایسی کرامات اس کے ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ کیا یہ مریم کا بیٹا بڑھئی نہیں ہے

ہے۔ اور یعقوب اور یوسیس اور یہوداہ۔ شمعون کا بھائی نہیں اور کیا اس کی بہنیں یہاں ہمارے پاس نہیں ہیں۔ اور انہوں نے اس سبب سے ٹھوکر کھائی۔ مگر یسوع نے انہیں کہا۔ نبی بے عزت نہیں ہے۔ مگر اپنے وطن میں۔ اور اپنے کنبے اور اپنے گھر میں۔ اور وہ کوئی معجزہ وہاں نہ دکھلا سکا۔ سوا اس کے کہ تھوڑے سے بیماروں پر ہاتھ رکھ کے انہیں چنگا کیا۔ اور اس نے ان کی بے ایمانی سے تعجب کیا۔ اور آس پاس کے گاؤں میں وعظ کرتا پھرا۔ (مرقس ۶/۱-۶)

مرقس کے مذکورہ بالا الفاظ سے جو کہ اس نے مسیح کے گاؤں کے لوگوں کے منہ میں ڈالے ہیں۔ اس بات کا پتہ لگتا ہے۔ کہ وہ لوگ جو مسیح کی پیدائش۔ اس کے والدین اور اسکے دوسرے بھائی بہنوں سے بخوبی واقف تھے۔ وہ مسیح کی پیدائش کے ساتھ کوئی فوق العادت واقعہ جوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ بلکہ وہ اس کو اس کے دوسرے بھائی بہنوں کی طرح "بڑھئی کا بیٹا" ہی سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس کی حکمت کی باتوں کو سنکر حیرانی سے اس بات کا اظہار کیا۔ کہ اس نے یہ باتیں کہاں سے پائیں؟ کیونکہ ان کے خیال کے مطابق یسوع مسیح اپنے دوسرے بھائی بہنوں کی طرح ایک بڑھئی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ مرقس کہتا ہے کہ مسیح نے اپنے گاؤں والوں کی اس بات کو ان کی بے ایمانی سمجھا۔ اور تعجب کیا۔ مگر کیا یہ درحقیقت بے ایمانی کی بات تھی۔ یا یہ ایک ایسا اظہار تھا۔ جو مسیح کی عظمت اور بزرگی کو تسلیم کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ اگر بغور دیکھا جاوے۔ تو گاؤں والوں کے سیدھے سادے الفاظ میں ایک عظیم الشان صداقت پوشیدہ تھی۔ جو مسیح کی عظمت اور بزرگی پر مہر لگاتی تھی۔ کیونکہ اگر یوحنا کے قول کے مطابق یہ مان لیا جاوے کہ خدا ہی مجسم ہوکر مسیح کی شکل میں ظاہر ہوا۔ تو اس میں خدا یا مسیح کی عظمت یا بزرگی کیا ہوئی اگر خدا نے مجسم ہوکر حکمت کی باتیں سنائیں۔ تو اس میں اس کی بزرگی میں کیا اضافہ ہوگیا۔ جبکہ وہ پہلے ہی حکیم مطلق ہے۔ اگر خدا نے مجسم ہوکر اندھوں کو آنکھیں بہروں کو کان۔ لنگڑوں کو پاؤں دیدئے۔ تو اس میں اس کی قدرت میں کونسا اضافہ ہوگیا جبکہ وہ شکم مادر میں پانی کی ایک بوند سے یہ تمام چیزیں پیدا کر دیتا ہے۔ اگر خدا نے مجسم ہوکر

ایک دوسرے سے محبت کرنے کا وعظ سنا دیا۔ تو اس سے خدا کی محبت میں کیا اضافہ ہو گیا۔ جبکہ وہ پہلے سے ہی نیکوں اور بدوں پر سورج کو یکساں اگاتا اور سب کو یکساں ہوا اور پانی دیتا ہے۔ اگر خدا نے مجسم ہو کر چند ہزار لوگوں کو روٹی اور مچھلی سے سیر کر دیا۔ تو اس سے خدا کی ربوبیت میں کونسا اضافہ ہو گیا۔ جبکہ وہ پہلے سے ہی رب العالمین چلا آتا ہے۔ اگر خدا نے مجسم ہو کر پانی پر بغیر کشتی کے چل کر دکھا دیا تو اس سے اس کی قدرت میں کونسا اضافہ ہو گیا۔ جبکہ وہ پہلے سے ہی پانی اور ہوا پر قادر ہے۔ اگر خدا نے مجسم ہو کر نیکی کی تعلیم دیدی تو اس سے اس کی صفات میں کونسا اضافہ ہو گیا۔ جبکہ وہ خود خیر محض ہے۔ اگر خدا نے مجسم ہو کر اپنے منکروں کے حق میں نیک دعا کر دی۔ تو اس سے اس کی خوبیوں میں کونسا اضافہ ہو گیا۔ جبکہ وہ پہلے سے ہی اپنے منکروں کے ساتھ نیک سلوک کرتا چلا آ رہا ہے اگر خدا نے مجسم ہو کر انسانوں کے ہاتھ سے تکالیف برداشت کر لیں۔ تو اس سے اس کی قوت برداشت میں کونسا اضافہ ہو گیا۔ جبکہ وہ پہلے سے ہی انسانوں کی ہر ایک قسم کی بدی و بدکاری کو برداشت کرتا چلا آ رہا ہے اگر خدا نے مجسم ہو کر بجائے لامحدود ہونے کے اپنے آپ کو ایک انسان میں محدود کر کے دکھا دیا۔ تو اس میں کونسی خوبی کی بات ہے۔ جبکہ وہ محیط کل ہونے کی وجہ سے پہلے سے ہی کائنات کے ذرہ ذرہ کے اندر موجود ہے۔ اگر یہ کہا جاوے۔ کہ خدا ہی مجسم ہو کر مسیح کی شکل میں ظاہر ہوا۔ تو اس میں مسیح کی کیا خوبی۔ اور اسکی کونسی بزرگی ہے؟ کہ جس کی خاطر ہم اس کی عزت کریں۔ یا اسکا اقرار کریں۔ یا اسکو اپنا نجات دہندہ مانیں۔ یا اس کی حکمت کی باتوں پر کان دھریں۔ جبکہ ہم پہلے سے ہی خدا کی خوبی اور عظمت کے قائل ہیں اور ہم پہلے سے ہی اس کی حکمت کو مانتے۔ اور اسکو اپنا نجات دہندہ گردانتے ہیں۔ اگر باوجود ہمارے اس ماننے اور جاننے کے بھی خدا اس بات کی ضرورت کو محسوس کرے۔ کہ وہ ایک معجزانہ طریقہ پر تجسم اختیار کر کے ہمارے سامنے ظاہر ہو۔ تاکہ اس کے متعلق ہمارے ایمان و گیان میں اضافہ ہو سکے۔ تو یہ ایک غیر ضروری بات ہوگی۔ کیونکہ اس کے ایسا کرنے سے بشرطیکہ وہ ایسا کرنا پسند کر سکتا ہو۔ ہمارے ایمان و گیان میں جو کہ ہم اس کے متعلق رکھتے ہیں۔ شمہ بھر بھی اضافہ نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ بالکل ممکن ہے۔ کہ اس کے اپنے تجسم سے ہم پر اسکی

بعض ایسی کمزوریوں کا انکشاف ہو جائے۔ جو کہ عام انسانوں میں دیکھی جاتی ہیں۔
اور یہ انکشاف اس کے متعلق ہمارے ایمان کو کم کرنے یا ہمیں اس کے متعلق بالکل
بے ایمان بنانے کا موجب ہو۔ غالباً اس صورت میں خدا کو ہماری بے ایمانی پر
تعجب کرنے کی بجائے اپنے تجسم پر تعجب کرنا یا افسوس کرنا پڑیگا۔ اس لئے کہ ہم جو
پہلے سے ہی اس کی صفات کاملہ کے قایل تھے۔ اور اسکو اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے
اسکو کیا ضرورت پڑی تھی۔ کہ وہ ہم سے اپنے آپ کو ہمارا نجات دہندہ منوانے کے
لئے مجسم ہو کر ہمارے سامنے آتا۔ اور اپنے وطن میں۔ اپنے کنبے اور اپنے گھر میں
بے عزت ہوتا۔ ہمارے یہ خیالات اس صورت میں ہونگے۔ اگر ہم اس بات کو تسلیم کرنے کے
لئے مجبور کئے جائیں۔ کہ خدا ہی مسیح کی شکل میں ایک معجزانہ طریقے سے مجسم ہوا۔ لیکن اگر
ہم اس اعتقاد کی بجائے یہ تسلیم کریں کہ نہ تو مسیح کی پیدائش معجزانہ طریقہ پر ہوئی تھی۔
اور نہ ہی وہ خدا مجسم تھا۔ بلکہ وہ اپنے دوسرے بھائی بہنوں کی طرح ایک غریب مگر
خدا ترس و خدا پرست بڑھئی کے خاندان میں پیدا ہوا تھا۔ اس نہایت ہی معمولی
حالت میں پیدا ہو کر اُس نے غیر معمولی کام کر کے دکھائے۔ تو ہمارے دل میں مسیح
کے لئے از حد عزت۔ جوش۔ اور اخلاص کا دریا موجزن ہو جاتا ہے۔ اور ہم نہ صرف
مسیح کے سامنے ہی سر خم کر دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ خداوند قدوس کی
حکمت و حیثیت کے سامنے بھی بے اختیار سر بسجود ہو جاتے ہیں۔ جو ایک بچہ کو گھوڑوں
کی چرنی میں پیدا کر کے اس قدر جلال بخشتا ہے۔ کہ مشرق و مغرب کے بادشاہ اس
کے نام پر سر جھکا لیں۔ اس صورت میں یہ بات کہ خدا نے مسیح کو ایک بڑھئی کے گھر میں پیدا
کیا۔ مسیح کے لئے ہتک کا باعث نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اس سے مسیح کی عظمت و بزرگی
کا ثبوت ملتا ہے۔ جبکہ اس نے بڑھئی کے گھر میں پیدا ہو کر وہ کام کر کے دکھائے
جو کہ بادشاہ کے محلوں میں پیدا ہونیوالے بچے کر کے نہیں دکھا سکتے۔ اس سے اہل
دنیا کے اس خیال کی بھی بخوبی سرکوبی ہو جاتی ہے۔ جو کسی شخص کو محض اس لئے نفرت
کی نگاہ سے دیکھتے ہوں۔ کیونکہ وہ کسی ادنیٰ گھر میں پیدا ہوا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس
خیال کی سرکوبی سے دنیا میں اخوت و مساوات کے مسئلے کے حل کرنے میں بھی بڑی
بھاری مدد مل سکتی ہے۔ اور مسیح کی پیدائش کا مسئلہ ان معنوں میں ہر ایک ایسے شخص کے

لیے جو کسی ادنیٰ گھرانے میں پیدا ہو۔ ترقی کی طرف قدم اُٹھانے میں مددگار ہو سکتا ہے لیکن اگر یہ تسلیم کر لیا جاوے۔ کہ چونکہ مسیح کی پیدائش معجزانہ طریقہ پر ہوئی تھی۔ جابرین دو خدائے مجسم تھا۔ اور کہ وہ اپنے دوسرے بھائی بہنوں کی طرح پیدا نہیں ہوا تھا۔ جو کم درجے کے تھے۔ تو اس سے خدا مجسم یا مسیح کی بزرگی میں تو کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ ہاں اس کی پیدائش سے دوسری صورت میں دُنیا کے جن مجلسی مسائل کا حل ہونا ممکن تھا۔ وہ مسائل بغیر حل ہونے کے رہ جائینگے۔ اور دنیا بدستور سابق ذات پات یا جنم کے گھمنڈ میں پھنس کر ادنیٰ گھرانوں میں پیدا ہونے والے مگر قابل اشخاص کو ہمیشہ نفرت کی نگاہ سے دیکھتی رہیگی۔ علاوہ ازیں مسیح کی معجزانہ پیدائش کا مسئلہ خود مسیح کو بھی دنیا میں ممتاز پوزیشن دینے سے قاصر رہیگا۔ جبکہ یہ دیکھا جاویگا۔ کہ مسیح ہی ایک ایسی ہستی نہیں تھی جو خدا مجسم تھا۔ بلکہ خدا مجسم یا روح القدس کے ذریعہ معجزانہ طور پر پیدا ہونے والے کثرت سے نجات دہندگان کا نام تواریخ میں موجود ہے۔ جن کے متعلق مسیح کی طرح ہی معجزانہ پیدائش کی کہانیاں سنی جاتی ہیں۔ روح القدس کے ذریعہ پیدا ہونے والے ان بے شمار انسانوں کے جم غفیر میں مسیح باوجود اپنی تمام خوبیوں کے اور باوجود اپنی تمام عظمت کے ایک ناقابل التفات ہستی نظر آئیگا۔ جس کو دنیا کا نجات دہندہ یا خدا کا اکلوتا بیٹا ماننا سخت مشکل ہو جائیگا۔ بطور ایشیائی کے ہمیں یہ فخر حاصل ہے۔ کہ مسیح بھی ایشیائی تھا۔ مگر ہمیں اس بات پر کوئی فخر نہیں ہے۔ کہ وہ معجزانہ طور پر روح القدس سے پیدا ہوا تھا۔ اس لیے کہ ایشیا کی مذہبی تواریخ ہمیں بتاتی ہے۔ کہ ایشیا میں روح القدس یا معجزانہ طریقہ پر پیدا ہونے کی کہانیاں اس قدر کثرت سے موجود ہیں۔ کہ جن کو قبول کرنے کے لیے دماغ پر بہت زیادہ بوجھ ڈالنا پڑتا ہے مثلاً جو کہانی کہ ایشیا کے ہی سرسبز ملک ہندوستان میں پیدا ہونے والے شاکیمنی گوتم بدھ کی پیدائش کے متعلق اُس کے پیروؤں نے گھڑی۔ وہ مسیح کی معجزانہ پیدائش کے خیال سے کم نہیں ہے۔ گو مہاتما بدھ کی پیدائش معمولی انسانوں کی طرح ہوئی تھی لیکن اس عروج نے جو اس کو بعد ازاں مذہبی دنیا میں حاصل ہوا۔ اس کے مقلدوں کو مجبور کیا۔ کہ وہ اس کو انسانی آلائشوں سے پاک تصوّر کر کے ایک دیوتا کی بلندی تک پہنچا دیں۔ چنانچہ آجکل جتنی کتابیں ہم اس مہاتما کی پیدائش کے متعلق پڑھتے

ہیں۔ اُن سب میں کم و بیش یہ کہانی پائی جاتی ہے۔ کہ گوتم بدھ کی پیدائش میں انسانی باپ کا ہاتھ نہیں تھا۔ بلکہ اُن کی پیدائش ایک بالکل نرالے طریقے سے ہوئی تھی وہ یہ کہ گوتم بدھ کی ماتا مہا مایا دیوی نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا۔ کہ آسمان سے ایک سفید ہاتھی اُترا ہے۔ ہاتھی نے اپنا سونڈ اُٹھا کر مایا دیوی کو سلام کیا۔ اور بعد ازاں وہ اُس کے دائیں پہلو سے اُس کے رحم میں داخل ہوا۔ یہ سفید ہاتھی اصل میں روح القدس تھا۔ جو کہ بقول ایک چینی بدھ مشنری فوبن ہنگ کے کنواری مایا کے رحم میں خواب کی حالت میں داخل ہوا۔ اس روح القدس سے حاملہ ہونے پر مایا دیوی کا چہرہ جلال سے چمک اُٹھا۔ اور اُس کا رحم اس قدر صاف و شفاف بن گیا۔ کہ روح القدس یا گوتم بدھ باہر سے اُس میں لیٹا ہوا اور دن بدن بڑھتا ہوا دکھا جا سکتا تھا۔ بائیبل ہمیں بتاتی ہے۔ کہ جس وقت مسیح کی پیدائش ہوئی تھی اُس وقت آسمانی دیوتاؤں نے خوشی کے گیت گائے تھے۔ یہی بات بدھ کی پیدائش کے متعلق بیان کی جاتی ہے۔ پتا کا جو کہ بدھ دھرم کی مشہور کتاب ہیں وہ ہمیں بتاتی ہیں۔ کہ بدھ کی پیدائش کے وقت چاروں طرف روشنی ہو گئی۔ دریا ندی۔ نالے۔ کوہ و شجر وجد میں آ کر ناچنے لگ گئے۔ اور دیوتاؤں نے بنی نوع انسان کو مبارکباد دیکر کہا۔ کہ خوش ہو۔ کیونکہ انسان کو اس کے دُکھوں سے نجات دینے والا پیدا ہو گیا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ بعد ازاں یہ بات پتھروں پر لکھی گئی۔ بدھ کی جو بیشمار مورتیاں بنائی گئی ہیں۔ اُن میں بعض بعض مورتوں میں اِس سین کو دکھایا گیا ہے۔ چنانچہ ہم نے گذشتہ دنوں میں لاہور کے عجائب گھر میں اسی نظارے کو ظاہر کرنے والی پتھر کی ایک خاص مورت دیکھی ہے۔ جس میں مہاتما بدھ آنکھیں بند کئے بیٹھے ہیں۔ دیوی اور دیوتا چاروں طرف سے اس کو گھیرے ہوئے ہیں اور اس کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال رہے ہیں۔ اور خوشی منا رہے ہیں۔ کہ انسان کو اس کے دُکھوں سے نجات دینے والا دنیا میں آگیا ہے +

ہمارے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ بدھ مشنریوں نے مہاتما بدھ کے لئے جو روح القدس کی ضرورت کو محسوس کیا۔ تو کیوں کیا۔ اُن کے اس خیال کا منبع کہاں ہے؟ اس منبع کو تلاش کرنے کے لئے ہمیں سرگرداں ہونے کی ضرورت

نہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں۔ کہ مہاتما بدھ کا جنم ایک ایسے ملک میں ہوا تھا۔ جہاں اوتار وغیرہ ماننے کا مرض پھیلا ہوا ہے +

اس بات پر روشنی ڈالنے کے لئے ہم سری کرشن جی کے بارے میں بھگوت پوران کی کہانی کی طرف اشارہ کرنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ وہ یہ کہ جب وشنو جی مہاراج نے دیکھا۔ کہ دنیا میں پاپ بہت پھیل گیا ہے۔ اور پاپ سے پیڑت ہو کر بنی نوع انسان دکھی ہو رہے ہیں۔ تو انہوں نے ارادہ کیا کہ انسانوں کو ان دکھوں سے آزاد کرنے کے لئے میں متھرا میں یادو خاندان میں اوتار دھارن کروں۔ اور دیو دی دیوکی کے شکم سے پیدا ہوں۔ اور کہ اب وقت آ گیا ہے۔ کہ میں دنیا کو دکھ ساگر سے نجات دوں۔ چنانچہ اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے بقول وشنو پران وشنو جی مہاراج دیوی دیوکی کے رحم میں داخل ہوئے۔ دیوکی کا چہرہ وشنو جی مہاراج کو حمل میں لینے کے جلال سے اس قدر روشن ہو گیا۔ کہ کوئی انسان ان کی طرف نظر بھر کر نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جب تک وشنو جی مہاراج دیوی دیوکی کے شکم میں رہے۔ سورگ کے دیوتا ملکر ان کی مدح کے گیت گاتے رہے۔ ایک خاص عرصے کے بعد وشنو جی مہاراج نے جنم لیا۔ اور ان کا نام سری کرشن رکھا گیا۔ سری کرشن جی اپنی اس پیدائش کے متعلق بھاگوت گیتا میں فرماتے ہیں۔ کہ جب ہی دنیا میں پاپ اور انرتھ بڑھ جاتا ہے۔ تب ہی میں اس کو دور کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً اوتار دھارن کرتا ہوں۔ اور ظاہر ہوتا ہوں۔ دوسرے موقع پر سری کرشن جی ارجن کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ کہ "اے ارجن! وہ شخص جو میرے اوتار دھارن کرنے کو دل سے تسلیم کرتا ہے۔ وہ مرنے کے بعد مجھ میں لے ہو جاتا ہے۔ بیوقوف لوگ جو یہ نہیں جانتے۔ کہ میں ہی سب کا سوامی ہوں۔ وہ مجھے اس انسانی جامہ میں دیکھ کر مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ لیکن کشادہ دل انسان یہ وشواس کر کے کہ میں ہی اول و آخر اور ظاہر و باطن ہوں۔ میری دل و جان سے بھگتی کرتے ہیں"۔ یہ اور اس قسم کی دوسری باتوں سے ہم اس نتیجے پر پہنچنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ بدھ مت کے متعلق سری کرشن وغیرہ کے بارے میں اس قسم کے اوتار سسٹم کا ملاحظہ کر کے بدھ لوگ اپنے گورو کو سری کرشن کی طرح

انسانی آلائشوں سے پاک تصور کرنے اور اُن کی پیدائش کے لئے بھی کوئی نرالی سی کہانی گھڑنے پر مجبور ہوئے۔ بدھ مت والوں نے گوتم بدھ کی ماتا مہا مایا کی ایام حمل کی وہی حالت بیان کی ہے۔ جو کہ پرانوں نے سری کرشن کی ماتا دیوی دیوکی کے متعلق بتائی ہے۔ اِس پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ کہ شاید بھاگوت اور وشنو پران بدھ کی پیدائش کے بعد لکھے گئے ممکن ہے۔ کہ پرانوں کی کہانی بدھ مت والوں کی گھڑنت ہو۔ لیکن ان کے مقابلے میں جب ہم بھاگوت گیتا پر نظر مارتے ہیں۔ جو بہر صورت بدھ کی پیدائش سے بہت پہلے کی تصنیف ہے اور وہ بھی ہمیں سری کرشن کے اوتار دھارن کرنے کی خبر دیتی ہے۔ تو ہمارے اس اعتراض کے لیئے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ اور ہم اِس بات کو ماننے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ کہ بدھ مت والوں نے پیدائش بدھ کا مصالح سری کرشن کی معجزانہ پیدائش سے حاصل کیا +

ایشیاٹک ریسرچ کی جلد دہم کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سب سے پہلا یورپین سیاح جو ہندوستان کے انتہائے جنوب میں راس کماری تک پہنچا تھا۔ وہ وہاں کے باشندوں کے خیالات کو جان کر حیران ہو گیا۔ اُس نے دیکھا۔ کہ وہ لوگ شالباہن کو اپنا نجات دہندہ تصور کرتے ہیں۔ اور مانتے ہیں کہ شالباہن کی پیدائش ایک کنواری لڑکی کے پیٹ سے ہوئی تھی۔ اور وہ وشنوجی مہاراج کا اوتار تھے +

اہل سیام میں بھی اسی قسم کی کہانی مشہور تھی۔ اُن کا خداوند خدا اور نجات دہندہ بھی ایک کنواری لڑکی کے پیٹ سے ہی پیدا شدہ تصور کیا جاتا تھا۔ اُس کا نام قادوم تھا۔ وہ بتاتے ہیں۔ کہ قادوم کی ماتا ابھی بالکل کنواری ہی تھی کہ اُس کو یہ الہام ہوا۔ کہ تیرے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جو کہ دنیا کو تکلیف سے رہائی دیگا۔ اس الہام کو پا کر لڑکی شہر کو چھوڑ کر جنگلوں اور بیابانوں میں گھومنے اور آسمانی قاصد یا روح القدس کے آنے کی انتظاری کرنے لگی۔ ایک دن جبکہ وہ اوندھے منہ پڑی پرارتھنا کر رہی تھی۔ تو روح القدس سورج کی کرن کا روپ بنا کر اُس کے شکم میں داخل ہوا۔ اور وہ حاملہ ہو گئی۔ حاملہ ہونے کے بعد وہ سیام اور کمبوڈیا کے درمیانی

علاقے میں چلی گئی۔ وہاں ایک جھیل کے کنارے پر اُس کے ہاں روح القدس نے جنم لیا۔ اِس آسمانی بچہ کا استقبال کرنے کے لئے جھیل کے اندر سے ایک کنول کا پھول نکلا۔ ماں نے بچے کو اس کنول کے پھول میں لٹا دیا۔ لڑکا بڑھتا رہا۔ بڑا ہوکر اُس نے عجیب وغریب معجزے دکھائے اور عظمت کا ثبوت دیا۔ ممکن ہے۔ اہل سیام کا یہ عقیدہ بقول

نابھ کنول سے برھما اُپجے
وید پڑھے مکھ کنٹھ سنوار

برھماجی کے کنول سے پیدا ہونے کی کہانی سے ہی اخذ کیا گیا ہو۔ سیام کے ساتھ لگتا ہوا چین کا ملک ہے۔ چلئے ذرا چین والوں میں بھی روح القدس کے ذریعہ پیدائش کا ملاحظہ کیجئے۔ ڈین ملمین صاحب اپنی مشہور کتاب ہسٹری آف کرسچیئنٹی یا تواریخ عیسائیت کی جلد اول صفحہ ۹۰ پر لکھتے ہیں۔ کہ چینیوں کے مشہور پیغمبر فوہی کی نسبت چینیوں میں یہ روایت مشہور ہے۔ کہ وہ ایک کنواری لڑکی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ چنانچہ چین میں سب سے پہلے جانے والا ایک عیسائی پادری اس بات کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ کہ کنواری مریم کی طرح چینیوں میں بھی ایک کنواری کی کہانی مشہور ہے۔ جس نے روح القدس کی مدد سے بچہ دیا تھا +

مسٹر تھارنٹن صاحب اپنی کتاب تواریخ چین میں لکھتے ہیں۔ کہ چینیوں کے خیال کے مطابق فوہی پیغمبر مسیح سے ۲۹۶۸ برس پہلے پیدا ہوا تھا۔ جب اُس کی ماتا نے اُس کو اپنے رحم میں دھارن کیا۔ تو اُسی وقت قوس وقزح کا حلقہ اُس کے اردگرد محیط ہو گیا۔ لیکن مسٹر سکاٹ صاحب پیغمبر فوہی کی پیدائش کے متعلق ایک اور مشہور کہانی پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ تین کنواریاں آسمان سے زمین پر کسی دریا میں نہانے کے لئے اُتریں۔ وہ ابھی نہا ہی رہی تھیں۔ کہ اتنے میں اُن کی نہانے کی پوشاک پر کنول کا ایک پھول پیدا ہو گیا۔ اور اُس کو پھل لگ گیا۔ وہ کنواری لڑکیاں اس پھول کو دیکھ کر سخت متعجب ہوئیں۔ وہ نہیں جانتی تھیں۔ کہ یہ پھول اور اس کا پھل کہاں سے نمودار ہو گیا وہ پھول کو توڑنے یا پھل کو کھانے سے جھجکتی تھیں۔ کہ اتنے میں اُن میں سے

ایک لڑکی نے اس پھل کو توڑ کر چکھا۔ چکھنے کی دیر تھی۔ کہ وہ حاملہ ہوگئی۔ بعد ازاں
اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام نوہی مشہور ہوا۔ یہ بڑا مشہور پیغمبر حاکم اور
مقنن تھا۔ اس کے علاوہ مسٹر تھارنٹن صاحب ہمیں ایک چینی پیغمبر کی کہانی
سناتے ہیں جو کہ روح القدس کی مدد سے ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا شدہ
سمجھا جاتا ہے۔ اس کا نام لاؤکین یا لاؤزی ہے۔ اس کی پیدائش خاندان چو
کے تیسرے سال یا مسیح سے ۶۰۰ برس پہلے ہوئی تھی۔ جیسے بھاگوت گیتا میں
سری کرشن جی کہتے ہیں۔ کہ میں ہمیشہ سے ہوں۔ اور دنیا میں اُس وقت جنم لیتا
ہوں۔ جب پاپ بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح لاؤکین پیغمبر کی بابت بھی یہی کہا جاتا
ہے۔ کہ اُس نے دنیا کو دکھ سے نجات دینے کے لئے ایک سیاہ فام مگر خوبصورت
کنواری کے شکم سے جنم لیا۔ یہ شخص اول درجے کا موحد تھا۔ اور محض ایک پرماتما
کی پرستش کیا کرتا تھا۔ جس کو کہ وہ اپنی زبان میں تاؤ کہتا تھا۔ چنانچہ اس موحد
کے مقلد اب تک چین میں تاؤشی کے نام سے لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔
علاوہ ازیں چین کا دوسرا پیغمبر بنام یوجی ایک کنواری کے پیٹ سے پیدا شدہ
تسلیم کیا جاتا ہے۔ ایک اور چینی پیغمبر ہاؤکی کی بابت بھی اس قسم کی کہانی مشہور
ہے۔ کہ روح القدس نے ایک کنواری لڑکی کے سامنے اپنے پاؤں کے انگوٹھے
کا نشان لگا دیا۔ لڑکی انگوٹھوں کے ان نشانوں پر باہر چل پڑی۔ روح القدس اسکو
باہر لے گیا۔ باہر جا کر وہ حاملہ ہوگئی۔ اور باہر ہی رہی۔ آخر کار اس کے ہاں ہاؤکی
پیدا ہوا۔ جو کہ بعد ازاں بڑا مشہور و معروف آدمی بنا۔ چین میں روح القدس کے تمام
بچوں میں سب سے زیادہ مشہور و معروف کانفوشس ہے۔ یہ وہ فلاسفر ہے جس
کو چینی لوگ شاہِ بے تاج کہتے ہیں۔ اس شخص کی تعلیم نے صرف چینیوں ہی کو گرویدہ
نہیں بنایا بلکہ اہل یورپ میں بھی خاص تہلکہ مچا دیا۔ اگر یہ کہا جاوے کہ کانفوشس
کی تعلیم کے مطالعہ نے ہی اہل یورپ کو چین کی پرانی تواریخ جاننے کے لئے بیتاب
کر دیا ہے۔ تو شاید مبالغہ نہیں ہوگا۔ لیکن کانفوشس جیسا فلاسفر بھی جو عمر بھر تنگ
توہمات کے برخلاف جنگ کرتا رہا۔ بعد از مرگ اپنے مقلدوں کے ہاتھ سے اس وراثت
سے محروم نہ رہ سکا۔ جو کہ دنیا کے بڑے بڑے انسانوں کے حصے میں چلی آئی

ہے یعنی اُن کو بجائے جسمانی باپ کی اولاد ماننے کے دیوتا یا روح القدس کا عمل قرار دیا گیا۔

اب ذرا تھوڑی دیر کے لئے چین سے ہٹکر فارس کی طرف آیئے۔ آپ کو پتہ لگیگا۔ کہ پارسی مذہب کے بانی سہانی زراشتر یا زردشت کی پیدائش بھی بالکل انوکھے ڈھنگ کی مانی گئی ہے۔ پارسیوں کی مشہور کتاب دینکرت میں اس کا حال یوں لکھا ہے۔ کہ آہرمزد کے پاس سے ایک نور جس کو کہ فرداسی یا روح القدس کہتے ہیں۔ نازل ہوا۔ وہ اس گھر میں آکر ٹھیرا جہاں کہ زردشت کی ماتا کا جنم ہونے والا تھا اس لڑکی کا جنم ہوا۔ اُس کی پندرہ برس کی عمر تھی۔ کہ وہ نور اُس میں داخل ہو گیا۔ اس سے اس کا چہرہ اتنا چمک اُٹھا۔ کہ اُس کے والدین نے خیال کیا۔ کہ اس کو آسیب ہو گیا ہے۔ چنانچہ اُس نے آہرمن یا شیطان کے کہنے سے اس لڑکی کو گھر سے نکال دیا۔ لڑکی گھومتی گھومتی عراق کے علاقے میں آئی۔ وہاں پرشاسپ سے اس کی شادی ہو گئی۔ مگر آہرمن جانتا تھا۔ کہ اس لڑکی سے وہ بچہ پیدا ہوگا جو کہ میری بادشاہت کو خراب کریگا۔ وہ ہر وقت اُس کی ہلاکت کے در پے رہتا تھا۔ اس بات کو دیکھ کر دو دیوتاؤں بنام بہمن اور اشو وشہشت نے پرشاسپ کو آدمی کے قد کے برابر درخت ہوم (سوم) کی ایک شاخ دی۔ جس کے ذریعے کہ اُنہوں نے اپنے بچے کی آہرمن کے ہاتھ سے حفاظت کی۔ زردشت کے بارے میں افلاطون ہمیں بتاتا ہے۔ کہ وہ اہرمزد کا بیٹا کہا جاتا تھا۔ اور پارسیوں کے نزدیک اہرمزد سب سے بڑا دیوتا یا خدا کا نام ہے۔ پس زردشت مسیح کی طرح خداوند کا بیٹا یا ابن اللہ مانا جاتا تھا۔ خود یہ افلاطون بھی جرکہ زردشت کو خدا کا بیٹا ہونے کی خبر دیتا ہے۔ خدا کا بیٹا کہلائے جانے کی رسم سے نہ بچ سکا۔ مسٹر ڈریپر اپنی کتاب ریلیجن اور سائنس میں ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ افلاطون صاحب مسیح سے ۴۲۹ برس پہلے یونان کے دار الخلافہ ایتھنز میں پیدا ہوئے۔ اُن کی پیدائش کی کہانی عجیب ہے۔ وہ یہ کہ اُن کی ماتا پیرکٹیش کی منگنی ایرس سے ہوئی۔ مگر پیشتر اسکے کہ میاں بیوی اکٹھے ہوں۔ وہ اپولو سے حاملہ پائی گئی۔ اپولو پرانے یونانیوں کا روح القدس سمجھا جاتا ہے۔ اس دیوتا نے ایرس کو خواب میں آکر دھمکایا۔ کہ دیکھ! وہ جو تیری منگیتر

کے رحم میں ہے۔ وہ میرا بچہ ہے۔ تو اپنی منگیتر کے پاس مت جائیو۔ کیونکہ تجھے روح القدس کی عزت کرنی چاہیے۔ افلاطون کے ابن اللہ یا خدا کا بیٹا ہونے کا خیال افلاطون کے مصری شاگردوں میں اس حد تک گھر کر چکا تھا۔ کہ وہ موجودہ زمانے کے عیسائیوں کی طرح اُس شخص کو سخت حقارت اور غصے کی نظر سے دیکھتے تھے جو اس کہانی کو سچ ماننے میں تامل کرتا تھا +

ہندوؤں کی مشہور مذہبی کتاب "مہابھارت" اس قسم کی کہانیوں سے بھری پڑی ہے۔ مہابھارت کے آدی پرب میں لکھا ہے۔ کہ کنتی ابھی کنواری ہی تھی۔ کہ اُس نے دُرواسا رشی کی سیوا کی۔ رشی نے خوش ہو کر اُس کو ایک ایسا منتر سکھا دیا۔ کہ جس کے پڑھنے سے جس دیوتا کو بھی بُلانا منظور ہو۔ وہی دیوتا فوراً حاضر ہوگا اور اگر آرزو ظاہر کی جاوے تو وہ فرشتہ یا دیوتا حسب پسند لڑکا بھی عطا کر سکیگا۔ چنانچہ اسی منتر کے ذریعہ کنتی نے دیوتا کو بلایا۔ اور دیوتا نے اُس کو لڑکا دیا۔ جس کا نام کرن رکھا گیا۔ اسی منتر کے ذریعہ کنتی نے راجہ پانڈو کی اجازت سے دھرم راج یا روح القدس کو بلایا۔ اور اُس نے کنتی کو یدھشٹر کی خوش خبری سُنائی۔ کنتی نے فرشتہ یا دیوتا کا یہ پیغام راجہ پانڈو کو سُنایا۔ مہابھارت میں لکھا ہے۔ کہ راجہ پانڈو اس خوش خبری کو سُنکر بہت خوش ہوا ساڑھے نو مہینے کے بعد دوپہر کے وقت ساعت سعید میں کنتی نے بچہ جنا جس کے نور سے تمام گھر منور ہو گیا اُسی وقت آسمان سے ایک آواز آئی جو سب حاضرین نے سُنی کہ یہ فرزند تمام فرزندوں اور آدمیوں سے زیادہ نیکوکار ہوگا اس کا نام جدھشٹر ہوگا اور تینوں زمانوں کے لوگ اسکی خوبیوں کے گیت گائینگے اور اس کو سراہینگے" راجہ پانڈو اس فرزند کے پیدا ہونے سے نہایت خوش ہوا اور مستحقوں اور محتاجوں کو بہت خیرات دی۔ پھر ایک دفعہ راجہ نے کنتی سے کہا کہ ہم چھتری ہیں ایک فرزند ہمیں کفایت نہیں کرتا ایک فرزند اور چاہیئے جو نہایت قوی زبردست پُرزور اور شجاع ہو تو ایک اور فرزند جیسا کہ میں چاہتا ہوں میرے لئے حاصل کر کنتی خلوت میں گئی اور وہی منتر پڑھکے دیوتا یا فرشتہ کو طلب کیا دیوتا ایسے شخص کی صورت میں نمودار ہوا جو ہرن پر سوار تھا اس نے کہا اے کنتی تو مجھ سے کیا چاہتی ہے کنتی نے تبسم کر کے کہا کہ میں تجھ سے ایک فرزند

چاہتی ہوں جو نہایت قوی زبردست شجاع و پُرزور ہو اور زور و قوت میں کوئی اُسکا حریف نہ ہو چنانچہ دیوتا نے اُس کو ایسے ہی بچہ کی خوش خبری دی مدت معین کے بعد بچہ پیدا ہوا اُسی وقت آسمان سے آواز آئی کہ یہ فرزند ایسا پُرزور ہوگا کہ کوئی اُس کا حریف نہ ہوسکیگا راجہ پانڈو نے اُسکا نام بھیم سین رکھا اُس کی ولادت کے روز ایک امر عجیب وغریب وقوع میں آیا اور وہ یہ تھا کہ کنتی بھیم سین کو گود میں لیکر ایک جگہ سے بھاگنے لگی بچہ اُس کی گود سے گر پڑا نیچے ایک پتھر تھا بھیم سین اُس پتھر پر گرا پتھر بالکل ریزہ ریزہ ہوگیا اور بھیم کو کچھ آسیب نہ پہنچا لوگ اس امر سے متعجب وحیران ہوگئے راجہ پانڈو نہایت خوش ہوا کہ یہ میرا فرزند ایسا قوی و پُرزور ہے کہ دُنیا میں کوئی اُس کا حریف نہ ہوسکیگا۔ مہابھارت بتاتی ہے کہ پھر ایک روز راجہ پانڈو نے کُنتی سے کہا کہ تیری برکت سے دو فرزند شائستہ حاصل ہوگئے میری آرزو ہے کہ میرے لئے ایک اور بیٹا حاصل کرے جو شجاع اور عاقل اور تیر انداز اور نیک خصال ہو کُنتی نے پوچھا کہ ایسا فرزند کس سے حاصل ہوسکتا ہے راجہ نے کہا کہ میں نے سُنا ہے کہ دیوتاؤں میں اندر دیوتا سب سے بڑا ہے ایسا فرزند اُسی سے حاصل ہوسکتا ہے اگر اندر کو تو حاضر کرسکتی ہے تو اُسے بلا پھر راجہ پانڈو اور کُنتی دونوں عبادت و ریاضت میں مشغول ہوئے راجہ پانڈو کا ایک سال تک یہ وطیرہ رہا کہ طلوع آفتاب سے لیکر غروب تک ایک پاؤں کے بل کھڑا ہوکر عبادت کرتا کُنتی بھی ایک سال تک کمال زہد و ریاضت میں مشغول رہی اس ریاضت کے بعد اندر راجہ پانڈو کو دکھائی دیا اور کہا اے راجہ تم دونوں نے فرزند کی آرزو میں اس قدر ریاضت کی ہے میں تمہیں ایسا فرزند دونگا کہ دنیا میں ویسا کوئی کم ہوگا وہ سب دشمنوں کو ہلاک کریگا اور دوست اُس سے آسودہ و خوشحال ہونگے اندر یہ بات کہکر نظر سے غائب ہوگیا راجہ پانڈو نے کُنتی سے کہا کہ ہم نے جو ریاضت کی ہے اُس کی برکت سے اندر مجھے دکھائی دیا اور مجھے بشارت دی کہ ایسا بیٹا دونگا کہ اُس کے برابر دوسرا نہ ہوگا اُس کی روشنی آفتاب کی مانند ہوگی اور شجاعت مردانگی اور کمال عقل وہمت میں بے نظیر و بے عدیل ہوگا دشمنوں کو زیر کریگا اور دوستوں کو سرفرازی دیگا اب تو وہی منتر جو جانتی ہے پڑھ کر

اندر کو بُلاؤ اور اُس سے فرزند حاصل کر کنتی نے اشنان کر کے زرق برق کا لباس پہنا اور خوب بناؤ سنگار کر کے خلوت میں گئی اور منتر پڑھ کر اندر کو بلایا اندر بھی نہایت پاکیزہ اور قبول صورت اختیار کر کے ظاہر ہوا اور کنتی کو ارجن کی پیدائش کی خوشخبری دی۔ چنانچہ کنتی نے مدت معین کے بعد بچہ جنا اس وقت آسمان سے آواز آئی کہ "یہ فرزند ایسا ہوگا جیسا کہ کارت بیرج ہوا تھا اور زور و قوت میں مہادیو کی مثل ہوگا دنیا میں کوئی اُس کا حریف نہ ہوگا دشمنوں کو ہلاک و تباہ کریگا تمام ہتھیار جو دیوتا رکھتے ہیں اُن سے چھین لیگا اور جس طرح دیوتا اُن ہتھیاروں کو استعمال کرتے ہیں وہ بھی کریگا جس طرح اندر سب پر غالب ہے یہ بھی غالب ہوگا جہان میں باپ کا نام روشن کریگا تمام راجاؤں کو جو اُس کے ہمعصر ہونگے مغلوب و زبون کریگا اور جگ کریگا جس طرح پرسرام تمام چھتریوں پر غالب آیا تھا یہ بھی سب پر غالب آویگا۔"

الغرض مہابھارت میں اس قسم کی معجزانہ پیدائش کی کہانیاں کثرت سے بھری پڑی ہیں۔ جن میں بڑے بڑے راجوں مہاراجوں کو سورج دیوتا یا چندر دیوتا کی اولاد بنایا گیا ہے۔ نہ صرف راجوں مہاراجوں کی پیدائش کو معجزانہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ بلکہ بعض مذہبی مہاتماؤں کو بھی اسی جھنڈے کے تلے لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ بعض صورتوں میں یہ کوشش بہت بھدے طریقے پر کی گئی ہے۔ ۱۹۰۷ء میں لاہور سے "شگوفہ حکمت" ایک پرچہ شائع ہوتا تھا۔ اس میں بھگت کبیر جی کی پیدائش کو معجزانہ طریقہ پر ثابت کرنے کا جو مضمون درج تھا اس کا خلاصہ مفصلہ ذیل ہے:۔

"بنارس میں ایک وشنوی سادھو رہتا تھا۔ ایک بیوہ لڑکی اُس کی ٹہل سیوا کرنے جایا کرتی تھی۔ ایک دن سادھو جی کے دل میں خیال آیا۔ کہ اس لڑکی کو لڑکا دے دوں۔ وہ پرسن ہو کر بولے۔ جا۔ تیرے لڑکا ہوگا۔ لڑکی بولی۔ میں بال ودھوا ہوں۔ مجھے تو کسی پُرش کا سنگ نصیب نہیں ہوا۔ میرے لڑکا کیسے پیدا ہوگا؟ سادھو اس بات کو سُنکر گھبرا گیا۔ آخر بولا۔ اب تو ہم کہہ چکے۔ اچھا۔ جا تیرے ہاتھ میں سے لڑکا پیدا ہوگا۔ یہ سُنتے ہی لڑکی کا ہاتھ سوج گیا اور

ہاتھ کو حمل ہو گیا۔ آخر ہاتھ میں سے لڑکا نکلا۔ جس کا نام کر بیر رکھا گیا۔ کیونکہ وہ ہاتھ سے پیدا ہوا تھا۔ بعد میں کر بیر نام بگڑ کر کبیر ہو گیا"

یہ تو صاف ظاہر ہے کہ سنسکرت زبان میں کر ہاتھ کو کہتے ہیں۔ بھگت کبیر کی معجزانہ پیدائش کا یہ قصہ اسی قسم کے دیگر قصوں سے کچھ کم و عجیب نہیں ہے معجزانہ پیدائش کے ان قصوں کے بیان کرنے سے ہمارا مطلب اس بات پر روشنی ڈالنا ہے۔ کہ اگر ہم مسیح کی اس لئے عزت کریں۔ کہ وہ خدا مجسم تھا۔ یا وہ ایک معجزانہ طریقہ سے پیدا ہوا تھا۔ تو ہم اس کی عزت یا بزرگی میں کوئی اضافہ نہیں کرینگے جبکہ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ صرف ایشیا کے اندر ہی اس قسم کی معجزانہ پیدائش کی کہانیوں کے ہیرو ایک نہیں بلکہ کثرت سے موجود ہیں۔ مگر ہم اُن میں سے کسی کو بھی خدا مجسم یا اپنا نجات دہندہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ نہ ہی ہم اُن کی بزرگی یا عظمت کو محض اس لئے مان سکتے ہیں۔ کیونکہ اُن کو روح القدس یا دیوتا کی اولاد کہا جاتا ہے۔ تا وقتیکہ اِس خیالی یا محض گھڑت سے پرے جا کر اُن میں وہ صفات درحقیقت موجود نہ ہوں۔ جو کہ اُن کی عزت و عظمت کا موجب ہو سکتی ہوں۔ ہم نے دیکھ لیا کہ خدا کے مجسم ہونے یا روح القدس کے ذریعہ پیدا ہونے کے قصے ایشیا میں کثرت سے موجود ہیں۔ یورپ بھی اس قسم کے قصوں سے خالی نہیں ہے

چالیسویں فصل

روح القدس یا معجزانہ پیدائش کا سلسلہ یوروپ میں

مسیح ایشیا میں پیدا ہوا۔ چونکہ ایشیا میں شروع زمانہ سے بڑے آدمیوں کو انسانی آلایش سے مبرا ثابت کرنے کے لئے اُن کی پیدایش کو معجزانہ طریقہ پر دیوتاؤں یا سورج اور چاند وغیرہ کی طرف منسوب کرنے کا دستور چلا آتا ہے۔ اِس لئے کہا جاسکتا ہے کہ مسیح کی پیدایش کے لئے بھی ایشیا کے اِسی معجزانہ دستور کو مناسب سمجھا گیا۔ مگر اس بات کا کیا علاج ہو سکتا ہے۔ کہ معجزانہ پیدایش کا یہ سلسلہ ایشیا کی سرزمین سے گذر کر یوروپ کے ممالک میں بھی پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ جو رکاوٹ کہ مسیح تک پہنچنے یا کسی رشیلسٹ کو مسیح تک لانے کے لئے ہم اپنے سامنے محسوس کر رہے ہیں۔ بعینہ اسی قسم کی دقت کا مسیحی مشنریوں کو اول ہی اول یوروپ میں جاکر سامنا کرنا پڑا۔ جبکہ اُن کو معلوم ہوا۔ کہ خدا کے جس اکلوتے بیٹے کے نام کی منادی کرنے کے لئے وہ بڑے شوق سے یوروپ میں پہنچے تھے۔ وہ اہل یوروپ کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ کیونکہ اُن کے ہاں اس سے پیشتر ہی اُن کے اپنے روح القدس یا جوڑ کے کثرت سے بیٹے موجود تھے۔ چنانچہ مشہور مسیحی مشنری پادری جسٹن مارٹر جو کہ مسیح سے تقریباً ایک سو سال بعد اس مشن پر وہاں گیا تھا وہ اس بات کو دیکھ کر سخت حیران ہوا۔ وہ مسیح کی معجزانہ پیدایش کے اعتقاد کو چھوڑ تو سکتا نہیں تھا۔ صرف اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے یہ بول اُٹھا۔ کہ پہلے رسولوں نے جو خداوند کے بیٹے کے آنے کی خبر لوگوں کو پیشتر سے ہی دے رکھی تھی۔ اس خبر کو

شیطان نے بھی سُن لیا۔ شیطان نے یہ چال چلی۔ کہ اُس نے کافروں اور ملحدوں کے درمیان جاکر اُن کے شاعروں کو اس بات پر آمادہ کیا۔ کہ چونکہ خداوند کا بیٹا پیدا ہونیوالا ہے۔ اس لئے تم پہلے سے ہی خداوند کے بہت سے بیٹے بناکر اُن کے گیت گھڑ رکھو۔ تاکہ یہ سمجھیں۔ کہ خداوند کا یہ بیٹا کوئی نیا بیٹا نہیں ہے۔ بلکہ اس سے پہلے اور بھی سینکڑوں ہی بیٹے ہو چکے ہیں۔ پس شیطان کا یہ جادو چل گیا۔ اور گڑبڑ مچ گئی۔ دوسرے موقع پر بھی جسٹن مارٹر اپنی مشہور کتاب "اپالوجی" میں شہنشاہ ایڈرین سے خداوند کے بیٹے کی پیدائش کے متعلق بحث کرتا ہوا لکھتا ہے۔ کہ خداوند کے پلوٹھے بیٹے یعنی ہمارے خداوند مسیح کے بارے میں جو ہمارا یہ اعتقاد ہے۔ کہ وہ ایک کنواری کے پیٹ سے بغیر انسانی باپ کی آلائش کے پیدا ہوا۔ اس بارے میں ہم وہی بات کہتے ہیں۔ جو کہ آپ اپنے خداوند خدا کے بیٹوں (Sons of Jove) کے متعلق کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ کو یہ بتلانے کی ضرورت نہیں۔ کہ آپ میں سے لکھنے والوں نے خداوند خدا کے بیٹوں کے بنڈل کے بنڈل (Bundles) بنا رکھے ہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ ہم مسیح کو خداوند کا بیٹا کیوں کہتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ گو ہم اس کو انسان سے بڑھ کر خیال نہ کریں۔ لیکن تاہم ابن اللہ کا خطاب اُس کی دانائی کی وجہ سے اس کے لئے عین مناسب ہے۔ خاصکر اس وجہ سے کہ تم ملحد لوگ بھی تو مرکری دیوتا کی کلمۃ یا مسیح اللہ کے نام سے پرستش کر رہے ہو۔ باقی یہ بات کہ ہم عیسٰے مسیح کو کنواری کے پیٹ سے پیدا شدہ مانتے ہیں۔ اس کے جواب میں ہم یہ کہتے ہیں۔ کہ تم بھی تو پرسی ایس کو ایسا ہی مانتے ہو +

اگر ہم بغور دیکھیں۔ تو پادری جسٹن کا یہ جواب جاٹ کے سر پر کھاٹ اور تیلی کے سر پر کولھو والے جواب سے بڑھ کر وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن اس سے اتنا پتہ تو ضرور لگتا ہے۔ کہ ابتدائی زمانے کے مسیحی مشنریوں کی یورپ میں جاکر اُن ہی مسائل سے مڈبھیڑ ہوئی۔ جو کہ اُن کے اور دوسرے ملحدوں کے درمیان مشترکہ تھے۔ مسیحی مشنریوں نے وہاں جاکر اگر کچھ کام کیا۔ تو یہ کہ اُنہوں نے ملحدوں کے خداوند کے نام کی جگہ اپنے خداوند کا نام اور ملحدوں کے خدا کے بیٹوں کی

جنگہ اپنے خدا کے بیٹے کو آسانی سے رکھ دیا۔ اس طرح ان کو یورپ میں خداوند خدا کی روحانی بادشاہت قایم کرنے کے لئے بالکل تیار زمین مل گئی +

پادری جسٹن کے اس جواب کو دیکھ کر جو کہ آج سے تقریباً اٹھارہ سو برس پہلے شہنشاہ ایڈرین کو دیا گیا تھا۔ ہم عنان توجہ اس طرف پھیرنے کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کہ وہ کون سے خداوند خدا کے بیٹے تھے۔ جن کی طرف پادری صاحب موصوف نے اشارہ کر کے یہ کہا تھا۔ کہ اگر ہم مسیح کو ایسا مانتے ہیں تو تم دوسروں کو ویسا مانتے ہو۔ اس بات کے جاننے کے لئے ہمیں یونانیوں اور رومیوں کے دیوتاؤں یا سورما انسانوں کی تلاش کرنی چاہئے۔ اور دیکھنا چاہئے۔ کہ اہل یونان یا اہل روم ان کو کن معنوں میں عیسائیوں کی طرح جو پی ٹر یا جادو کے یا بالفاظ دیگر روح القدس کے بیٹے مانتے تھے۔ بقول پادری جسٹن صاحب روح القدس کے بچوں کے ان "بنڈلوں" میں سے ہماری نظر سب سے پہلے اس سورما پہلوان پر پڑتی ہے۔ جو کہ ہرکیولیس کے نام سے مشہور ہے۔ کتاب رومن انٹی کوٹی کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اہل روم اور یونانیوں کے عقیدے کے مطابق ہرکیولیس انسانی باپ کا لڑکا نہیں تھا۔ تو اس کی ماں تھیبس کی ملکہ دوسری عورتوں کی طرح ایک عورت تھی۔ لیکن ہرکیولیس کی پیدایش زیوس دیوتا کے ذریعہ ہوئی یہ دیوتا روح القدس کا قایم مقام سمجھا جاتا ہے۔ عین اسی طرح یونانیوں کے مشہور دیوتا بکاس کی بابت یہ کہانی مشہور ہے۔ کہ تھیبس کے بادشاہ کیڈمس کی لڑکی سیمی کے پاس جوپیٹر دیوتا آیا۔ اور اپنی روح اس میں پھونک گیا۔ اس روح سے بکاس پیدا ہوا ہے۔ ہم یہاں یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ بکاس بھیروی چکر والوں کی طرح یونانیوں کے نزدیک شراب کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ جیسے بھیروی چکر والے شراب نوشی سے پہلے برہنہ مرد اور عورتوں کی پرستش کرنا باعث ثواب سمجھتے ہیں۔ اسی طرح بکاس دیوتا کے بھگت شراب پینے سے پہلے اس دیوتا کی ننگی مورتوں کا پوجن کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ یہ مورتیاں پرانے زمانے کے یونانی اور رومی وضع کے تقریباً تمام مندروں میں موجود رہتی تھیں یہ اسی دیوتا کی بدولت ہے۔ کہ آجکل بھی انگریزی زبان میں اس شخص کے لئے جو

حد سے زیادہ شراب پیتا ہو۔ بکّے ۔ نے ۔ لین۔ (Bacchanalian) یا ووٹری آف بکاس (Votary of Bacchus) یعنی بکّاس دیوتا کا بھگت یا پوجاری کا لفظ دیکھنے میں آتا ہے۔ یوری پیڈس میں یہ شراب کا دیوتا اپنی عالی نسبی کی بابت یوں بیان کر رہا ہے۔ کہ "میں خداوند خدا یا ویوس کا بیٹا تھیبیان کے ملک میں پیدا ہوا ہوں۔ مجھے میری ماں سیملی شاہ کیڈمس کی لڑکی نے ایک برقی نور کی مدد سے جنا۔ اور بجائے دیوتا کے ایک انسان کا فانی جسم اختیار کر کے ڈرس کے چشموں اور آسمینس کے پانیوں پر پہنچا ہوں"

اس دیوتا کے متعلق مونٹ فیکن کہتا ہے۔ کہ "وہ جس کی شاعر تعریف کرتے ہیں۔ اور جس کو پرانے زمانے کی یادگاریں ظاہر کر رہی ہیں۔ وہ جوپیٹر اور سیملی کا بیٹا بکّاس ہے" یادگاروں سے اُس کی مراد وہی پرانے یونانی مندروں کی برہنہ مورتیاں ہیں۔ جو کہ اس دیوتا کو ظاہر کر رہی ہیں۔ اس طرح یونانیوں کا مشہور دیوتا ایم فیین بھی روح القدس کی مدد سے ہی پیدا ہوا ہوا سمجھا جاتا تھا۔ گو اس کی ماں الطایپ شاہ بوشیا کی لڑکی دیگر عورتوں کی طرح ایک فانی عورت تھی۔ پرسیئس جس کی مثال کہ پادری جسٹن نے شاہ ایڈرین کے سامنے اپنے دعوے کی تصدیق میں عیسےٰ مسیح کے مقابلے میں پیش کی تھی بی بی مریم کی طرح ایک کنواری لڑکی کا ہی بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ جو کہ شاہ آرگس کی بیٹی تھی۔ مسٹر بل اپنی کتاب منتھین میں ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ اور تو اور یونانیوں کا مشہور دیوتا مرکری جو کہ غیر فانی تصور کیا جاتا ہے۔ وہ بھی ایک کنواری لڑکی بنام مایا کے پیٹ سے جوپیٹر دیوتا کی مدد سے پیدا ہوا تھا۔ سیلین دفعہ آرکیڈیا میں اس کی جائے پیدائش کی یادگار میں اب تک ایک مندر بنا کھڑا ہے۔ بولس شاہ لیپاری کا باپ بھی روح القدس کا بیٹا ہی سمجھا جاتا تھا۔ مرومیو کا مشہور دیوتا اپولو جو بذات خود روح القدس سمجھا جاتا تھا۔ اس کی پیدائش بھی ایک کنواری لڑکی اور جوپیٹر کے ملاپ سے بتائی جاتی تھی۔ کہتے ہیں۔ کہ جب اپولو پیدا ہونے لگا۔ تو اس کی ماں کنواری لطونا شہر سے باہر جنگل میں چلی گئی۔ اور وہاں زیتون کے درخت کے نیچے اس بچے کو جنم دیا۔ اسی طرح آرگس۔ آرکلس

اور اتھینس بھی اسی جوپی ٹر کے بیٹے پکارے جاتے تھے۔ سوال یہ ہے۔ کہ یہ جوپی ٹر بذات خود کیا مانا جاتا تھا۔ اس کے متعلق آرفیس کے بیان سے ہمیں اتنا پتہ لگتا ہے۔ کہ اہل روم جوپی ٹر کو قادر مطلق۔ حاضر و ناظر۔ ظاہر و باطن۔ اوّل و آخر۔ خالق کائنات۔ خالق زمین و آسمان مانتے تھے۔ گویا ایک طرح پر یہ دیوتا خداوند خدا ہی تھا۔ مسٹر ڈریپر جس کا حوالہ ہم پہلے دے چکے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ کہ شہر روم کا بانی مبانی مسٹر رومولس بھی روح القدس کے بیوپار میں شمار کیا جاتا تھا۔ اس کی ماتا ریسلویا بالکل کنواری لڑکی ہی تھی۔ کہ خداوند خدا کی قدرت یا روح القدس کی مدد سے اس کے وہ رومولس پیدا ہوا۔ جس نے اپنے نام پر روم کی بنیاد رکھی۔ رومولس کے مرنے کے بعد اس کے معتقدوں یا جانشینوں میں اس کے متعلق کچھ جھگڑا ہو پڑا۔ اس جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لئے جیسا کہ مڈلٹن اپنی "لیٹرز فرم روم" کے صفحہ ۳۰ پر بیان کرتے ہیں۔ ایک خاص شخص مسمّی جولیس پروکولس نے سینٹ آف روم کے سامنے اس بات کی قسم کھائی۔ کہ رومولس بعد از مرگ مجھ سے ملا۔ اور اس نے مجھے بتایا۔ کہ میں اب فوری نس کے نام سے دیوتاؤں میں رہتا ہوں۔ گویا میں اپنی اصلی مسکن میں چلا آیا ہوں۔ رومولس کے علاوہ روم کے بہت سے دوسرے شہنشاہ مثلاً جولیس سیزر۔ اگسٹس سیزر بھی دیوتاؤں کی اولاد ہی سمجھے جاتے تھے۔ اب ذرا تھوڑی دیر کے لئے یونان میں چلئے۔ اور اس معجزانہ پیدائش کے سلسلہ کا ملاحظہ کیجئے۔ ہمارے سامنے سب سے پہلے سکندر اعظم کا نام آتا ہے۔ یونانیوں کے لئے لازمی اور ضروری تھا۔ کہ جس صورت میں وہ دیگر بہادروں کو جوپی ٹر یا روح القدس کے بچے کہنے کے عادی تھے۔ وہ سکندر کو بھی اس فہرست میں داخل کرتے۔ مسٹر ڈریپر اپنی کتاب ریلیجن اور سائنس میں اور مسٹر گبن اپنی تواریخ روم میں اس بات پر روشنی ڈالتے ہیں کہ اہل یونان سکندر اعظم کو اُن نمایاں فتوحات کے باعث جو کہ اُس نے جیتے جی حاصل کیں۔ اور اُس کی عقل خداداد کے باعث انسانی جامہ اختیار کئے ہوئے زندہ دیوتا تصور کرتے تھے۔ اُن کا اعتقاد تھا۔ کہ گو اُس کی ماں اَلَمپی ایس ایک عورت تھی۔ لیکن اُس کا باپ جوپی ٹر یا روح القدس تھا۔ مسٹر ڈریپر ہمیں بتلاتے

ہیں۔ کہ اہل یونان کے اعتقاد کے مطابق سکندر ایک دفعہ جوپی ٹر امین کے مندر کی زیارت کرنے کے لئے گیا۔ یہ مندر لیبیا کے جنگل میں واقع تھا۔ جب وہ وہاں پہنچا۔ تو اسکو ندا آئی۔ کہ "اے سکندر! تو روح القدس کا بیٹا ہے۔" بعد ازاں سکندر نے چاروں طرف خطوط اور پروانجات روانہ کئے اور بتایا کہ میں جوپی ٹر امین کا بیٹا ہوں۔ سقراط نے اس ندائے آسمانی کا یوں ترجمہ کیا ہے:۔

"قربانگاہ کو روشن کرو۔ اور خوشبو جلا کر نروا کو خوش کرو۔ تمہارا فرمانروا شہزادہ (سکندر) گو انسان ہے۔ مگر تمہیں اُس کی نظر الطاف حاصل کرنی چاہئے۔ کیونکہ خداوند خدا نے اُس کو آسمان سے زمین پر بھیجا ہے۔ دیکھو سکندر بادشاہ خداوند خدا کی طرح زمین پر حکومت کرنے اور انصاف کے قوانین جاری کرنے کے لئے آیا ہے"۔

جب سکندر اعظم خداوند کا بیٹا ہو گیا۔ تو اُس کا اثر اس کے جانشینوں پر ضرور پڑنا چاہئے تھا۔ چنانچہ اُس کا اثر پڑا۔ مثال کے طور پر سکندر کے مشہور جرنیل طالمی کو لیجئے۔ اس شخص نے سکندر اعظم کو مشرقی فتوحات میں بڑی مدد دی۔ چنانچہ سکندر کی وفات کے بعد مصر کا ملک اسی شخص کے قبضے میں آیا۔ رودس کے محاصرہ میں طالمی نے اس کے باشندوں کی ایسی نمایاں خدمات کی تھیں۔ کہ ان لوگوں نے از راہ شکر گذاری اس کو "طالمی سوٹر" یا نجات دہندہ کہنا شروع کیا۔ اس وقت سے طالمی نہ صرف سوٹر یا نجات دہندہ ہی کہلایا جانے لگا۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی اس کو خداوند خدا کا پلوٹھا بیٹا ہونے کا خطاب بھی مل گیا۔

یونان کے مشہور فلاسفر افلاطون کی نسبت ہم پہلے بتا آئے ہیں۔ کہ وہ بھی روح القدس کا بیٹا ہی تصور کیا جاتا تھا۔ اب دوسرے حکما کو لیجئے۔ حکیم فیثاغورث کی نسبت مسٹر ہگن اپنی کتاب اناکلپ سس جلد اول صفحہ ۱۵۱ پر لکھتے ہیں کہ فیثاغورث کی پیدائش مسیح سے ۵۷۰ برس پہلے ہوئی تھی۔ گو اس کی ماں کا انسانی خاوند تھا۔ لیکن فیثاغورث کی پیدائش روح القدس کی مدد سے ہوئی ہوئی سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ روح القدس نے اس کے فرضی باپ کو آگاہ کر دیا تھا۔ کہ تیرے گھر میں میرا ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جو کہ بنی نوع انسان کی خدمت بجا لائیگا۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ حکیم فیثاغورث نے اپنی پاکیزہ تعلیم سے بنی نوع انسان کی بڑی بھاری

خدمت کی۔ لیکن جن توہمات کے وہ برخلاف تھا۔ اُس کے مقلدوں نے بعد از مرگ وہی توہمات اُس کے سر پر تھوپ کر اُس کو روح القدس کا بیٹا قرار دیدیا

فیثاغورث کو بھی جانے دیجئے۔ بقول مسٹر ہل عیسے مسیح کی کہانی سے ملتی جلتی اسکیولیبیس کی کہانی سُنئے۔ اس شخص نے عیسے مسیح کی طرح اپنی زندگی میں بڑے بڑے معجزے کرکے دکھائے۔ لیکن اس کی بابت یہ مشہور ہے۔ کہ اس کی ماں کارونس ابھی بالکل کنواری ہی تھی۔ کہ وہ روح القدس سے حاملہ ہوگئی۔ اس بات سے اس کو سخت شرمندگی ہوئی۔ اپنے حمل کو چھپانے کے لئے مارے شرم کے وہ اپنے باپ کے گھر سے بھاگ کر ایپی ڈارس میں چلی گئی۔ ادھر لوگوں کو یہ خبر دی جا چکی تھی۔ کہ بنی نوع انسان کو دکھوں سے نجات دینے والا اسکیولیبیس جلدی ہی ایپی ڈارس میں روح القدس کی مدد سے کنواری کارونس کے ہاں جنم لینے والا ہے۔ کارونس شرمندہ تو تھی ہی۔ بچے کو جنم دے کر وہ ایک پہاڑ کے اوپر چھوڑ کر بھاگ آئی۔ ادھر ارسٹھینز ایک چرواہا اپنی ایک گم شدہ بھیڑ اور کتے کو تلاش کرتا ہوا اُس پہاڑ پر آنکلا۔ دیکھتا کیا ہے۔ کہ ایک نوزائیدہ بچہ پتھر پر پڑا ہے۔ وہ اُس کو گودی میں اُٹھانے اور گھر لیجانے کے لئے آگے بڑھا۔ بچے کو ہاتھ لگایا ہی تھا۔ کہ اُس کے سر کے ارد گرد نورانی شعلے محیط ہوگئے۔ اُس نے سمجھا۔ کہ یہ تو دیوتاؤں کا بچہ ہے۔ اِس بات کا چاروں طرف چرچا ہوگیا۔ لوگ دُور دُور سے اس غیر معمولی بچے کو دیکھنے کے لئے جمع ہوگئے۔ بڑے ہوکر اس شخص نے ایسے ایسے معجزے دکھائے کہ تمام یونان اور روم کے علاوہ مصر اور فینشیا میں بھی اس کی پرستش ہونے لگی +

معجزانہ پیدائش کا یہ سلسلہ صرف روم اور یونان تک ہی محدود نہیں تھا۔ بلکہ یورپ کے تمام شمالی ممالک مثلاً ناروے۔ ڈنمارک۔ سویڈن۔ آئس لینڈ تک اس کا دائرہ وسیع تھا۔ اِن شمالی ممالک کے لوگ اپنی زبان میں خداوند خدا کو اُوڈن (Odin) کہتے تھے۔ اِس اُوڈن کا سب سے پہلا یا پلوٹھا بچہ تھار (Thor) تھا۔ یہ لوگ اپنے تمام سورماؤں یا بادشاہوں کو اسی اُوڈن کے بچے کہکر پکارا کرتے تھے۔ چنانچہ بالڈر جس کو کہ ناروے کے قدیم لوگ اسی طرح

اپنا نجات دہندہ سمجھتے تھے۔ جس طرح کہ آجکل کے اہل یورپ عیسیٰ مسیح کو اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں۔ عین مسیح کی طرح پیدا شدہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ یہی روح القدس یا اوڈن دیوتا اس کا باپ سمجھا جاتا تھا۔ اور فریگا اس کی ماں سمجھی جاتی تھی۔ بعد میں جب وہ لوگ عیسائی ہو گئے۔ تو انہوں نے اوڈن کی جگہ تو روح القدس کو اور کنواری فریگا کی جگہ کنواری مریم کو دیدی۔ گویا پرانے تخت پر نئے دعویداروں کو بٹھا دیا۔ یا مسیح کے الفاظ میں انہوں نے پرانی بوتلوں میں نئی شراب" بھر دی۔ اور اس طرح جس اعتقاد کو وہ پہلے رکھتے تھے۔ اسی کو انہوں نے مسیحی ہو کر اب بھی تبدیلیٔ نام کے ساتھ قائم رکھا

مگر جس طرح مسیح سے پیشتر اس قسم کے لوگ موجود تھے۔ جو اپنے آپ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اسی طرح عین مسیح کے زمانے میں بھی بعض لوگ اس قسم کے موجود تھے۔ جو کہ روح القدس کی مدد سے پیدا ہونے کا دم بھرتے تھے۔ چنانچہ ان میں سے ایک شخص سائمن تھا۔ یہ شخص اپنی کرامات کے باعث ساحر کہا جاتا تھا۔ اپنے اصلی وطن سے چل کر یہ شخص روم میں پہنچا۔ وہاں اس نے ایسے ایسے شعبدے دکھائے کہ اہل روم اس کو اپنے دیوتاؤں میں سے ایک دیوتا ماننے لگ گئے۔ چنانچہ دیگر دیوتاؤں کی مورتوں کے ساتھ اس کی مورتی بھی مندر میں رکھی جانے لگی۔

جسٹن مارٹر جو کہ پرانا مسیحی مشنری تھا۔ جس کی بابت اوپر بھی لکھا جا چکا ہے۔ اس شخص کی بابت تحریر کرتا ہے۔ کہ اہل روم اس کو دیوتا تسلیم کر کے اس کی پرستش کرتے تھے۔ چنانچہ دریائے ٹائیبر کے درمیانی پلوں پر اس شخص کے نام کا یہ کتبہ کندہ کیا ہوا تھا کہ

"Simoni-Deo-Sancto."

جس کا مطلب یہ ہے۔ "سائمن اخدائے مقدس کے لئے" اسی طرح اپولونیس کے بارے میں بھی اسی قسم کی کہانی مشہور ہے۔ یہ شخص مسیح سے ۴۱ برس پہلے پیدا ہوا تھا۔ فلاسٹریس کے صفحہ ۵ پر مسطور ہے۔ کہ روح القدس نے اپولونیس کی ماں سے آ کر کہا۔ کہ میں خود ہی تیرے گھر جنم لونگا۔ روح القدس نے ایک عرصے کے بعد اس لڑکی کے ہاں جنم لیا۔ اور اس انوکھے بچے کا نام بعد میں اپولونیس مشہور ہوا۔ یہ شخص بھی بڑا مذہبی ریفارمر اور کراماتی پیغمبر سمجھا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزانہ پیدایش کے خیال نے یورپ میں بھی تقریباً ویسا ہی کام کیا ہے۔ جیسا کہ اُس نے ایشیا میں کیا تھا۔ یورپ میں اس قسم کے بچے ایشیائی بچوں سے بھی زیادہ معلوم ہوتے ہیں۔ بلکہ یورپ کے ملکوں میں تو بقول پادری جسٹن اس قسم کے بچوں کے بنڈل کے بنڈل موجود تھے۔ جو کہ بقول صاحب موصوف شیطان نے لوگوں کے کانوں میں اس غرض سے پھونک مار کر پیدا کر دیے تھے۔ کہ خداوند کے اصلی بیٹے کے بارے میں ایک عالمگیر گڑبڑ مچ جائے۔ پادری جسٹن کا شیطان کے متعلق یہ خیال خواہ کیسا ہی ہنسی کو لانے والا ہو۔ مگر اس میں شک نہیں۔ کہ خداوند خدا کے اسقدر فرزندوں کی موجودگی میں مسیح کو اس کا اکلوتا بیٹا تسلیم کر لینا ایک منصف مزاج شخص کے لیے سخت مشکل ضرور ہے۔ ایک رشینلسٹ کے لیے تو یہ اور بھی دقت طلب معاملہ ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اپنے دماغ کے خانہ میں ان تمام مہمانوں کو جگہ دے۔ یا کسی کو بھی اندر آنے کی اجازت نہ دے۔ اِس لیے کہ اگر وہ ایک دعویدار کو قبول کرتا ہے۔ تو وہ ان مدعیوں کا دعویٰ خارج کرنے میں ظلم کرتا ہے۔ جن کا کہ دعویٰ زیادہ دیرینہ اور زیادہ قوی ہے۔ اس رکاوٹ کو اپنے راستے سے دور کرنے سے بیشتر آؤ ذرا افریقہ کی سیر بھی کر لیں +

اکتالیسویں فصل

روح القدس یا معجزانہ پیدائش
کا
سلسلہ افریقہ میں

اب ذرا تھوڑی دیر کے لئے ہم آبنائے سویز کو عبور کر کے ایشیا کے ساتھ لگنے برا عظم افریقہ میں قدم رکھتے ہیں۔ افریقہ کا وہ شمالی حصہ جو سرزمین ایشیا کے ساتھ ٹکر کھا رہا ہے۔ کسی زمانے میں بڑی بھاری تہذیب کا مرکز رہ چکا ہے۔ اس حصے سے ہماری مراد ملک مصر ہے۔ مصر نہ صرف اپنی پرانی مزیدار تواریخ ہی رکھتا ہے بلکہ ایسی کہانیاں اور دلچسپ فسانے بھی رکھتا ہے کہ جن کی یادگار سے بائیبل اور قرآن مجید کے صفحے کے صفحے بھرے پڑے ہیں ہم چونکہ محض مذہبی پہلو پر بحث کر رہے ہیں۔ اس لئے مصر کی مادی ترقی کو نظر انداز کرتے ہوئے ہم فقط یہ دکھانے کی کوشش کرینگے۔ کہ ایشیا اور یوروپ کی طرح مصر بھی معجزانہ پیدائش کے کرشموں سے خالی نہیں رہا۔ لیکن پیشتر اس کے کہ ہم اس سلسلہ کو شروع کریں۔ ہم نہایت ہی مختصر طور پر اہل مصر کے مذہبی عقائد پر نظر مارنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ہم مضمون زیر بحث پر آسانی سے روشنی ڈال سکیں۔ مذہبی لحاظ سے مصر کو ہندوستان سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ مذہب یا متوں کی جو بھرمار یہاں ہو رہی ہے۔ وہی کسی زمانے میں مصر میں تھی۔ ذرا ہندوستان کے قدیم مندروں یا موجودہ مندروں پر نظر مار کر دیکھئے۔ تو آپ کو پتہ لگیگا۔ کہ سینکڑوں دیوی دیوتاؤں کی تصویریں در و دیوار پر منقش ہو رہی ہیں۔ کہیں رام اور سیتا براجمان ہیں۔ کہیں رادھا اور کرشن

جی موجود ہیں۔ کہیں ہنومان جی دُم اُٹھائے کھڑے ہیں۔ کہیں بھیروں اور کالی مُنہ کھولے کھڑی ہیں۔ کہیں چتر بھجی اور کہیں اشٹ بھجی براجمان ہیں۔ کہیں برھما جی کنول پھول پر لیٹے پڑے ہیں۔ کہیں وشنو جی مہاراج ہیں۔ کہیں شوجی بیٹھے ہیں۔ کہیں گنیش جی چار ہاتھ کھولے بیٹھے ہیں۔ کہیں سیتلا مائی ہے۔ کہیں وام مارگیوں کی ننگی تصویریں ہیں۔ کہیں ٹھاکرجی مہاراج مندر میں لیٹے پڑے ہیں۔ غرضیکہ تمام مندر اسی قسم کے معبودوں سے بھرے پڑے نظر آئینگے مصر کے پرانے مندروں میں گھسنے پر ہو بہو یہی نظارہ نظر آتا ہے۔ کہیں آمین دیوتا کی تصویر ہے۔ کہیں مانت۔ کھنن۔ نیبست۔ منطو۔ شو۔ نوط اُسی رس وغیرہ کی کہیں سیبت۔ ہورس۔ فتا۔ سخیت۔ طوم۔ پشت۔ انوک۔ بھاتھ۔ آوئیں وغیرہ دیوتا ہیں۔ کہیں کھیم۔ اتسس۔ نفتس۔ آتھر۔ ہراکس۔ ناسس۔ نیحت وغیرہ دیوتا کھڑے ہیں۔ کہیں سنبی۔ کھپرا۔ نفنت۔ شو۔ بنتی وغیرہ دیوی اور دیوتا آسن لگائے بیٹھے ہیں۔ غرضیکہ سینکڑوں چھوڑ ہزاروں دیوی دیوتاؤں کی تصویریں مصری مندروں کی دیواروں پر منقش نظر آتی ہیں۔ جارج رالی سن صاحب اپنی کتاب این شنٹ ایجپٹ یا مصر قدیم میں مصریوں کے دیوی دیوتاؤں کی فہرست دیتے ہوئے قدرتاً اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ پرانے مصری قدرت پرست تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی بتاتے ہیں۔ کہ اہل مصر ان دیوتاؤں کو مختلف طاقتوں کا مظہر سمجھتے تھے۔ اِن میں سے کوئی روشنی کا دیوتا تصور کیا جاتا تھا۔ کوئی اندھیرے کا۔ کوئی آرام کا۔ کوئی دکھ کا۔ کوئی بچوں کا۔ کوئی زمین کا۔ کوئی جانوروں کا۔ کوئی بارش کا۔ غرضیکہ ہر ایک دیوتا ایک خاص صیغہ کا منیجر کہا جاتا تھا۔ لیکن پرانے مصری ان تمام دیوتاؤں پر ایک لاثانی طاقت یا لاثانی دیوتا کو حکمران خیال کرتے تھے۔ اُس مہادیو کے مطیع ہی یہ تمام دیوتا اپنے فرائض کو پورا کرتے تھے۔ مسٹر راکی سن صاحب کسی پرانی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے جو کہ اُن کے نزدیک مصر کے پروہتوں کے سوائے کسی دوسرے کو معلوم نہیں تھی۔ اس دیوتا کے بارے میں یہ الفاظ درج کرتے ہیں۔ کہ وُہ دیوتاؤں کا دیوتا وحدہٗ لاشریک لہٗ ہے۔ اوپر اور نیچے کی تمام کائنات کا پیدا کنندہ وہی ہے۔

مگر وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا۔ وہ ایک قایم بالذات اور علیم کل ہستی ہے۔ وہ ازلی وابدی ہے۔ اُس نے تمام چیزوں کو بنایا۔ مگر اُس کو کسی نے نہیں بنایا،، +

یہ کتنی بڑی صداقت ہے۔ جو قدیم مصریوں میں موجود تھی۔ مسٹر رالی سن صاحب پُرانے مصری شاعروں کی تصنیفات کی بعض عبارتوں کا حوالہ دیتے ہوئے اس لاثانی ہستی کی مدح سرائی میں ہمیں بتاتے ہیں۔ کہ اُن کے نزدیک یہ علیم کل ہستی ایسی تھی۔ کہ " اس کی کوئی مورتی نہیں بنائی جاسکتی۔ وہ آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا۔ وہ لامکان ہے۔ کسی مندر میں اُس کی شکل نہیں اُتاری جاسکتی۔ وہ کسی خاص مکان میں محدود نہیں کیا جاسکتا۔ وہ بے نام ہے۔ وہ اوتار یا تجسم اختیار نہیں کرتا۔ اُس کی مورتی بنانا حماقت ہے۔ وہ ازل سے ہے۔ وہ لازمان ہے۔ اُس کے سوائے کوئی دوسرا دیوتا نہیں ہے کسی ماں نے اُس کو جنا نہیں۔ کسی باپ نے اس کو پیدا نہیں کیا۔ وہی وحدہ لاشریک ہے۔ وہ قایم بالذات ہے۔ تمام دیوی اور دیوتاؤں کا پیدا کنندہ وہی ہے"۔ مگر جب اہل مصر گمراہ ہوگئے۔ تو انہوں نے نہ صرف مظہرات قدرت کی ہی پرستش شروع کردی۔ بلکہ وہ تمام خس وخاشاک کی پرستش کرنے لگ گئے۔ یہاں تک کہ اہل مصر نے سانپوں کی پرستش بھی شروع کردی +

ان کے سب سے بڑے سرپ دیوتا کا نام اے پپ تھا۔ اس ناگ دیوتا نے اِن لوگوں پر اس قدر اقتدار پایا۔ کہ شاہان مصر نے اس کو بامی سے نکال کر اپنے سنہری تاجوں پر جگہ دی۔ اور اس کو حکومت کا خاص نشان بنایا۔ چنانچہ زمانہ مابعد کے جتنے مصری بادشاہوں کی تصویریں یا بُت اس وقت تک دستیاب ہوئے ہیں۔ اِن سب کے سروں پر تاج سے چمٹے ہوئے ناگ یوتا جی سر اٹھائے کھڑے ہیں۔ مثال کے طور پر مینی فتاہ بادشاہ مصر کا بت دیکھئے۔ یہ اُس مصری فرعون کا سر ہے۔ جس کے وقت میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کو مصر چھوڑ کر بھاگنا پڑا تھا +



فرعون مصر کا بت

کہا جا سکتا ہے کہ سانپ کا مصری بادشاہوں کے تاجوں پر موجود ہونا بعینہ وہی معنی رکھتا ہے۔ جو کہ شہنشاہ برطانیہ کلاں کے تاج پر شیر اور یونیکارن یا فلیور ڈی لس (Fleur-de-lis) کا موجود ہونا۔ یا سلطان ٹرکی کے جھنڈے پر ہلال کا ہونا یا ریاستہائے متحدہ کے علم پر عقاب کا ہونا یا بعض ہندوستانی ریاستوں کے سکوں پر گائے کا ہونا یا یونانی حکمرانوں کے سکوں پر جوپی ٹر وغیرہ کا ہونا وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس میں شک نہیں۔ کہ ہر ایک قوم اپنے لئے وہی نشان مقرر کرتی ہے۔ جو اُن کی نظروں میں زیادہ مقدس یا طاقت و شجاعت کا مظہر ہو۔ اہل مصر نے سرپ دیوتا کو خاص طاقت کا مظہر اس لئے سمجھا تھا۔ کہ اُس نے اُن کے خیال کے مطابق ان کے دو دیوتاؤں سیت اور اسی رس کے درمیان جنگ کرا کر سیت کو فتح دلائی تھی۔

یورپ کے شمالی ممالک کے قدیم باشندوں نے تو روح القدس کے لئے

اوڈن (Odin) کا نام پسند کر رکھا تھا۔ مگر اہل مصر اس کو اپنی زبان میں را (Ra) اور ہورس (Horus) کہتے تھے۔ جیسے یونانی اپنے بہادروں کو جوپی ٹر وغیرہ دیوتاؤں کے بیٹے کہا کرتے تھے۔ اور خود جوپی ٹر کو بھی کسی بڑے دیوتا کا پلوٹھا بیٹا تصور کرتے تھے۔ اسی طرح مصر کے تمام بادشاہ اسی را اور ہورس کے بیٹے کہے جاتے تھے۔ خود یہ دیوتا یا بالفاظ دیگر روح القدس بھی بالکل انوکھے ڈھنگ پر پیدا شدہ مانے جاتے تھے۔ مسٹر بانوگ صاحب اپنی کتاب اتی جپشین بلیف (عقائد مصر) میں فرماتے ہیں۔ کہ را دیوتا کا باپ نہیں تھا۔ اس کی پیدائش بھی دیگر انسانوں کی طرح نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ یہ دیوتا اپنی ماتا کے پہلو سے پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح ہورس کی بابت کہا جاتا تھا۔ کہ وہ کنواری آئی سس کے بطن سے پیدا ہوا۔ اہل مصر اس پیدائش کو نظر استعجاب سے دیکھتے تھے۔ اور اس کو آمین دیوتا کا بیٹا خیال کرتے تھے۔ مصری مندروں میں جو اس دیوتا کی تصویریں ہیں۔ ان میں دکھایا گیا ہے۔ کہ اس کی ماتا آئی سس اس کو اپنی گود میں لئے بیٹھی ہے۔ جن لوگوں نے کبھی رومن کیتھولک عیسائیوں کے گرجوں میں حضرت مریم کی تصویر کو لٹکتے دیکھا ہوگا وہ جانتے ہونگے۔ کہ حضرت مریم بھی اسی مصری کنواری کی طرح خداوند خدا کے اکلوتے اور پلوٹھے بیٹے مسیح کو گود میں لیکر بیٹھی ہوئی دکھائی گئی ہے۔ بچہ ماں کی گود سے چمٹ رہا ہے۔ اور پیار بھری نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے +

مسٹر چمپولین صاحب نے مصر کے ایک مندر میں ہورس دیوتا کی تعریف میں ایک عبارت لکھی ہوئی دیکھی۔ جس کا ترجمہ انہوں نے یہ کیا ہے :-

O thou Avenger, God, Son of a God. O thou Avenger, Horus, manifested by Osiris, engendered of the Goddess Isis.

ہم اپنی زبان میں اس کا ترجمہ یوں کر سکتے ہیں :-

"اے بدلہ لینے والے خداوند۔ خداوند کے بیٹے۔ اے بدلہ لینے والے

ہورس - جس کو کہ اُسی رس نے ظاہر کیا ہے - جو دیوی آسس کے بطن سے پیدا ہوا ہے ''۔

صرف یہی نہیں - بلکہ اہل مصر اپنے بادشاہوں کو بھی خداوند خدا سمجھتے تھے چنانچہ ایک مصری درباری بادشاہ کے حضور میں آ کر یہ کہتا ہوا دیکھا جاتا تھا:۔

'' حضور آپ خداوند خدا ہیں - خدائے اعظم ہیں - رادیونگ کے برابر ہیں - میں حضور کے ہی طفیل سے زندہ ہوں '' ایلچی بادشاہ کے دربار میں آ کر اس کی تعظیم بجا لا کر یوں کہا کرتے تھے :۔

'' آپ اپنے تمام کاموں میں رایا خداوند خدا کے برابر ہیں - آپ کا دل جو چاہتا ہے - وہی پالیتا ہے - اگر آپ یہ کہیں - کہ پتھر میں سے پانی نکل آئے تو آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلنے کے ساتھ ہی پتھر میں سے پانی کے چشمے جاری ہو جاتے ہیں - خداوند خدا بارا اپنے تمام اعضا میں آپ کی ہی طرح ہے - اور خداوند کھیرا اپنی خالقیت میں آپ سے ملتا ہے - آپ اپنے باپ خداوند توم کی زندہ تصویر ہیں - آپ کے تمام احکام روز مرہ پورے ہوتے ہیں ''۔

صرف یہی نہیں تھا کہ بادشاہوں کو خداوند خدا اور خداوند خدا کے بیٹے کہا جاتا تھا - بلکہ بعض اوقات مصریوں کے مختلف خداوند ہندوؤں یا عیسائیوں کے خداوند کی طرح خود بھی جسم اختیار کر لیتے تھے - چنانچہ وہی مسٹر راؤسن صاحب مصریوں کی اس بارے میں ایک کہانی بیان کرتے ہیں - جو مختصر طور پر یوں ہے - کہ جب خداوند آسمان پر حکومت کرتے کرتے تنگ گئے تو انہوں نے ارادہ کیا کہ آسمان کی بجائے زمین پر چل کر حکومت کریں - پس اُنہوں نے انسانی جامہ اختیار کر کے ملک مصر پر قبضہ کر لیا - جب چار بادشاہ حکومت کر چکے - تو خداوند اُسی رس اور توط نے شمالی اور جنوبی مصر پر اقتدار پایا - اُسی رس بڑا فیاض اور نیک تھا - اُس نے اہل مصر کو اچھے اچھے علوم و فنون سکھائے - اُن کو مہذب بنایا - اور کھیتی باڑی کرنی سکھائی - مگر اُسی رس کا بھائی خداوند سیت بڑا شریر تھا - اُس نے اُسی رس کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا - اور اسکو مار ڈالا - اس کی لاش ایک صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں بہا دی - اور

یہ سمندر میں جا گری۔ اسی رس کی بیوہ بہن آئی سس اور نفتس اپنے خاوند کی لاش کو تلاش کرنے کے لیئے باہر نکلیں۔ مگر کچھ پتہ نہ لگا۔ آخر شام کے کنارے پر جہاں کہ سمندر کی لہروں نے اُسکو پھینک دیا تھا۔ یہ لاش پائی گئی۔ آئی سس اپنے خاوند کی لاش کو دفن کرنے کے لیئے واپس لارہی تھی۔ کہ سیت نے اس کو راستے ہی میں اس سے چھین لیا اور اس کو چودہ ٹکڑوں میں کاٹ کر مختلف جگہوں میں چھپا دیا۔ بیچاری آئی سس ان ٹکڑوں کو دوبارہ تلاش کرنے کے لیئے نکلی۔ اور ان کو تلاش کر کے مصر کی سرزمین میں دفن کیا۔ بعدازاں اُس نے اپنے بیٹے خداوند ہورس کو بلایا۔ اور کہا۔ کہ اپنے باپ کا انتقام لو۔ ہورس نے سیت کو قید کر لیا۔ مگر آئی سس کو رحم آیا۔ اور اُس نے سیت کو چھوڑ دیا۔ اس سے ہورس ایسا خفا ہوا۔ کہ اُس نے اپنی ماں آئی سس کا سر کاٹ دیا۔ لیکن تھاتھ دیوتا نے اُس کے دھڑ پر ایک گائے کا سر کاٹ کر لگا دیا۔ ہورس نے اپنے چچا سیت سے دوبارہ لڑائی کی۔ اور اُس کو مار ڈالا +

یہ اور اس قسم کی دوسری کہانیوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مصری دیوتا بھی بعض ہندو دیوتاؤں کی طرح آپس میں خوب لڑا کرتے تھے۔ اگر تھاتھ نے آئی سس کے دھڑ پر گائے کا سر کاٹ کر لگا دیا۔ تو ہندوؤں کے شوجی نے اپنے بیٹے کے دھڑ پر ہاتھی کا سر لگا کر اُس کو گنیش بنا دیا۔ جس طرح ہندوؤں نے خداوند خدا کے لیئے مچھلی۔ کچھوہ۔ شیر۔ سوئر وغیرہ کا اوتار مقرر کیا تھا۔ اسی طرح مصر کے بت پرستوں نے اپنے خداوند خدا یا دیوتاؤں کی اسی طرح مٹی پلید کرنی شروع کی۔ یہاں تک کہ اُنہوں نے اپنے ایک خاص خداوند کو جس کا نام سیب تھا۔ بطخ بنا کر انڈے دینے پر مجبور کیا۔ اس غریب دیوتا نے بطخ کا جامہ اختیار کیا۔ اور انڈے دے کر اُن کو مرغی کی طرح سیا۔ اور بچے نکالے۔ اس سے بڑھ کر مخول کی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک بات اور بھی عجیب ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ مصری بت پرستوں نے اپنے خداوند خدا کو بڑی خوفناک شکل دے رکھی تھی۔ وہ یہ کہ مصر کے لوگ سرکش ہو گئے یا خداوند خدا کو بُرا کہنے لگے۔ اس خداوند نے تمام دیوتاؤں کو جمع کیا۔ اور اُن سے مشورہ پوچھا۔ کہ انسانوں کو کیا سزا دینی چاہیئے؟ سب نے

یک زبان ہو کر کہا۔ کہ بنی نوع انسان کا تخم صفحۂ ہستی پر سے مٹا ڈالنا چاہیئے۔ یہ خوفناک کام آتھر اور سخمت دیوتاؤں کے سپرد ہوا۔ جنہوں نے انسانوں کو تہ تیغ کرنا شروع کیا۔ اس کشت و خون کو دیکھ کر تمام انسانوں پر دہشت چھا گئی۔ اپنے غضب ناک دیوتا کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کے لئے اُنہوں نے نہایت ہی لذیذ پھلوں کا رس نچوڑا۔ اور اس میں انسانوں کا خون ملا کر ایک مزیدار شراب بنائی۔ اس شراب سے اُنہوں نے سات ہزار مٹکے بھرے۔ اور اپنے خداوند خدا کے سامنے پیش کیئے۔ خداوند خدا اُس خونی شراب کو پی کر بڑا ہی خوش ہوا کچھ تھوڑی سی شراب باقی رہ گئی وہ پھینک دی گئی۔ اس کے پھینکتے ہی ایک طوفان عظیم برپا ہو گیا۔ اور تمام مصر غرقاب ہو گیا۔ دوسرے دن آتھر دیوتا انسانوں کو مارنے کے لئے باہر نکلا۔ مگر اُس کو کوئی انسان نظر نہ آیا۔ چاروں طرف پانی ہی پانی تھا۔ اس نے تمام پانی کو پی لیا۔ اور بڑا خوش ہوا وغیرہ وغیرہ کہانیوں کو نظر انداز کر کے ہم نفس مضمون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ جس تھاتھ دیوتا کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے۔ اُس کی تصویر تھیبا کے بعض پُرانے مندروں میں دیکھی جاتی ہے۔ چنانچہ مسٹر ہاوک کی تحقیقات کے مطابق ایک مندر میں اس دیوتا کی اس قسم کی تصویر بنائی گئی ہے۔ کہ وہ کنواری ملکہ طاطمس کو مخاطب کر کے کہ رہا ہے۔ کہ تیرے ہاں روح القدس کا بچہ جنم لیگا۔ اور وہ بادشاہ ہوگا چنانچہ جب یہ لڑکا پیدا ہوا۔ تو اُس کا نام عمینو آصف رکھا گیا۔ تواریخ مصر میں یہ عمینو آصف سوم کے نام سے مشہور ہے۔ مصر کا ایک اور مشہور و معروف بادشاہ را۔ می۔ سس سوم بھی کنواری کے پیٹ سے ہی پیدا شدہ مانا جاتا تھا۔ خود را۔ می۔ سس (Ra-me-ses) کا نام ظاہر کر رہا ہے۔ کہ وہ را یا روح القدس کا بیٹا تھا۔ اس بادشاہ کے متعلق مسٹر رینیاف صاحب اپنی مشہور کتاب ریلیجن آف اینشنٹ ای جپٹ (Religion of ancient Egypt) میں مصری مندروں کے کتبوں کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ ایک کتبہ میں را دیوتا اپنے اکلوتے بیٹے را۔ می۔ سس سوم کو مخاطب کر کے یوں کہہ رہا ہے +

"میں تیرا باپ ہوں۔ تیرے تمام اعضا کی پیدائش مجھ سے ہی ہوئی ہے۔ میں نے تیری شکل کو منڈیسی خدا کی شکل پر بنایا ہے۔ میں نے ہی تیری قابل تعظیم ماتا کو حاملہ کر کے تجھے پیدا کیا ہے۔" اسی طرح مصر کا مشہور بادشاہ تھاتمس اول بھی روح القدس کا ہی بیٹا خیال کیا جاتا تھا۔ تھتمس کے معنوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تھاتھ دیوتا کا بیٹا تصور کیا جاتا تھا۔ جب یہ بادشاہ مر گیا۔ تو اُس کی جگہ اُس کا بیٹا تھاتھمس ثانی مصر کے ملک کا بادشاہ ہوا۔ اس نے اپنی سگی بہن ہتاسو سے شادی کر لی۔ ہندوستان کے وام مارگیوں کی طرح اُس زمانے کے مصری ماں بہن کے ساتھ زوجیت کے تعلق کو کچھ بُری نظر سے نہیں دیکھتے تھے۔ ہتاسو نے اپنے بھائی یا خاوند کو مروا ڈالا۔ اور عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لیکر اپنے چھوٹے بھائی سے شادی کر لی۔ اور اپنے آپ کو مصر کے سب سے بڑے خداوند رآ اور ہورس کی بیٹی اور آمن دیوتا کی بیوی کہنے لگی۔ یہ اور اس قسم کی دیگر کہانیوں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ اس زمانے میں روح القدس کے ذریعہ پیدا ہونے کا خیال نہ صرف ایشیا و یورپ پر ہی اپنا تسلط جمائے ہوئے تھا بلکہ افریقہ کے اس حصے میں بھی جو کبھی تہذیب کا ملجا و ماوےٰ رہ چکا تھا۔ اپنا تسلط رکھتا تھا۔ اب ساتھ لگتے ہمیں امریکہ کی پُرانی تہذیب پر بھی ایک نظر مار لینی چاہئیے۔

بیالیسویں فصل

روح القدس با عجزانہ پیدائش

کا

سلسلہ امریکہ میں

کون نہیں جانتا۔ کہ اس وقت بھی امریکہ میں خداوند کے اکلوتے بیٹے کے گیت گائے جا رہے ہیں۔ آج سے تقریباً چھ سات سو برس پیشتر بلکہ بہت عرصہ پیشتر بھی جبکہ امریکہ کے اصلی باشندے اس خداوند کے پلوٹھے کا نام تک نہیں جانتے تھے۔ وہ اس وقت بھی زیادہ تر روح القدس کے بچوں کے ہی مدّاح تھے۔ اُن کا خداوند روح القدس بعض حالتوں میں ان سے حیوانی اور انسانی قربانی کی استدعا کیا کرتا تھا۔ اور اس کے پوجاری اس قسم کی قربانیاں کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ وہ عام طور پر سورج کی پرستش کرتے تھے۔ اِسی کو وہ ہرتا کرتا یا زندہ خدا مانتے تھے۔ مگر اُن میں جو معقول آدمی تھے۔ وہ سورج کی پرستش کو بُرا سمجھتے تھے۔ چنانچہ گارسی لیسو کی کتاب کمنٹیریو۔ ریلیز (Commentarie-Reales) مطبوعہ ۱۶۰۹ء و ۱۶۱۷ء میں اِن باتوں کا بخوبی ذکر کیا گیا ہے۔ البرٹ ریولی نے امریکہ کی پُرانی تواریخ پر لکچر دیتے ہوئے اس کتاب سے ہی زیادہ مدد لی ہے۔ یہ کتاب اس وجہ سے بھی زیادہ معتبر سمجھی جاتی ہے۔ کہ اُس کا مصنّف مسٹر گارسی لیسو ڈی۔ لا۔ ویگہ (Garcilasso-de-la-vega) گو ایک یورپین باپ کا لڑکا تھا۔ مگر اُس کی ماں پیرو کے مشہور بادشاہ انکا خاندان کی شہزادی تھی۔ گارسی لیسو اِس بات کا فخر کیا کرتا تھا۔ کہ وہ شاہانِ انکا کی نسل

ہیں سے ہے۔ اس کی ماں کو قدرتاً اپنے آباؤ اجداد کی تواریخ۔ مذہب۔ شائستگی کے بارے میں بہت کچھ زبانی یاد تھا۔ اور اس نے اپنے بچے کو وہ سب باتیں بتا دی تھیں۔ خاصکر جبکہ وہ خود بھی ایک پڑھی لکھی شہزادی تھی۔ چنانچہ گارسی لیسو اپنے آباؤ اجداد کے مذہبی خیالات کا ذکر کرتے ہوئے شاہ انکا توپک یا نیتوق (Inca-Tupac-Upanqui) کے بارے میں لکھتا ہے۔ کہ وہ یہ دیکھ کر کہ لوگ سورج کو زندہ دیوتا سمجھ کر اس کی پرستش کر رہے ہیں۔ اُن کے اس غلط عقیدے کا یوں کھنڈن کرنے لگے۔ "لوگ کہتے ہیں۔ کہ سورج زندہ ہے اور وہی سب کام کرتا ہے مگر اُن کو سوچنا چاہئے۔ کہ جب کوئی شخص کوئی کام کیا کرتا ہے۔ تو وہ کرتے وقت اس کام یا چیز کے عین پاس ہوا کرتا ہے۔ حالانکہ دُنیا میں بہت سے کام اُس وقت ہوتے ہیں۔ جبکہ سورج غائب ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ سورج ہر ایک کام کو نہیں کرتا۔ پھر اگر سورج زندہ چیز ہوتا۔ تو کیا وہ روزمرّہ کے اتنے لمبے سفر سے تھک نہ جاتا۔ اگر وہ زندہ ہوتا۔ تو ہماری طرح تکان محسوس کرتا۔ اگر وہ آزاد ہوتا۔ تو وہ آکاش کے دوسرے حصوں میں بھی چلا جایا کرتا۔ جن میں کہ وہ کبھی بھی نہیں جاتا۔ سچ یہ ہے۔ کہ وہ ایک ایسی چیز ہے۔ جس کو کام پر لگا دیا ہو۔ اور وہ اپنے مقررہ راستے پر گردش کر رہی ہو یا وہ ایک تیر کی طرح ہے۔ جس کو کہ جس طرف تیر انداز چلا دیتا ہے۔ تیر اُسی طرف کو چلا جاتا ہے۔ تیر کی اپنی مرضی کچھ بھی نہیں ہے"۔

اِس بیان سے صاف ظاہر ہے۔ کہ پُرانے زمانے کے بیدار مغز اہل امریکہ سورج کو محض ایک خدمتگار اور کسی بڑی طاقت کے مطیع کام کرنے والا وجود مانتے تھے۔ اس کو وہ زندہ سمجھ کر نہیں پوجتے تھے۔ چنانچہ وہی مسٹر گارسی لیسو ایک دوسرے امریکن بادشاہ بنام اِنکا ہیونا کیپک "Inca- (Huyena-Capac) کے بارے میں لکھتا ہے۔ کہ وہ صاف طور پر سورج کے زندہ دیوتا ہونے سے منکر تھا۔ تو ہمات میں جکڑے ہوئے اہل امریکہ سورج دیوتا کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنا بھی سخت کفر سمجھتے تھے۔ مگر

اُن کے وہم کو مٹانے کے لئے ایک دن جبکہ بڑا جشن منایا جارہا تھا۔ بادشاہ ہیبونا کیپک میدان میں کھڑا ہو کر سورج کی طرف دیکھنے لگ گیا۔ وہ اتنی دیر تک دیکھتا رہا۔ کہ ایک بڑے بھاری پروہت نے ہیبت زدہ ہو کر بادشاہ سے کہا۔ "آپ کا سورج دیوتا کی طرف اِس طرح گستاخی اور بے عزتی سے آنکھیں اٹھا کر دیکھنا لوگوں میں سخت ہل چل مچا دیگا"۔ بادشاہ نے اُس پروہت کو جواب دیا۔ "میں تم سے دو سوال پوچھتا ہوں۔ تم مجھے اُن کا جواب دو۔ دیکھو۔ میں تمہارا بادشاہ ہوں۔ کیا تم میں کوئی ایسا گستاخ اور نڈر شخص ہے۔ جو مجھ سے یہ کہہ سکے۔ کہ اٹھو اور ہماری خوشی کے لئے اتنا چکر لگاؤ؟ دوسرے کیا میرے تمام مالدار اور زبردست باجگذاروں میں سے کوئی بھی ایسا زبردست سردار ہے۔ کہ میں اُس کو کہوں۔ کہ تم اسی وقت فوراً چلی کے صوبے کی طرف جاؤ۔ اور وہ نہ جائے؟ پروہت نے بادشاہ کی دونوں باتوں کا جواب نفی میں دیا۔ اِس پر بادشاہ نے فرمایا۔ "میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ اس سورج سے بھی ایک زبردست خدا ہے جو کہ اس سورج کو اپنا روزانہ چکر لگانے کے لئے حکم دیتا ہے۔ کیونکہ اگر یہی سورج خدا یا حاکم واحد ہوتا۔ تو وہ اپنی مرضی سے بیچ بیچ میں اِس سفر کو چھوڑ بھی دیا کرتا۔ خواہ اُس کو ترک سفر کی کوئی ضرورت بھی نہ ہوتی"۔

اس تعلیم سے صاف عیاں ہے۔ کہ امریکہ کے بیدار مغز بادشاہ سورج پرست نہیں تھے۔ بلکہ وہ ایک زندہ خداوندی ہستی کے قائل تھے۔ اور وہ بہت معقول انسان تھے۔ چنانچہ پیرو کے بادشاہ انکا بادشاہوں میں سے آخری بادشاہ اتھالپہ (Atehalphe) کو جب پزآرو نے یہ کہا۔ کہ عیسائی ہو جاؤ۔ ورنہ تمہارا ملک تم سے چھین لیا جاویگا۔ تو بادشاہ نے پزآرو کو جواب دیا کہ "میں جدی قانون کے مطابق اپنے ملک پر حکومت کرتا ہوں۔ میں کوئی وجہ نہیں دیکھتا۔ کہ ایک غیر ملک کا پادری کسی شخص کو اُس کے اپنے ملک سے بیدخل کرنے کا کیا حق رکھتا ہے؟ میں اپنا دین نہیں چھوڑ سکتا"۔ پزآرو کے ساتھیوں نے بادشاہ کو صلیب دکھا کر کہا۔ کہ "اس پر ایمان لاؤ۔

بہشت میں جاؤ گے۔" اتہالپہ جواب دیتا ہے۔"کیا میں اپنے زندہ معبود کو چھوڑ کر تمہاری اُس مُردہ چیز پر ایمان لے آؤں؟ میں دیکھتا ہوں۔ کہ میرا خداوند زندہ ہے۔ مگر تمہاری صلیب مُردہ ہے۔" بعد ازاں یہ معقول پسند بادشاہ پوچھتا ہے۔ کہ تم نے یہ سب باتیں کہاں سے سیکھی ہیں؟ پادری وِلورد (Velvered) بائیبل نکال کر جواب دیتا ہے۔ کہ "اس میں سے۔" بادشاہ کتاب کو ہاتھ میں لیتا ہے کھول کر دیکھتا ہے۔ پھر اُس کو کان سے لگاتا ہے۔ مگر یہ جان کر کہ وہ بولتی نہیں ہے۔ اُس کو زمین پر رکھ دیتا ہے۔ اور مسیحی ہونے سے انکار کر دیتا ہے +

لیکن اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ کہ کیا امریکہ میں توہمات پرستی بالکل نہیں تھی؟ تواریخ بتاتی ہے۔ کہ وہاں توہمات پرستی بھی تھی۔ اور وہ اسی قسم کی تھی جس قسم کی ہندوستان میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً وہ مختلف دیوی دیوتاؤں کو مانتے اور پوجتے تھے۔ ان میں سے کوئی سردی کا دیوتا تھا۔ کوئی گرمی کا۔ کوئی بارش کا کوئی آندھی کا۔ کوئی فصلوں کا۔ کوئی اولاد کا۔ حتےٰ کہ مکئی اور آلوؤں کی زراپ کانوپہ (Zorap - Canopa) اور پاپاپ کنوپہ (Papap - Canopa) وغیرہ دیوتاؤں کے نام سے پرستش کرتے تھے۔ مکئی کو وہ تمام اناجوں کی دیوی سمجھتے تھے۔ وہ مانتے تھے۔ کہ زمین کے اندر جتنا خزانہ ہے۔ اُس پر ایک سانپ بیٹھا ہوا ہے جس کی دُم سونے کی زنجیروں سے جکڑی ہوئی ہے جس کا سر بارہ سنگے کی طرح ہے۔ وہ اِسکوارگوئے (Arcaguay) کے نام سے پوجتے تھے۔ ساحل بحر پر رہنے والے باشندے مچھلیوں۔ گھڑیالوں۔ مینڈکوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔ گو امریکہ کے بیدار مغز بادشاہوں میں سے کتنے ہی بادشاہ زندہ خدا کی پرستش کرتے تھے۔ مگر بہت سے دیوی دیوتاؤں کو ہی خداوند خدا سمجھتے تھے۔ ان دیوتاؤں میں سے وہ مادی سورج کو بڑا جانتے تھے۔ اِن کا خیال تھا۔ کہ جب دنیا میں گناہ بڑھ جاتا ہے۔ تو سورج دیوتا انسان کا جسم اختیار کر کے زمین پر آتا ہے۔ اور وہ کسی انسان کے گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کا نام اس جگہ کی بولی کے مطابق رکھا جاتا ہے۔ وہ وہاں کے باشندوں کی اصلاح کرتا ہے۔ مگر پیدا ہونے سے پہلے وہ کسی خاص شکل میں مجسم ہو کر کنواری لڑکیوں کے پاس پہنچتا ہے۔ مثال کے طور پر

کوٹ پیک کے نزدیک ایک بیوہ لڑکی تھی۔ جس کا نام کوٹ لیق (Coat Ziqcue) تھا۔ ایک دن جبکہ وہ سورج دیوتا کی پوجا کرنے کے لئے مندر کو جا رہی تھی۔ تو سورج دیوتا ایک چھوٹے سے جانور شکر خورے کی شکل بنا کر اُس کے راستے میں آپڑے۔ لڑکی نے اُس خوبصورت ننھی سی چیز کو اُٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا۔ تاکہ اُسکو مندر میں بطور چڑھاوے کے پیش کرے۔ مندر میں جا کر اس نے اسکو سینے سے باہر نکالنا چاہا۔ تو سورج دیوتا غائب ہو گئے۔ مگر لڑکی کو اپنی طبیعت بگڑتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اُس کو پتہ لگا۔ کہ میں حاملہ ہو گئی ہوں۔ لوگوں نے اُسکو مار ڈالنا چاہا۔ کیونکہ اُن کے نزدیک اُس نے بُرا کام کیا تھا۔ مگر وہ بچہ جو رحم میں تھا۔ جو سورج دیوتا ہی تھا۔ رحم کے اندر سے ہی چلا اُٹھا:۔

"ماتا! مت ڈرو۔ میں تم کو بچا لونگا۔ تیری بڑی عزت ہو گی۔ اور میری بڑی مانتا ہو گی"۔ لڑکی بچ گئی۔ کچھ عرصے کے بعد اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام یوزلو پاکٹلی (Uzlo-Poeteley) رکھا گیا۔ اس کے ایک ہاتھ میں ڈھال دوسرے میں نیزہ تھا۔ اُس نے اپنی ماں کے دشمنوں کی خوب خبر لی۔ اور مختلف قسم کے کرشمے دکھائے۔ آخر کار وہ دوبارہ آسمان کو واپس چلا گیا۔ اور اپنی ماں کو بھی ساتھ ہی لے گیا+

لارڈ کنگس برو اپنی کتاب میکسیکان انٹی کوئیٹیز (Mexican Antiqzzities) میں روح القدس کی ایک اور کہانی بیان کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ کولمبس کے امریکہ میں جانے سے پیشتر اہل میکسیکو ایک نجات دہندہ کی پرستش کرتے تھے۔ وہ نجات دہندہ ان کے نزدیک ایک کنواری لڑکی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ آسمان سے ایک فرشتے نے اس لڑکی کو آواز دی تھی۔ کہ تیرے ہاں بغیر باپ کے ایک لڑکا پیدا ہو گا۔ چنانچہ اس مقصد کے لئے آسمان سے روح القدس نازل ہوا اور اُس لڑکی کے پاس آیا۔ اس لڑکی کی دو اور بہنیں بھی تھیں۔ جن میں سے ایک کا نام زوچٹلیق (Izochitliqzze) اور دوسری کا نام کناٹیلیق (Canataliqzze) دونوں بہنیں تو روح القدس کے دیکھنے کے ساتھ ہی ایسی دہشت زدہ ہوئیں۔ کہ مارے ڈر کے مر گئیں۔ مگر یہ تیسری بہن جس کا

نام ساشی قزل (Sachiquetzel) تھا نذ رہی - روح القدس سے
یہ لڑکی حاملہ ہوئی - اور اس سے ایک بچہ پیدا ہوا - جس کا نام قسزل کوٹل
(Quetzalcoatle) رکھا گیا - یہ لڑکا بڑا مقدس سمجھا گیا - اس نے بڑے
بڑے کرشمے دکھائے - اسی طرح یوکٹن کے باشندوں میں بھی اسی قسم کی کہانی
مشہور تھی - ان کے ہاں بھی کنواری سے روح القدس کی مدد سے ایک بچہ پیدا
ہوا تھا - جس کا نام زامار (Zoma) تھا - مسٹر سکائر اپنی کتاب سرپنٹ سمبل
میں بیان کرتے ہیں - کہ کولمبیا کے باشندوں میں ایک کہانی مشہور ہے - کہ اُن
کے دیوتا نے انسانی جامہ اختیار کیا - وہ ایک کنواری کے ہاں پیدا ہوا - وہ اپنے
باپ کا اکلوتا بیٹا تھا - اور اُس کا نام بوکیکا (Bochica) تھا - اسی طرح
نکاراگوا کے باشندے مانتے تھے - کہ اُن کے بڑے دیوتا نے اپنے اکلوتے
بیٹے کو جس کا نام تھیوٹ بلایہ (Theot - Bilahe) تھا - زمین پر
بھیجا - تاکہ وہ بنی نوع انسان کو تعلیم دے - اسی طرح پیرو کے باشندے کہتے تھے -
کہ خداوند نے ہماری ردی حالت کو ٹھیک کرنے کے لئے اپنے اکلوتے بیٹے مانکو کیپک
(Manco-Capac) کو زمین پر بھیجا - اسی طرح گواٹیمالا کے باشندوں میں
یہ روایت مشہور تھی - کہ ان کے سدھار کے لئے خداوند نے اپنے اکلوتے بیٹے کو
زمین پر بھیجا - برازیل - فلوریڈا وغیرہ میں بھی اس قسم کی کہانیاں مشہور تھیں - وہاں
کے اصلی باشندوں کا خداوند بعینہ قزل کوٹل کی مانند سمجھا جاتا تھا - اس کا نام وسی
(Wasi) تھا - اس نے ان کو بتایا - کہ دنیا میں ابتدا سے کیا کچھ ہوا ہے -
اور کیا کچھ ہوگا - اُس نے ان کو قوانین دئے - ان کو روزہ رکھنے سکھائے - اور
اُن کو ہدایت کی - کہ نسلاً بعد نسل میرے احکام کی پیروی کرتے رہنا - مسٹر سکائر
بیان کرتے ہیں - کہ کیلیفورنیا کے باشندوں کا یہ عقیدہ ہے - کہ وہ ایک خالق کو
مانتے ہیں - جس کا نام اُنھوں نے نپاراگا (Niparaga) رکھ چھوڑا ہے
وہ کہتے ہیں - کہ اس خداوند کا ایک بیٹا تھا - جس کا نام کواگپ (Quaagap)
تھا - خداوند نے اپنے اکلوتے بیٹے کو زمین پر بھیجا - اُس نے ایک کنواری لڑکی کے
ہاں جنم لیا - اور لوگوں کو مذہب کی تعلیم دی - مگر اُنھوں نے اُسکو مار ڈالا - اگرچہ وہ

مر گیا۔ مگر پھر بھی وہ زندہ اور خوبصورت ہے۔ وہ اُن کا اپنے باپ کے پاس شفیع ہے ابھی تک بھی لوگوں میں اس قسم کے ایک اور بچے کی کہانی مشہور ہے اُس کا نام منی تو (Mani-Lozu) ہے۔ وہ ایک کنواری لڑکی کے پیٹ سے پیدا شدہ مانا جاتا ہے۔ ان کے نزدیک تمام دنیا کا نجات دہندہ یہی منی تو ہے۔ الغرض معجزانہ پیدائش کا سلسلہ امریکہ میں بھی اس قدر پھیلا ہوا تھا۔ کہ جسکو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اور ہم پادری جسٹن کے اس خیال کو دہرانے کے لئے مجبور ہوتے ہیں۔ کہ پہلے رسولوں نے جو خداوند کے بیٹے کے آنے کی خبر دے رکھی تھی۔ اس خبر کو شیطان نے بھی سُن لیا۔ شیطان نے یہ چال چلی۔ کہ کافروں اور ملحدوں کے درمیان جا کر اُن کے شاعروں کو اِس بات پر آمادہ کیا۔ کہ چونکہ خداوند کا بیٹا پیدا ہونے والا ہے۔ اِس لئے تم پہلے سے ہی خداوند کے بہت سے بیٹے بنا کر ان کے گیت گھڑ رکھو۔ تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ خداوند کا یہ بیٹا کوئی نیا بیٹا نہیں۔ بلکہ اس سے پہلے اور بھی سینکڑوں ہی بیٹے ہو چکے ہیں۔ پس شیطان کا یہ جادو چل گیا اور گڑبڑ مچ گئی +

گو پادری جسٹن مارٹر نے ایک مضحکہ خیز طریقہ پر اس مشکل کو اپنے لئے حل کر لیا مگر ایک رشینلسٹ اس مشکل کو کیونکر حل کرتا یا کرنا چاہتا ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے +

تینتالیسویں فصل

پہلی مشکل کا حل

مسیح تک پہنچنے کے لئے ایک رشنلسٹ کے راستے میں جو سب سے پہلی رکاوٹ آئی ہے اسکا بیان کیا جا چکا ہے۔ رشنلسٹ اِس مشکل کو مختلف طریقوں سے حل کرتا ہے۔ وہ چرچ سے یہ استدعا کرتا ہے کہ اُسکو یہ اجازت دیجاوے کہ وہ مسیح کو خداوند کا مجسم یا اُسکو ایک معجزانہ طریقہ پر پیدا شدہ ماننے یا نہ ماننے میں آزاد ہے۔ اور کہ معجزانہ پیدایش کا مسئلہ اسکے مسیح تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو سکتا۔ اگر اسکو چرچ کی طرف سے یہ آزادی مل جائے تو اس کی پہلی مشکل کا حل ہو جاتا ہے۔ مگر چونکہ چرچ اُس کو ابھی آزادی دینے کے لئے تیار نہیں ہے بنابریں وہ اِس مشکل کو ایک دوسرے طریقہ پر حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اناجیل کی اندرونی مدد سے اور چرچ کی ابتدائی تواریخ سے اِس معمے کو حل کرنا چاہتا ہے۔ اور دیکھنا چاہتا ہے کہ آیا اناجیل اربعہ اسکی اِس مشکل کو حل کرنے میں کچھ مدد دے سکتے ہیں۔ جب وہ اناجیل کو کھولتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ متی کی انجیل میں یوں درج ہے:۔

"اور ایسا ہوا کہ جب یسوع یہ تمثیلیں کہہ چکا تو وہ وہاں سے روانہ ہوا۔ اور اپنے وطن میں آکر اُس نے اُن کے عبادتخانے میں اُنہیں ایسی تعلیم دی کہ وے حیران ہوئے اور کہنے لگے کہ اُسنے یہ حکمت اور معجزے کہاں سے پائے۔ کیا یہ بڑھئی کا بیٹا نہیں۔ اور اس کی ماں مریم نہیں کہلاتی۔ اور اسکے بھائی یعقوب اور یوسیس اور شمعون اور یہوداہ اور اُسکی سب بہنیں ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ پس اُس نے یہ سب کچھ کہاں سے پایا۔ متی ۱۳: ۵۳ تا ۵۶"

انجیل کی اِس شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہی نہیں

تھا۔ بلکہ اُس کے چار بھائی اور کئی بہنیں اور بھی تھیں۔ جو کہ اُس کے ساتھ ہر ایک بات میں شریک تھے۔ اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ یہاں پر غیر لوگوں نے مسیح کی ابنیت کو ایک بڑھئی کی طرف منسوب کیا ہے۔ ممکن ہے۔ ان کا کہنا غلط ہو۔ مگر جب لوقا کی انجیل میں یہ بیان موجود پایا جاتا ہے۔ تو پھر شبہ کی گنجائش نہیں رہتی:۔

"اُس کے ماں باپ ہر برس عید فسح میں یروشلم کو جاتے تھے۔ اور جب وہ بارہ برس کا ہوا۔ اور وہ عید کے دستور پر یروشلم کو گئے تھے۔ تو لڑکا یسوع یروشلم میں رہ گیا۔ مگر یوسف اور اُس کی ماں نے نہ جانا بلکہ یہ سمجھ کر کہ وہ قافلہ میں ہے۔ ایک منزل آگے نکل گئے۔ اور اسے رشتہ داروں اور جان پہچانوں میں ہر جگہ ڈھونڈا اور نہ پا کر اُس کی تلاش ہر جگہ کرتے ہوئے یروشلم کو پھرے۔ اور ایسا ہوا۔ اُنہوں نے تین روز پیچھے اسے ہیکل میں اُستادوں کے بیچ میں بیٹھے ہوئے اُن کی سنتے اور اُن سے سوال کرتے پایا۔ اور سب جو اُس کی سنتے تھے اُس کی سمجھ اور اُس کے جوابوں سے دنگ تھے۔ تب وے اُسے دیکھ کر حیران ہوئے۔ اور اُس کی ماں نے اُس سے کہا۔ اے بیٹے اس لئے تو نے ہم سے ایسا کیا۔ دیکھ تیرا باپ اور میں کڑھتے ہوئے تجھے ڈھونڈتے تھے۔ لوقا ۳/ ۴۱-۴۹"

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ یسوع مسیح معجزانہ طور پر روح القدس کا بیٹا نہیں تھا۔ بلکہ جیسا کہ اُس کی ماں کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ یوسف ہی اُس کا باپ تھا۔ یہ کہنا کہ یوسف کو مسیح کا باپ کہنے میں مریم نے غلط بیانی کی ہو گی مشکل ہے۔ حضرت مریم کے قول کے علاوہ انجیل دوسری جگہ کہتی ہے:۔

"جس وقت ماں باپ اُس لڑکے یسوع کو اندر لائے۔ تاکہ اُس کے لئے شریعت کے دستور پر عمل کریں۔ لوقا ۲/ ۲۷-۲۸"

یہاں پر انجیل میں صاف طور پر یوسف کو ہی مسیح کا باپ کہا گیا ہے۔ دوسری جگہ پھر لکھا ہے:۔

"اور اس کا باپ اور اسکی ماں ان باتوں پر جو اس کے حق میں کہی جاتی تھیں

تعجب کرتے تھے۔" لوقا ۲/۳۳

یہاں پر بھی انجیل نے صاف الفاظ میں یوسف کو ہی مسیح کا باپ کہا ہے۔ ایک اور جگہ پر انجیل کہتی ہے:۔

"اُس کے ماں باپ ہر برس عید فسح پر یروشلیم کو جایا کرتے تھے۔" لوقا ۲/۴۱

انجیل یہاں پر بھی یوسف کو ہی مسیح کا باپ قرار دیتی ہے۔ ایک اور جگہ پر لکھا ہے:۔

"وہ لڑکا یسوع یروشلیم میں رہ گیا اور اسکے ماں باپ کو خبر نہ ہوئی۔ لوقا ۲/۴۳"

یہاں پر بھی انجیل نے یوسف کو ہی مسیح کا باپ کہا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ اگر یوسف جسمانی معنوں میں مسیح کا باپ نہیں تھا۔ تو انجیل نے اسکو کن معنوں میں مسیح کا باپ لکھا ہے؟ یہ کہنا کہ یوسف روحانی معنوں میں مسیح کا باپ کہا گیا ہوگا۔ درست ثابت نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ روحانی معنوں میں مسیح کے باپ کے متعلق انجیل یہ شہادت دیتی ہے کہ:۔

"اُن دنوں میں ایسا ہوا۔ کہ یسوع نے گلیل کے ناصرت سے آکر یردن میں یوحنا سے بپتسمہ لیا۔ اور جب وہ پانی سے نکل کر اوپر آیا۔ تو فوراً اس نے آسمان کو پھٹتے اور روح کو کبوتر کی مانند اپنے اوپر اُترتے دیکھا۔ اور آسمانوں سے آواز آئی۔ کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے تجھ سے میں خوش ہوں۔ مرقس ۱/۹-۱۱"

یہاں پر مسیح کے روحانی باپ کا ذکر ہے۔ نہ کہ جسمانی باپ کا۔ اسیطرح متی کی انجیل میں لکھا ہے:۔

"اور یسوع بپتسمہ لیکر فی الفور پانی کے پاس سے اوپر گیا۔ اور دیکھو اس کے لئے آسمان کھل گیا۔ اور اس نے خدا کی روح کو کبوتر کی مانند اُترتے اور اپنے اوپر آتے دیکھا۔ اور دیکھو آسمان سے یہ آواز آئی۔ کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔ متی ۳/۱۶-۱۷"

یہاں پر بھی مسیح کا روحانی باپ خدا کو یا خدا کی روح کو جو کبوتر کی شکل میں مسیح پر نازل ہوئی تھی۔ تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی طرح لوقا کی انجیل ہمیں بتاتی ہے کہ:۔

"جب سب لوگوں نے بپتسمہ لیا۔ اور یسوع بھی بپتسمہ پاکر دعا مانگ رہا تھا۔ تو ایسا ہوا۔ کہ آسمان کھل گیا۔ اور روح القدس جسمانی صورت میں کبوتر

کی مانند اس پر اتری۔ اور آسمان سے یہ آواز آئی۔ کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے
تجھ سے میں خوش ہوں۔ لوقا $\frac{3}{21-22}$ "

لوقا نے بھی روح القدس کو ہی مسیح کا روحانی باپ تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح یوحنا کی انجیل میں لکھا ہے کہ:-

"یوحنا نے یہ گواہی دی۔ کہ میں نے روح کو کبوتر کی طرح آسمان سے اترتے دیکھا ہے۔ اور وہ اس (یسوع) پر ٹھہر گئی۔ اور میں تو اسے نہ پہچانتا تھا۔ مگر جس نے مجھے پانی سے بپتسمہ دینے کو بھیجا۔ اسی نے مجھ سے کہا۔ کہ جس پر تو روح کو اترتے اور ٹھہرتے دیکھے۔ وہی روح القدس سے بپتسمہ دینے والا ہے۔ چنانچہ میں نے دیکھا۔ اور گواہی دی۔ کہ یہ خدا کا بیٹا ہے
یوحنا $\frac{1}{32-34}$ "

یوحنا کی شہادت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ مسیح کا روحانی باپ خدا یا خدا کی روح تھی۔ نہ کہ یوسف۔ ان حوالہ جات سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ انجیل میں یوسف کو جو مسیح کا باپ کہا گیا ہے۔ وہ روحانی معنوں میں نہیں ہے۔ بلکہ یوسف کو مسیح کا باپ جسمانی معنوں میں کہا گیا ہے۔ اس بات کی شہادت کہ یوسف جسمانی معنوں میں مسیح کا باپ تھا۔ اس نسب نامہ سے بھی ملتی ہے جو متی اور لوقا کی اناجیل میں مسیح کی بابت دیا گیا ہے۔ متی کی انجیل میں ابراہیم سے لیکر مسیح تک ۴۲ پشتیں دی گئی ہیں مگر لوقا کی انجیل میں ابراہیم سے لیکر مسیح تک ۵۶ پشتیں دی گئی ہیں۔ اگرچہ دونوں اناجیل میں ۱۴ پشتوں کا فرق ہے۔ مگر پھر بھی دونوں نسب ناموں میں مسیح کو یوسف کے ذریعہ داؤد کے خاندان میں شمار کیا گیا ہے۔ متی کی انجیل میں ابراہیم سے پشت شماری کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے:-

"متان سے یعقوب پیدا ہوا۔ یعقوب سے یوسف پیدا ہوا۔ یہ اس مریم کا شوہر تھا جس سے یسوع پیدا ہوا۔ جو مسیح کہلاتا ہے۔ متی $\frac{1}{16}$ "

مگر لوقا کی انجیل میں مسیح کے نسب نامہ کو یوسف کے ذریعہ ابراہیم تک پہنچاتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

"جب یسوع خود تعلیم دینے لگا۔ تو برس تیس ایک کا تھا۔ اور جیسا کہ سمجھا جاتا تھا۔

یوسف کا بیٹا تھا۔ اور وہ عیلی کا اور وہ متات کا الخ۔ لوقا ۳ ۲۳ بد

دونوں اناجیل میں مسیح کے نسب نامہ کو یوسف کے ذریعہ ابراہیم سے ملایا گیا ہے اور لوقا نے تو صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے کہ وہ یوسف کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ اگر مسیح یوسف کا بیٹا نہیں تھا جیسا کہ اناجیل شہادت دیتی ہیں۔ یوسف مسیح کا جسمانی باپ نہیں تھا تو کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ مسیح کے نسب نامہ کو ابراہیم تک پہنچانے کے لئے یوسف کا نام کیوں بیچ میں لایا گیا۔ اناجیل کی اندرونی شہادت سے یہ بات تو ثابت ہو چکی ہے کہ یوسف کو مسیح کا باپ روحانی معنوں میں نہیں کہا گیا۔ جب اناجیل کی دوسری اندرونی شہادت پر نظر ماری جاتی ہے تو یہ معاملہ صاف ہو جاتا ہے کہ یوسف کو جسمانی معنوں میں مسیح کا باپ تسلیم کیا گیا ہے۔ لوقا کی انجیل میں اس بارے کی تصدیق میں ایک اور شہادت ملتی ہے۔ لکھا ہے کہ:۔

"جبرائیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرت تھا۔ ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا۔ جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نامی سے ہوئی تھی۔ اور اس کنواری کا نام مریم تھا۔ اور فرشتے نے اس کے پاس اندر آ کے کہا۔ سلام تجھ کو جس پر فضل ہوا ہے۔ خداوند تیرے ساتھ ہے۔ وہ اس کلام سے بہت گھبرا گئی۔ اور سوچنے لگی کہ یہ کیسا سلام ہے۔ فرشتے نے اس سے کہا اے مریم خوف نہ کر۔ کیونکہ خدا کی طرف سے تجھ پر فضل ہوا ہے اور دیکھ تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی۔ اس کا نام یسوع رکھنا۔ وہ بزرگ ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ کا بیٹا کہلائیگا۔ اور خداوند خدا اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دیگا۔ اور وہ یعقوب کے گھرانے پر ابد تک بادشاہی کریگا۔ اور اس کی بادشاہی کا آخر نہ ہوگا۔ مریم نے فرشتے سے کہا یہ کیونکر ہوگا جس حال میں کہ میں مرد سے واقف بھی نہیں۔ اور فرشتے نے جواب میں اس سے کہا کہ روح القدس تجھ پر نازل ہوگا۔ اور خدا تعالیٰ کی قدرت تجھ پر سایہ ڈالیگی۔ اور اس سبب سے وہ پاکیزہ جو پیدا ہونیوالا ہے۔ خدا کا بیٹا کہلائیگا۔ اور دیکھ تیری رشتہ دار الیشبع کے بھی بڑھاپے میں بیٹا ہونیوالا ہے

اور اب اس کو جو بانجھ کہلاتی تھی چھٹا مہینہ ہے۔ کیونکہ جو قول خدا کی طرف سے ہے وہ ہرگز بے تاثیر نہ ہوگا۔ مریم نے کہا دیکھ میں خداوند کی بندی ہوں۔ میرے لئے تیرے قول کے موافق ہو۔ پھر فرشتہ اس کے پاس سے چلا گیا۔ لوقا ۱: ۳۶-۳۸

اس شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم کی یوسف سے منگنی ہو چکی تھی۔ فرشتے نے اس سے صرف اسی قدر کہا کہ تیرے بیٹا پیدا ہوگا۔ مریم کے استفسار پر فرشتے نے اس کی رشتہ دار الیشبع کی مثال دی ہے۔ جو خاوند والی تھی۔ مگر اس کے ہاں عرصہ سے کوئی بچہ نہیں ہوا تھا۔ الیشبع کی شادی ذکریا سے اور مریم کی منگنی یوسف سے ہو چکی تھی۔ ایسی صورت میں فرشتہ کا مریم کے سامنے اُس کی رشتہ دار الیشبع کی مثال دینا اس بات کی تشریح تھی کہ تیرے ہاں جو بیٹا ہوگا، وہ بھی الیشبع کے بیٹے کی طرح قدرتی طریقہ پر ہوگا۔ ان تمام شہادتوں سے اس بات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ کہ یوسف مسیح کا جسمانی معنوں میں باپ تھا۔ اناجیل کی اس اندرونی شہادت کے علاوہ جب ہم تواریخی شہادت پر نظر مارتے ہیں تو ہمیں مسیح کی معجزانہ پیدائش کے مسئلہ کو حل کرنے میں بڑی مدد مل جاتی ہے۔ مسیح کی موت کے بعد جب اس کے حواری اور رشتہ دار یروشلم میں جمع ہوئے تو سب نے اس کے نام سے منادی کا عزم کیا۔ یہ سب سے پہلی کونسل تھی۔ جو کہ عیسائیوں نے دین عیسوی کو پھیلانے کے لئے کی۔ اس کونسل میں طے شدہ باتوں کا وعظ کرنے کے لئے مسیح کے غریب پیرو چاروں طرف پھیل گئے۔ ان ابتدائی مقلدوں کو یہودی لوگ حقارت کی وجہ سے نصرانی یا ابی نائیٹس کہتے تھے۔ کیونکہ مسیح خود ناصرت گاؤں کی طرف منسوب کیا جاتا تھا۔ ابی نائیٹس کے معنی غریب آدمیوں کے ہیں۔ نصرانی کے معنی منسوب بہ مسیح ناصری کئے جاتے تھے۔ مسیح کے بارے میں ان لوگوں کے اعتقادات بڑے سیدھے سادے تھے۔ چنانچہ پادری یوسیبیس جو کہ ۲۶۳ء میں پیدا ہوا تھا۔ اور پہلا عیسائی مؤرخ تھا۔ نصرانیوں یا ابی نائیٹس لوگوں کی تواریخ لکھتا ہوا بیان کرتا ہے کہ ابی نائیٹس لوگ بڑے غریب اور منکسر المزاج ہیں۔ ان کا اعتقاد ہے کہ مسیح ایک بڑا سیدھا سادہ اور عام آدمیوں کی طرح آدمی تھا۔ اُس کی پیدائش بھی عام

انسانوں کی طرح مریم اور یوسف سے پیدا ہوا تھا نصرانیت یا ابی نائیٹس لوگوں کو جو یہ مانتے تھے کہ مسیح دوسرے انسانوں کی طرح یوسف اور مریم سے پیدا ہوا تھا۔ یہودیوں سے آئے ہوئے عیسائی لوگ ملحد اور مصر اور روم کے عیسائی کافر کہتے تھے۔ کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ روم۔ مصر۔ اور یونان وغیرہ میں دیوتاؤں کی اولاد ہونے کا فخر عام طور پر ترقی پر تھا۔ اب تو ان نصرانی ابی نائیٹس لوگوں کی شامت آگئی۔ ان کو مجبور کیا گیا۔ کہ وہ اس اعتقاد سے باز آجائیں۔ گبن صاحب تواریخ روم میں ان مظلوموں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان کے معبد تباہ کر دیئے گئے۔ ان کی کتابیں جلا دی گئیں۔ اور ان کو انواع و اقسام کی اذیتیں دی گئیں۔ وہ لوگ مسیح کو عام آدمیوں کی طرح ایک نیک آدمی تصور کرتے تھے۔ اور اس کو انسانوں سے بڑھ کر خدا کا مرتبہ دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ نصرانیوں کا یہ عقیدہ مدت تک جاری رہا۔ لارڈنر صاحب فرماتے ہیں کہ ابی نائیٹس کی طرح ابتدائی عیسائیوں میں ایک اور فرقہ بھی تھا۔ جن کو کارپوکریشین کہتے تھے۔ اس فرقہ کا بانی کارپوکریٹس تھا۔ ان کا بھی یہی اعتقاد تھا۔ کہ مسیح عام انسانوں کی طرح پیدا ہوا تھا۔ مگر وہ نیک تھا۔ نصرانیوں کی طرح زمانۂ مابعد کے عیسائی کارپوکریشین کو بھی کافروں کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ کارپوکریشین لوگوں کا اعتقاد تھا کہ جو کچھ ہم کو مسیح کے حواریوں اور رسولوں نے بتایا ہے۔ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔ اور کہ حواریوں اور رسولوں کے یہی اعتقادات تھے۔ جو کہ ہم رکھتے ہیں۔ اور یہی سچی باتیں ہیں۔ یہ صداقت دو نسلوں تک جاری رہی۔ اور روم کے تیرھویں بشپ وکٹر کے زمانے تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ مگر اس کے جانشین زیفرائینس کے وقت اس میں کئی ردوبدل اور مختلف تغیرات ہو گئے۔ چنانچہ یوسیبس آرٹیمن اور اس کے مقلدوں کا ذکر کرتا ہوا مسیح کے خداوند کا بیٹا ہونے کے بارے میں ان لوگوں کے اعتقادات کا یوں بیان کرتا ہے:۔

"ان کا عقیدہ ہے کہ ہمارے تمام بزرگوں اور تمام رسولوں کی یہی رائے تھی جو کہ ہم رکھتے ہیں۔ اور انہوں نے ہم کو ایسی ہی تعلیم دی تھی اور کہ اس سچی تعلیم کی صداقت وکٹر کے زمانے تک جو کہ پطرس نبی کے بعد روم کا تیرھواں بشپ تھا

جاری رہی۔ مگر زفیرائنس نے اس میں سخت تحریف کردی۔

کارپوکریشین عیسائیوں کی طرح ایک دوسرا گروہ عیسائیوں کا بھی یہی اعتقادات رکھتا تھا۔ اس گروہ کو سیرنتھیس کہتے تھے۔ اور ان کے بانی سیرنتھس کا جو عقیدہ تھا کہ مسیح یوسف اور مریم سے عام انسانوں کی طرح پیدا ہوا تھا۔ مگر اس کا خیال تھا کہ مسیح دوسرے انسانوں کی نسبت زیادہ پاک اور مقدس تھا۔

اسی طرح عیسائیت کے ابتدائی زمانے میں والیشس عیسائیوں کا ایک گروہ اور بھی تھا۔ جو کہ ایشیا کے مختلف حصوں میں پھیلا ہوا تھا۔ ان لوگوں کا بھی یہی خیال تھا کہ مسیح محض مریم سے پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اس کا باپ یوسف تھا۔ لارڈنر صاحب فرماتے ہیں کہ جب ان پرانے ٹائپ کے عیسائیوں کا نئے ٹائپ کے عیسائیوں سے مقابلہ ہوا۔ تو بڑی گڑبڑ مچ گئی۔ اور بہت سے کشت و خون ہوئے۔ آخر نئے ٹائپ کے عیسائیوں کا پلہ بھاری رہا۔ اور ان کی بات چل گئی۔ پس مسیح بجائے یوسف کا بیٹا کہلانے کے روح القدس کا بیٹا مشہور کیا گیا۔ پانچویں صدی عیسوی میں نہ صرف روح القدس کا بیٹا ہی کہلانے لگ گیا۔ بلکہ تثلیث کے مسئلے نے بھی زور پکڑا۔ اور مسیح کو خدا کے درجے تک پہنچا کر باپ۔ بیٹا روح القدس کی تثلیث کا جھنڈا بلند کردیا گیا۔

مذکورہ بالا مختصر سے بیان سے اتنا پتہ تو ضرور لگتا ہے کہ مسیح روح القدس کا بیٹا ہونے سے منکر تھا۔ نہ صرف وہی بلکہ اس کی ماں۔ اس کے حواری۔ اس کے رسول۔ غرضیکہ اس کے تمام واقف کار یہاں تک کہ اس کی موت کے ڈھائی سو سال بعد تک کے عیسائی لوگ بھی اس کو دوسرے انسانوں کی طرح یوسف اور مریم سے پیدا شدہ مانتے تھے۔ مگر اس کے بعد مسیح کی پیدائش کو معجزانہ رنگ دیا گیا۔ اور اس کی ایسی تفسیر کی گئی جو یوسف کو مسیح کا جسمانی باپ قرار دینے کے منافی ہو۔ اناجیل کی اندرونی شہادت اور تواریخ کی مدد سے مسیح کی پیدائش کے بارے میں ایک ریشنلسٹ جس نتیجہ پر پہنچتا ہے وہ یہی ہے کہ مسیح ہماری طرح ہی پیدا ہوا تھا۔ اور کہ اس کی پیدائش کو معجزانہ ماننا اپنے اوپر روح القدس یا معجزانہ پیدائش کے سلسلے کے ان تمام افراد کیلئے جن کا ذکر کیا جا چکا ہے دروازہ کھولنا ہے۔ ایسی صورت میں اگر ایک کے لئے تو دروازہ کھول دیا جاوے۔ اور دوسروں کے لئے بند کردیا جاوے تو یہ ایک ریشنلسٹ کی اس

پوزیشن کو سُن کر چرچ یہ جواب دے کہ ریشنلسٹ کا مسیح کی معجزانہ پیدائش سے محض اسلیے انکار کر دینا کہ دنیا میں اور بھی سینکڑوں بزرگ روح القدس یا معجزانہ طریقہ پر پیدا ہونے کے مدعی ہیں - اور کہ اگر مسیح کی معجزانہ پیدائش کے لئے دروازہ کھولا جائیگا - تو یہ صدہا بزرگ بھی اندر آنے کے مستحق ہوں گے - ایک ایسی بات ہے جو ریشنلسٹ کے دماغ کی تنگی کو ظاہر کرتی ہے - حالانکہ ریشنلسٹ کا دماغ اس قدر وسیع ہونا چاہیے کہ اگر اس میں مسیح کی معجزانہ پیدائش کے تسلیم کرنے کے بعد اس میں ایشیا - یورپ - افریقہ اور امریکہ سے دیگر اسی قسم کے مدعی بھی آنے کا حق ظاہر کریں اور آنا چاہیں - تو اُن کو بھی ٹھیک اسی طرح دماغ میں جگہ دی جانی چاہیئے جس طرح کہ ریشنلسٹ نے مسیح کو جگہ دی ہے - چرچ کا یہ جواب بہت معقول ہوگا اس جواب کو سن کر ریشنلسٹ اپنے دماغ کو اس قدر وسیع کرے گا کہ اُس میں روئے زمین کے معجزانہ طور پر پیدا شدہ بزرگ سما جائیں گے - مگر پادری جسٹن ہارڈی کے الفاظ میں اس صورت میں ریشنلسٹ کے دماغ میں روح القدس کے فرزندوں یا معجزانہ طور پر پیدا شدہ تسلیم کئے گئے بزرگوں کا اس قدر جم غفیر ہو جائیگا کہ اس جم غفیر میں مسیح کا پتہ لگانا سخت مشکل ہو جائیگا - اس طرح مسیح تک پہنچنے کے لیے ریشنلسٹ کے رستے میں جو رکاوٹیں پہلے سے ہی موجود ہیں اُن رکاوٹوں کے علاوہ ایک نئی رکاوٹ اٹھ کھڑی ہوگی - بنابریں مسیح تک پہنچنے کے لئے ریشنلسٹ کے راستے میں جو رکاوٹیں موجود ہیں وہ ان میں اضافہ کرنے کی بجائے یہی بہتر اور ضروری سمجھتا ہے کہ وہ اپنے دماغ پر معجزانہ پیدائش کے سلسلہ کا دروازہ بڑی مضبوطی سے بند کرے - اور اس سلسلہ کے کسی بھی ممبر کو اندر آنے کی اجازت نہ دے ایسا کرنے کے بعد پھر وہ یہ دیکھے گا کہ آیا ان صدہا بزرگوں میں سے جو معجزانہ پیدائش کا دعویٰ لیکر آئے تھے - لیکن جن کا یہ دعویٰ یک قلم رد کیا جا چکا ہے ان میں سے کونسا ایسا ابن آدم ہو سکتا ہے جس کو ایک ریشنلسٹ اس کی اعلیٰ صفات کی وجہ سے سب سے پہلے اپنے دماغ میں جگہ دینے کے لئے تیار ہوگا - اس حالت میں وہ مذکورہ بالا تمام بزرگوں میں سے سب سے پہلے مسیح کے لئے اپنے دل اور دماغ کا دروازہ کھولیگا - مگر ایسا کرنے میں مسیح کی معجزانہ پیدائش یا اس کے ابن اللہ ہونے کا کوئی دخل یا اثر نہیں ہوگا - مگر کیا مسیح کی معجزانہ پیدائش کے متعلق چرچ ریشنلسٹ کی اس پوزیشن کو برداشت کر سکتا ہے؟

چوالیسویں فصل

تثلیث

مسیح تک پہنچنے کے لیے ایک رشتہ سنت کے راستے میں دوسری رکاوٹ چرچ کا تثلیث کے متعلق اعتقاد ہے جس کا اگرچہ مسیح نے اپنی زندگی میں کبھی بھی ذکر یا وعظ نہیں کیا۔ مگر چرچ نے مسیح کی معجزانہ پیدائش کی طرح تثلیث کے متعلق بھی اپنا الگ ہی اعتقاد قائم کیا ہے۔ ہندو اپنی تثلیث یا برہما۔ وشنو۔ مہیش کی تری مورتی کے متعلق بہت صاف بیان کر سکتے ہیں۔ ایک دیانندی ایشور۔ جیو۔ پرکرتی کی تثلیث کے بارے میں جو بیان دیتا ہے وہ بہت آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے۔ مگر چرچ اپنی تثلیث کے متعلق جو بیان کرتا ہے وہ ایسا پیچیدہ معما ہے کہ جو ہر طرح سے لانحل ہے۔ چنانچہ چرچ اپنے عقائد کی کتاب میں تثلیث کے مسئلہ کو بدیں الفاظ بیان کرتا ہے:۔

"۱۔ باپ اور بیٹے اور روح القدس کی الوہیت ایک ہی ہے۔ جلال برابر عظمت یکساں ازلی +

۲۔ جیسا باپ ہے ویسا ہی بیٹا۔ اور ویسا ہی روح القدس ہے +

۳۔ باپ غیر مخلوق۔ بیٹا غیر مخلوق۔ روح القدس غیر مخلوق +

۴۔ باپ غیر محدود۔ بیٹا غیر محدود۔ روح القدس غیر محدود +

۵۔ باپ ازلی۔ بیٹا ازلی۔ روح القدس ازلی +

۶۔ تاہم تین ازلی نہیں۔ بلکہ ایک ہی ازلی ہے +

۷۔ اسی طرح تین غیر محدود نہیں۔ نہ تین غیر مخلوق۔ بلکہ ایک ہی غیر مخلوق

اور ایک ہی غیر محدود ہے ✤

۸- اِس طرح باپ قادر مطلق - بیٹا قادر مطلق - اور روح القدس قادر مطلق ہے ✤

۹- تو بھی تین قادر مطلق نہیں - بلکہ ایک ہی قادر مطلق ہے ✤

۱۰- ایسا ہی باپ خدا - بیٹا خدا - روح القدس خدا ہے ✤

۱۱- تاہم تین خدا نہیں - بلکہ ایک ہی خدا ہے ✤

۱۲- اسی طرح باپ خداوند - بیٹا خداوند - روح القدس خداوند ہے ✤

۱۳- پھر بھی تین خداوند نہیں - بلکہ ایک ہی خداوند ہے ✤

۱۴- باپ نہ کسی سے مصنوع ہے نہ مخلوق - نہ مولود ✤

۱۵- بیٹا صرف باپ ہی سے ہے نہ مصنوع ہے - نہ مخلوق - بلکہ مولود ✤

۱۶- روح القدس باپ اور بیٹے سے ہے نہ مصنوع نہ مخلوق - نہ مولود بلکہ صادر ہے ✤

۱۷- پس تین باپ نہیں - بلکہ ایک ہی باپ ہے - تین بیٹے نہیں بلکہ ایک بیٹا - تین روح القدس نہیں بلکہ ایک ہی روح القدس ہے ✤

۱۸- اِس ثالوث میں کوئی ایک دوسرے سے پہلے یا پیچھے نہیں نہ کوئی ایک دوسرے سے بڑا یا چھوٹا ہے ✤

۱۹- بلکہ تینوں اقانیم یکساں ازلی اور باہم برابر ہیں ✤

۲۰- الغرض ہر امر میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا - واحد کی پرستش تثلیث میں اور ثالوث کی پرستش توحید میں کرنی واجب ہے - پس جو کوئی نجات چاہے - ثالوث کو یوں ہی مانے ✤

۲۱- علاوہ اس کے ابدی نجات کے لئے ضرور ہے کہ وہ ہمارے خداوند یسوع مسیح کے تجسم پر بھی صحیح ایمان رکھے ✤

۲۲- وہ خدا ہے - باپ کے جوہر سے - سب عالموں سے پیشتر مولود اور انسان ہے - جو اپنی ماں کے جوہر سے اس عالم میں پیدا ہوا ✤

۲۳- وہ کامل خدا اور کامل انسان ہے - نفس ناطقہ اور انسانی جسم سے جو

۴۴- الوہیت کی رو سے باپ کے برابر انسانیت کی رو سے باپ سے کمتر

۴۵- وہ اگرچہ خدا اور انسان ہے تاہم دو نہیں بلکہ ایک ہی مسیح ہے ۔

مقدس اتھنے سیس کا عقیدہ منقول

از کتاب دعا عمومی ص ۴۰۱-۴۰۲

باپ بیٹے۔ روح القدس کی "تثلیث" کا یہ گورکھ دھندا جو چرچ پیش کرتا ہے مسیح کی تعلیم میں اُس کا کہیں بھی پتہ نہیں لگتا۔ یہ سچ ہے کہ مسیح کی تعلیم میں خداوند قدوس کو باپ کے نام سے پکارا گیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ مسیح کی تعلیم میں انسانوں کو خداوند قدوس کے فرزند کہا گیا ہے۔ یہ سچ ہے کہ اس پاک تعلق کو جو خدا اور انسان میں ہونا چاہیے۔ مسیح نے پاک روح یا روح القدس کے نام سے پکارا ہے۔ مگر جس قسم کی "تثلیث" چرچ پیش کرتا ہے۔ اس کی مسیح نے کہیں بھی تعلیم نہیں دی۔ جس مسئلہ کو چرچ نے بطور گورکھ دھندے کے پیش کیا ہے اس کو ریشنلسٹ مسیح کی تعلیم کی موجودگی میں یوں حل کرتا ہے کہ خداوند قدوس ہمارا باپ ہے۔ اور ہم سب اس کے فرزند ہیں۔ ہمارے اور ہمارے باپ کے درمیان جو پاک رشتہ یا تعلق ہے یا ہونا چاہیے وہی پاک تعلق پاک روح یا روح القدس ہے۔ اسی پاک تعلق یا پاک روح کی مسیح نے بڑے زوردار الفاظ میں تعلیم دی جو بالکل برحق ہے۔ یہی وہ پاک روح ہے کہ جس کے متعلق مسیح نے نکودیمس سے کہا تھا کہ جب تک یہ پاک روح کسی میں پیدا نہیں ہوتی تب تک وہ خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ پاک روح یا خداوند قدوس کے ساتھ ہمارا جو پاک تعلق ہے۔ اس کے متعلق مسیح نے جو تعلیم دی ہے اس سے زیادہ چرچ جن الفاظ میں تثلیث کا گورکھ دھندا پیش کرتا ہے وہ نہ صرف مسیح کی تعلیم کے ہی برخلاف ہے بلکہ وہ ایک ریشنلسٹ کے مسیح تک پہنچنے میں بھی ٹھوکر کھلانیوالا پتھر ہے۔ وہ اس ٹھوکر کھلانیوالے پتھر کو جس طرح اپنے راستے سے دور کر کے مسیح تک پہنچنا چاہتا ہے وہ بالکل آسان اور معقول طریقہ ہے مگر کیا چرچ تثلیث کی اس تفسیر کو جو کہ ایک ریشنلسٹ کرتا ہے۔ قبول کرنے یا کم از کم اس کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہے؟

پنتالیسویں فصل

کفارہ

مسیح تک پہنچنے کے لئے ایک پروٹسٹنٹ کے راستے میں جو تیسری رکاوٹ ہے وہ چرچ کا کفارہ کے متعلق ایک لاینحل عقیدہ ہے۔ چرچ نے اس عقیدہ کے متعلق ہزارہا کتب تصنیف کی ہونگی۔ نہیں معلوم ابھی کس قدر کتب اور لکھی جائیں گی۔ میرا مدعا یہاں پر اُن کتب میں سے کسی پر بحث کرنا نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ ایک پروٹسٹنٹ مسیح کے کفارہ کی کیا تفسیر کرتا ہے۔ موسیٰ کی تیسری کتاب بنام احبار کی کتاب کفارہ کی تعلیم سے لبریز ہے۔ اس کتاب میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ خطاکار اگر اپنی خطاؤں سے نجات چاہتا ہو۔ تو وہ خطا کی قربانی دے۔ یعنی بیل بچھڑا، مینڈھا۔ دنبہ یا برا وغیرہ ذبح کرے۔ جس کا خون قربانگاہ پر چھڑکا جاوے بنی اسرائیل میں اسی طریقہ سے گناہوں کا کفارہ کیا جاتا تھا۔ مگر چرچ کہتا ہے۔ کہ خدا نے اس کفارہ کی بجائے اپنے اکلوتے بیٹے کا کفارہ دیا۔ تاکہ دنیا گناہوں سے نجات پائے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ:۔

"جس طرح موسیٰ نے سانپ کو بیابان میں اونچے پر چڑھایا اسی طرح ضرور ہے کہ ابن آدم بھی اونچے پر چڑھایا جاوے۔ تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے اس کے سبب سے ہمیشہ کی زندگی پاوے۔ کیونکہ خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا۔ تاکہ جو کوئی اس پر ایمان لائے۔ ہلاک نہ ہو۔ بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔

یوحنا $\frac{3}{14-16}$

اسی طرح دوسری جگہ لکھا ہے :-

"دوسرے دن یوحنا نے یسوع کو اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا۔ دیکھو!
یہ خدا کا بڑہ ہے۔ جو دنیا کا گناہ اٹھائے جاتا ہے۔ یوحنا ۱/۲۹"

پھر ایک اور جگہ لکھا ہے :-

"اس وقت یسوع اپنے شاگردوں پر ظاہر کرنے لگا کہ مجھے ضرور ہے
کہ یروشلم کو جاؤں۔ اور بزرگوں۔ سردار کاہنوں اور فقیہوں کی طرف
سے بہت دکھ اٹھاؤں۔ اور قتل کیا جاؤں۔ متی ۱۶/۲۱"

اسی قسم کی کئی ایک آیتیں ہیں مرقس اور لوقا کی اناجیل میں بھی ملتی ہیں۔ مگر
یوحنا کی انجیل سے ایک ضروری اقتباس اور دیا جاتا ہے۔ لکھا ہے :-

"اچھا چرواہا میں ہوں۔ اچھا چرواہا بھیڑوں کے لئے اپنی جان دیتا
ہے۔ مزدور جو نہ چرواہا ہے نہ بھیڑوں کا مالک۔ بھیڑیے کو آتے دیکھ کر
بھیڑوں کو چھوڑ کے بھاگ جاتا ہے اور بھیڑیا ان کو پکڑ کے پراگندہ
کرتا ہے۔ وہ اس لئے بھاگ جاتا ہے کہ مزدور ہے۔ اور اس کو
بھیڑوں کا فکر نہیں۔ اچھا چرواہا میں ہوں۔ جس طرح باپ مجھے
جانتا ہے اور میں باپ کو جانتا ہوں۔ اسی طرح میں اپنی بھیڑوں کو
جانتا ہوں۔ اور میری بھیڑیں مجھے جانتی ہیں۔ اور میں بھیڑوں کیلئے
اپنی جان دیتا ہوں۔ اور میری اور بھیڑیں ہیں جو اس بھیڑ خانہ کی نہیں
مجھے ان کا بھی لانا ضرور ہے۔ اور وہ میری آواز سنیں گی۔ پھر ایک
ہی گلہ اور ایک ہی چرواہا ہوگا۔ باپ مجھ سے اس لئے محبت رکھتا
ہے کہ میں اپنی جان دیتا ہوں۔ تاکہ اسے پھر لے لوں۔ کوئی اسے
مجھ سے چھینتا نہیں۔ بلکہ میں اسے آپ دیتا ہوں۔ مجھے اس کے
دینے کا بھی اختیار ہے۔ اور اس کے پھر لینے کا بھی اختیار ہے۔ یہ
حکم میرے باپ سے مجھے ملا ہے۔ یوحنا ۱۰/۱۱"

اناجیل کے جس قدر اقتباسات اوپر دئے گئے ہیں۔ ان اقتباسات یا ان کی ہی
قسم کے دیگر اقتباسات کی تفسیر کر کے چرچ نے کفارہ کا جو مسئلہ کھڑا کیا ہے وہ

تثلیث کی طرح بالکل گورکھ دھندا ہے۔ مگر تثلیث تثلیث کے مسئلہ کی طرح کفارہ کی بھی اپنی تفسیر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مسیح اپنی بھیڑوں کی خاطر جس بھیڑیے کے ساتھ لڑتا رہا وہ فقیہوں اور فریسیوں کی تنگ دلی۔ ریاکاری۔ مکاری۔ جفاکاری۔ یا ایک لفظ میں ان کی شریعت تھی۔ جو بنی اسرائیل کو زندہ درگور کر رہی تھی۔ مسیح نے شریعت کے اس بھیڑیے کے ساتھ مردانہ جنگ کیا۔ اور بنی اسرائیل کو اس کے جوئے سے آزاد کرنے کی کوشش کی۔ مثلاً

۱۔ آجکل کے ہندوؤں کی طرح یہودی لوگ اپنی شریعت کی آڑ میں چھوت چھات کے سخت پابند تھے۔ وہ ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو اچھوت سمجھ کر نفرت کرتے تھے۔ اور ان کے ساتھ کسی قسم کا مذہبی یا مجلسی برتاؤ نہیں رکھتے تھے۔ مگر مسیح نے یہودیوں کے اس ظالمانہ برتاؤ کو دور کرنے کے لئے محصول لینے والوں اور گنہگاروں کے ساتھ کھانا پینا اور ملنا جلنا شروع کر دیا۔ جب یہودی اس کو اس کے اس فعل پر برا بھلا کہنے لگے تو اس نے جواب دیا کہ:۔

"میں تندرستوں کے لئے نہیں۔ بلکہ بیماروں کے لئے آیا ہوں۔ متی $\frac{9}{12}$"

مسیح نے اپنی عملی زندگی سے یہودیوں کے ایک ظالمانہ سلوک کا جو کہ وہ ادنیٰ درجہ کے لوگوں کو ناپاک سمجھ کر ان سے کرتے تھے۔ قلع قمع کر دیا۔

۲۔ کھانے پینے کے معاملات میں یہودی لوگ اپنی شریعت کے مطابق سخت توہمات میں مبتلا تھے۔ ان کے اس وہم کو توڑنے کے لئے مسیح نے اپنے شاگردوں کو اجازت دی کہ وہ کھیتوں میں سے گذرتے وقت سبت کے دن بالیں توڑ کر کھالیں۔ جب یہودیوں نے یہ اعتراض کیا کہ تم سبت کے دن وہ کام کیوں کرتے ہو جو کرنا نہیں چاہیے۔ تو مسیح نے جواب دیا:۔

"جب داؤد اور اس کے ساتھی بھوکے تھے تو اس نے کیا کیا؟ وہ کیونکر خدا کے گھر میں گیا۔ اور نذر کی روٹیاں جن کا کھانا کاہنوں کے سوائے کسی کو روا نہیں۔ لیکر کھائیں۔ اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھلائیں۔ متی $\frac{12}{4}$"

۳- یہودیوں میں دستور تھا کہ وہ سبت کے روز کوئی کام نہیں کرتے تھے کیونکہ ان کے نزدیک خداوند خدا نے بھی اس روز کوئی کام نہیں کیا تھا۔ مگر مسیح نے سبت کے روز بیماروں کو چنگا کرنا شروع کیا۔ اس پر جب یہودیوں نے یہہ اعتراض کیا کہ تم سبت کی حرمت کیوں نہیں کرتے۔ تو مسیح نے نہایت ہی معقول طریقہ پر ان کو جواب دیا کہ:۔

"تم میں سے ایسا کون ہے۔ جس کی ایک ہی بھیڑ ہو۔ اور وہ سبت کے دن گڑھے میں گر جائے تو وہ اسے پکڑ کر نہ نکالے۔ پس آدمی کی قدر تو بھیڑ سے بہت ہی زیادہ ہے۔ پس سبت کے دن نیکی کرنا روا ہے متی ۱۲/۹-۱۲"

۴- یہودیوں کے سردار کاہنوں کا ہیکل کے متعلق جو خیال تھا وہ ایک فضول وہم کے درجہ تک پہنچا ہوا تھا۔ مگر مسیح نے اس وہم کو بھی توڑ ڈالا جبکہ اس نے کہا کہ:۔

"میں ہیکل سے بھی بڑا ہوں۔ متی ۱۲/۶"

۵- مسیح سے روزہ کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ:۔

"جب تک دولھا براتیوں کے ساتھ ہے تب تک وہ ماتم نہیں کر سکتے متی ۹/۱۵"

یہ اسلئے کہا گیا۔ کیونکہ یہودی لوگ جب روزہ رکھتے تھے تو وہ اپنی شکلوں کو ماتمی بنا لیتے تھے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ وہ روزہ رکھے ہوئے ہیں۔ مسیح نے اسکو محض ماتم کے نام سے پکار کر اس وہم کو فضول قرار دیا۔

۶- یہودیوں میں دستور تھا کہ جب تک وہ کلائی تک ہاتھ نہیں دھو لیتے تھے۔ نہیں کھاتے تھے۔ اور بازار سے آ کر جب تک غسل نہیں کر لیتے تھے۔ کھانا نہیں کھاتے تھے۔ مسیح نے انکی اس وہم پرستی کو اڑانے کیلئے اپنے شاگردوں کو بغیر ہاتھ دھونے کے ہی کھانیکی اجازت دیدی۔ جب یہودیوں نے ان کے اس فعل پر اعتراض کیا تو مسیح نے نہایت ہی معقول جواب دیا کہ:

"جو چیز باہر سے تمہارے اندر جاتی ہے وہ تمہیں ناپاک نہیں بناتی۔ بلکہ جو چیز تمہارے اندر سے باہر آتی ہے وہی تم کو ناپاک بناتی ہے۔ متی ۱۵/۱۶"

۷- یہودیوں میں دستور تھا کہ وہ بازاروں کے کونوں میں اور عبادت خانوں میں لمبی لمبی دعائیں مانگتے تھے تاکہ لوگ ان کو دیکھیں۔ مسیح نے ان کی اس عبادت کو محض ریاکاری بتایا۔ اور اپنے شاگردوں کو تعلیم دی کہ:۔

"جب تو دعا مانگے۔ تو اپنی کوٹھری میں جا۔ اور دروازہ بند کر کے اپنے باپ سے جو پوشیدگی میں ہے۔ دعا مانگ۔ اور دعا مانگتے وقت غیر قوموں کی طرح بک بک نہ کرو۔ کیونکہ انکا خیال ہے۔ کہ ہمارے بہت بولنے کے سبب ہماری سنی جائیگی۔ متی $\frac{6}{5-7}$"

۸۔ یہودی اپنی شریعت کے مطابق گناہوں کے کفارہ میں آئے سال ہزاروں لاکھوں جانوروں کا خون بہاتے تھے۔ مگر مسیح نے انکی اس رسم کو دور کرنے کے لئے اپنا خون بہادیا۔ لکھا ہے کہ :۔

"کھانا کھاتے وقت یسوع نے روٹی لی۔ اور برکت چاہ کر توڑی۔ اور شاگردوں کو دیکر کہا۔ لو کھاؤ۔ یہ میرا بدن ہے۔ پھر پیالہ لیکر شکر کیا۔ اور انہیں دیکر کہا۔ کہ تم سب اس میں سے پی لو۔ کیونکہ یہ میرا خون ہے۔ یعنی نئے عہد نامہ کا وہ خون جو بہتیروں کے لئے گناہوں کی معافی کیواسطے بہایا جاتا ہے۔ متی $\frac{26}{28-26}$"

یہ گناہ کیا تھے؟ اس شریعت کی خلاف ورزی تھی۔ جس کا جُوا فریسیوں اور فقیہوں نے عوام الناس کی گردن پر رکھ چھوڑا تھا۔ اور جس کی ذرا ذراسی خلاف ورزی کے لئے لوگوں کو قربانی دینے کے لئے مجبور کیا جاتا تھا۔ مسیح نے اس لوہے کی شریعت کے جوئے کو توڑ ڈالا۔ شریعت کے ساتھ ہی گناہ بھی ٹوٹ گیا۔ وہ جو یہودی شریعت کی بھاری زنجیروں سے جکڑے جاکر تھکے ماندے ہو رہے تھے۔ اور اس لوہے کے جوئے کے نیچے گردنیں دیکر کڑھتے تھے۔ اُن کو مسیح نے خوش خبری سُنائی کہ :۔

"اے محنت اُٹھانے والو اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو سب میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں آرام دونگا۔ میرا جُوا اپنے اوپر اُٹھا لو۔ اور مجھ سے سیکھو۔ کیونکہ میں حلیم ہوں۔ اور دل کا فروتن۔ تو تمہاری جانیں آرام پائیں گی۔ کیونکہ میرا جُوا ملایم ہے اور میرا بوجھ ہلکا۔ متی $\frac{11}{30-28}$"

مسیح نے اپنے خون سے پرانے عہد کی بجائے لوگوں کو نیا عہد دیا۔ اور انکو

اسرائیلی شریعت کے تھکانے والے اور ماندہ کر دینے والے شریعت کے جوئے سے آزاد کر دیا۔

۹- یہودی شریعت کے مطابق ختنہ کرتے تھے۔ مگر مسیح نے شریعت کی اس زنجیر سے بھی لوگوں کو آزاد کر دیا۔

۱۰- یہودی لوگ اپنی قوم کے اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے سوائے باقی تمام قوموں کو بری نظر سے دیکھتے تھے مگر مسیح نے تعلیم دی کہ سامریوں جیسے اچھوت لوگوں کو بھی اپنا بھائی سمجھو۔ چنانچہ اس نے اس کو چوروں کے ہاتھ سے زخمی شدہ مسافر اور سامری کی کہانی سے واضح کیا۔

۱۱- یہودی لوگوں کا چوری۔ زناکاری۔ دشمنی۔ قتل وغیرہ کے بارے میں پرانی شریعت کے مطابق جو معیار تھا۔ مسیح نے اس کی بجائے ایک اعلیٰ معیار پیش کیا۔

۱۲- یہودیوں میں فقیہہ لوگ وہی مرتبہ رکھتے تھے۔ جو کہ ہندوستان میں برہمنوں کا درجہ ہے۔ فقیہہ شریعت کی چابیاں اپنے قبضہ میں رکھتے تھے۔ جس کو وہ چاہتے تھے داخل کرتے اور جس کو چاہتے تھے خارج کر دیتے تھے۔ جب مسیح نے ان کے اقتدار کی جڑ یعنی اُن کی شریعت کو ہی اُڑا دینا چاہا۔ تو قدرتاً وہ آگ بگولا ہو گئے۔ اس لئے کہ اگر شریعت ہی نہ رہی۔ تو اُن کو بھی کوئی نہیں پوچھیگا۔ بنا بریں اُنہوں نے مسیح کی تعلیم کو اپنی شریعت کے حق میں زہر قاتل سمجھ کر اس کی ہر طرح سے مخالفت کی۔ یہاں تک کہ وہ اس کی جان کے درپے ہو گئے۔ وہ مسیح کو اپنا ایسا خطرناک دشمن سمجھتے تھے۔ کہ وہ اس کے مقابلہ پر ایک چور اور ڈاکو کو تو رہا کروا دینے کے حق میں تھے۔ مگر وہ مسیح کو چھوڑ دینے کے حق میں نہیں تھے۔ اس لئے کہ چور اور ڈاکو تو ان کے مال و دولت پر ہاتھ صاف کر سکتا تھا۔ مگر مسیح اُن کے جور و ظلم کے اس سرچشمہ کو بند کرنا چاہتا تھا۔ کہ جو اس کی دولتمندی۔ اقتدار اور رعب داب کا منبع تھا۔ وہ مسیح سے اس قدر نفرت کرتے تھے۔ کہ اُنہوں نے اپنی اس شریعت کے مطابق۔ جس کے خلاف مسیح پروٹسٹ کرتا تھا۔ اس کے لئے صلیبی موت پسند کی۔ جو کہ اُنکے نزدیک بدترین قسم کی موت سمجھی جاتی تھی۔ مگر مسیح نے

اس موت کو پسند کیا۔ تاکہ وہ بہتوں کو اس گناہ کے بوجھ سے آزاد کر دے۔ جو شریعت کی بدولت اُن پر حملہ کرتا تھا۔ اور یہ آزادی تب ہی مل سکتی تھی۔ اگر اس شریعت کو اڑا دیا جاتا۔ چنانچہ مسیح نے اپنی بھیڑوں کی خاطر یہودی شریعت کے بھیڑیے کے ساتھ جنگ کیا۔ اور اُس کو تباہ کر ڈالا۔ اس طرح مسیح کا خون اُن تمام گناہوں کے لئے جو یہودی شریعت کی سرزمین میں پیدا ہوتے تھے۔ کفارہ ہو گیا۔ اگر مسیح اپنے خون سے یہ نیا عہد نہ باندھتا۔ اور یہودی شریعت کے آہنی جوتے کو توڑ نہ ڈالتا۔ تو اس میں کوئی شک نہیں۔ آج جس قدر مسیحی نظر آتے ہیں۔ وہ سب کے سب یہودی شریعت کے ماتحت اُن تمام گناہوں کے بوجھ سے لدے ہوئے ہوتے۔ جو کہ چھوت چھات نکرنے۔ کھان پان کے امتیاز کو اڑانے۔ حیوانوں کی قربانی نکرنے۔ ختنہ نہ کرنے۔ لمبی لمبی نمازیں نہ پڑھنے۔ دکھلاوے کے روزے نہ رکھنے۔ ہیکل کی تقدیس نہ کرنے۔ سبت کے دن کام کرنے۔ غیر قوموں سے نفرت نہ کرنے۔ اور یہودی شریعت کے دیگر اوہام باطلہ پر کاربند نہ ہونے کے باعث اُن کی گردن پر دکھا جاتا۔ مگر یہودی شریعت سے پیدا ہونیوالے ان تمام گناہوں کے بوجھ سے آج وہ مسیح کے کفارہ کی بدولت قطعی آزاد نظر آتے ہیں۔ یہی دینی اور دنیوی اصلاح تھی جس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مسیح نے اپنا خون بہایا۔ اگر مسیح ان اصلاحوں کے لئے اپنا خون نہ بہاتا۔ اور آہنی شریعت سے لوگوں کو آزاد نہ کرتا۔ تو دنیا ان تمام اصلاحوں سے محروم رہ جاتی۔ مسیح کے کفارہ کی جو تفسیر ایک رشنلسٹ کرتا ہے۔ وہ یہی ہے۔ جو اوپر بیان کی گئی۔ مگر کیا چرچ کفارہ کی اپنی تفسیر کی موجودگی میں ایک رشنلسٹ کی مذکورہ بالا تفسیر کو برداشت کر سکتا ہے؟

چھیالیسویں فصل

عہد عتیق اور عہد جدید
کی
متضاد تعلیم کا سوال

مسیح تک پہنچنے کے لئے ایک ارتھوڈوکس کے راستے میں جو چوتھی رکاوٹ ہے۔ وہ چرچ کی طرف سے اس بات پر زور دینا ہے۔ کہ عہد عتیق اور عہد جدید کو ایک ساتھ خدا کا کلام تسلیم کیا جاوے۔ اس بات پر بحث کرنے کی یہاں پر گنجایش نہیں ہے۔ کہ عہد عتیق کی تعلیم عہد جدید کے قطعی متضاد ہے۔ علاوہ ازیں عہد جدید کی موجودگی میں عہد عتیق ایک فالتو بوجھ ہے۔ جو مسیح تک پہنچنے کے لئے مسیحی مسافر کے گلے میں چرچ کی طرف سے باندھا جاتا ہے۔ حالانکہ چرچ عہد عتیق کی تعلیم پر عمل کرنے کے لئے صرف یہی نہیں کہ تیار نہیں ہے۔ بلکہ چرچ کا عمل دینی اور دنیوی معاملات میں بالکل عہد عتیق کا مخالف ہے۔ مثلاً

۱۔ عہد عتیق میں خدا کا جو نقشہ دیا گیا ہے۔ وہ صرف اسرائیلی خدا ہے +

۲۔ عہد عتیق میں حیوانوں کی قربانی پر زور دیا گیا ہے +

۳۔ عہد عتیق میں تعداد ازواج کی تعلیم دی گئی ہے +

۴۔ عہد عتیق میں ختنہ کی تعلیم دی گئی ہے +

۵۔ عہد عتیق میں چھوت چھات کے مسئلہ پر زور دیا گیا ہے +

۶۔ عہد عتیق میں کھان پان کے متعلق خاص خاص قیود لگائے گئے ہیں +

۷۔ عہد عتیق میں نبیوں اور رسولوں کی بہت سیاہ تصویر کھینچی گئی ہے +

۸۔ عہد عتیق میں "جیسے کا بدلہ تیسا" پر زور دیا گیا ہے +

یہ چند موٹے موٹے اختلافات ہیں۔ جو عہد عتیق اور عہد جدید میں دیکھے جاتے ہیں۔ اگر عہد جدید عمل کے لئے ہے۔ تو اُس کی موجودگی میں عہد عتیق عضو معطل ہے۔ اگر عہد عتیق عمل کے لئے ہے۔ تو اُس کی موجودگی میں عہد جدید عضو معطل ہے۔ دونوں کو دستور العمل کے طور پر ایک ساتھ رکھنا قطعی ناممکن ہے۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ مسیح نے اکثر مقامات پر عہد عتیق کے اقوال کو پیش کیا ہے۔ مگر وہ صرف اِس لئے تاکہ وہ فریسیوں اور فقیہوں پر اُن کی ہی مانی ہوئی کتب سے حجت پوری کرے۔ نہ اِس لئے کہ مسیح فریسیوں اور فقیہوں کی اس تعلیم کو اپنے اور اپنے شاگردوں کے لئے دستور العمل بنانے کے حق میں تھا۔ اگر اس پرانی تعلیم کو اپنا دستور العمل بنانا مسیح کے مدنظر ہوتا تو وہ اپنے خون سے نیا عہد نہ باندھتا۔ مگر چونکہ مسیح نئی مے کو پرانی مشکوں میں بھرنے کے حق میں نہیں تھا۔ بنابریں اُس نے پرانے عہدنامہ کو اپنے اور اپنے شاگردوں کے دستور العمل میں سے خارج کر دیا۔ اور اگر اسکا کسی جگہ استعمال کیا تو وہ صرف فقیہوں اور فریسیوں پر حجت قائم کرنے کے لئے کیا۔ جو کہ اسکو اپنا دستور العمل سمجھتے تھے۔ اگر فقیہہ اور فریسی مسیح کے برخلاف اِن پرانے نوشتوں میں سے فتویٰ نہ لگاتے۔ تو مسیح اپنی تعلیم میں اِن پرانے نوشتوں کا نام تک بھی نہ لیتا۔ پس مسیح تک پہنچنے کے لئے ایک رشینلسٹ اِس بات کی مطلق ضرورت نہیں سمجھتا۔ کہ وہ پرانے عہد نامہ کا فالتو بوجھ اپنی گردن پر اٹھائے۔ جبکہ یہ امر واقعہ ہو۔ کہ نئے عہد نامہ کی موجودگی میں وہ پرانے عہدنامہ کو کسی صورت میں بھی اپنا دستور العمل نہیں بنا سکتا۔ اور نہ ہی یہ پرانا عہدنامہ نئے کی موجودگی میں اِس کے کسی کام آسکتا ہے۔ موسیٰ تک پہنچنے کے لئے موسیٰ کی کتاب بطور گائڈ کے کام دے سکتی ہے مگر مسیح تک پہنچنے کے لئے موسیٰ کی کتاب کو بطور گائڈ کے استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ اس کے لئے مسیح کی کتاب ہی گائڈ کا کام دیگی۔ کیا پرانے اور نئے عہدنامہ کے متعلق رشینلسٹ کی مذکورہ بالا پوزیشن کو مسیحی برداشت کر سکتا ہے؟؟

ستائیسویں فصل

بدعت

مسیح تک پہنچنے کے لئے ایک رٹشنلسٹ کے راستےمیں مسیح کی معجزانہ پیدائش۔ تثلیث۔ کفارہ۔ عہد عتیق اور عہد جدید کا ایک ساتھ تسلیم کرنا۔ یہ چار بڑی رکاوٹیں ہیں۔ جنکا مفصل ذکر کیا جاچکا ہے۔ اگرچہ چند ایسی باتیں اور بھی ہیں۔ جو تفسیر طلب ہیں لیکن اگر مذکورہ بالا چاروں مسائل میں ایک رٹشنلسٹ کو تفسیر کی آزادی مل جائے۔ تو دیگر باتیں اِن ہی مسائل کے ذریعہ بڑی آسانی سے حل ہو جاتی ہیں۔ اور اسکا مسیح تک پہنچنے کے لئے راستہ بالکل صاف ہوجاتا ہے۔ اس میں شک نہیں۔ کہ اگر مسیح اسوقت ہمارے درمیان خود موجود ہوتا۔ اور ہمیں اس تک پہنچنے کی ضرورت پڑتی تو وہ ہمارے سامنے اس قسم کے اعتقادی مسائل کے ماننے یا نہ ماننے کی ہرگز ہرگز کوئی شرط پیش نہ کرتا۔ اگر مسیح ہمیں پطرس کے برابر مرتبہ نہ دیتا۔ جس نے کہ باوجود اقرار کے تین مرتبہ مسیح کا انکار کر دیا تھا۔ تو وہ ہمیں کم از کم اُس ڈاکو کے برابر تو مرتبہ ضرور دے دیتا۔ جو مسیح کے ساتھ صلیب پر کھینچا گیا تھا۔ اور جس نے مسیح سے کہا تھا کہ:۔

"اے یسوع! جب تو بادشاہ ہو کر آئے۔ تو مجھے یاد کرنا اُس (یسوع) نے اس (ڈاکو) سے کہا میں تجھ سے سچ کہتا ہوں کہ آج ہی تو میرے ساتھ بہشت میں ہو گا۔ لوقا $\frac{23}{43}$"

جب اتنی ذرا سی بات کہنے پر ایک ڈاکو کو مسیح اپنے ساتھ بہشت میں داخل کرسکتا ہے۔ تو کیا ہماری وہ محبت جو ہم صدق دل سے مسیح کے ساتھ رکھتے ہیں اسقدر قیمت بھی نہ پاسکتی۔ کہ ہم مسیح کے گلہ میں شامل ہونیکا فخر حاصل کر سکتے۔ یہ بھی نہ سہی اگر ہم پولوس رسول کے زمانہ میں بھی ہوتے تو وہ بڑی خوشی سے مسیح تک پہنچنے میں ہمارے راستے میں جو ٹھوکر کھلانیوالے پتھر یا رکاوٹیں ہیں۔ انکو دور کر دیتا۔ اس لئے کہ جب وہ یہودیوں میں یہودی بن گیا۔ تاکہ وہ یہودیوں کو نفع میں لائے شریعت

والوں میں شریعت والا بن گیا۔ تاکہ وہ شریعت والوں کو نفع میں پائے۔ بے شریعت والوں میں بے شریعت والا بن گیا۔ تاکہ وہ بے شریعت والوں کو نفع میں پائے۔ کمزوروں میں کمزور بن گیا۔ تاکہ وہ کمزوروں کو نفع میں پائے وہ سب آدمیوں کے لئے سب کچھ بنا۔ تاکہ ہر ایک طرح سے کتنوں کو بچائے

اقرنتیوں ۹/۲۲-۲۰"

تو کیا وہ رشینلسٹوں کو نفع میں پانیکے لئے رشینلسٹ بنکر انکو مسیح تک لانیکا موجب نہ ہو گیا ہوتا۔ یقیناً جب پولوس رسول کو یہ پتہ لگتا۔ کہ ایک رشینلسٹ کے مسیح تک آنیکے راستے میں فلاں فلاں رکاوٹ ہے۔ تو وہ اُس کی خاطر خود بھی رشینلسٹ بن گیا ہوتا۔ نہ کہ وہ ایک رشینلسٹ کے راستے سے مسیح تک پہنچنے کی رکاوٹوں کو دور کرنیکی بجائے اُن میں اضافہ کرتا۔ اسلئے کہ پولوس رسول نے دوسرے مسیحیوں کو بھی ٹھوکر کھلانیکا موجب بننے سے بچانے کے لئے تاکید کی تھی کہ:۔

"پس تم بھائیوں کے یوں گنہگار ہوکے اور انکے ضعیف دل کو گھائل کرکے مسیح کے گنہگار ٹھہرتے ہو۔ سو اگر کوئی خوراک میرے بھائی کو ٹھوکر کھلاوے تو میں ابد تک کبھی گوشت نہ کھاؤں۔ تا نہ ہووے کہ اپنے بھائی کی ٹھوکر کا سبب ہوؤں۔ قرنتیوں ۸/۱۳-۱۲"

جس صورت میں کہ پولوس رسول اپنے بھائی کے جذبات کی کھانے پینے کے معاملات میں اسقدر پرواہ کرتا تھا کہ وہ اسکی خاطر ابد تک گوشت کھانے سے پرہیزگار رہنے کے لئے تیار تھا۔ تاکہ اسکی گوشت خوری اسکے بھائی کے لئے ٹھوکر کا موجب نہ ہو۔ اس صورت میں وہ ایک رشینلسٹ کے "ضعیف دل" کو گھائل کرنیوالے "معجزانہ پیدائش۔ تثلیث۔ کفارہ اور عہد عتیق اور عہد جدید کو ایک ساتھ خدا کا کلام ماننے کی "دماغی" خوراک سے اپنے رشینلسٹ بھائی کی خاطر ابد تک پرہیز کرنے سے ضرور محتاط رہتا۔ تاکہ وہ اس "دماغی خوراک" کو جو اسکے رشینلسٹ بھائی کی ٹھوکر کا موجب ہوتی ہے خود کھا کر یا اپنے رشینلسٹ بھائی کو کھلا کر یا کھانیکے لئے مجبور کرکے اسکی ٹھوکر کا موجب نہ ہوتا۔ مگر بدقسمتی سے اسوقت ہم نہ تو مسیح کے زمانہ میں ہی موجود ہیں۔ نہ ہی ہمارے اندر اسوقت پولوس رسول کام کر رہا ہے۔ بلکہ اسوقت ہمارا واسطہ مسیح اور پولوس رسول کے قائم مقام مسیحی مشنریوں سے ہے۔ جو علم و عقل دلیل و برہان تجربہ

اور مشاہدہ کی مدد سے چلنے والے ایک ریشنلسٹ کو اپنے سامنے آتے کے ساتھ ہی یہ سنا دیتے ہیں :۔

"صلیب کا کلام ہلاک ہونیوالوں کے نزدیک بیوقوفی ہے۔ پر ہم نجات پانے والوں کے لئے خدا کی قدرت ہے۔ کیونکہ لکھا ہے۔ کہ میں حکیموں کی حکمت کو نیست اور سمجھنے والوں کی سمجھ کو ہیچ کرونگا۔ کہاں حکیم۔ کہاں فقیہہ۔ کہاں اس جہان کا بحث کرنیوالا؟ دکیا، خدا نے اس جہان کی حکمت کو بیوقوفی نہیں ٹھہرایا؟ اسلئے کہ جب حکمت الٰہی سے یوں ہوا۔ کہ دنیا نے اپنی حکمت سے خدا کو نہ پہچانا۔ تو خدا کی یہ مرضی ہوئی۔ کہ منادی کی بیوقوفی سے ایمان لانیوالوں کو بچاوے۔ چنانچہ یہودی کوئی نشان چاہتے ہیں۔ اور یونانی حکمت کی تلاش میں ہیں۔ پر ہم مسیح کی جو مصلوب ہوا منادی کرتے ہیں۔ وہ یہودیوں کے لئے ٹھوکر کھلانے والا پتھر اور یونانیوں کے لئے بیوقوفی ہے۔ . . خدا کی بیوقوفی آدمیوں کی حکمت کی نسبت حکمت والی ہے۔ اے بھائیو تم اپنی بلاہٹ پر نگاہ کرو کہ اس میں دنیا کے بہت سے حکیم اور بہت سے قدرت والے اور بہت اشراف شامل نہیں ہیں۔ مگر خدا نے دنیا کے بیوقوفوں کو چن لیا تاکہ حکیموں کو شرمندہ کرے۔ اور دنیا کے کمینوں اور حقیروں کو اور ان کو جو شمار میں نہیں آتے خدا نے چن لیا۔ تاکہ انہیں جو شمار میں ہیں ناچیز کر دے" (ا۔ کرنتھیوں ۱ باب ۱۸ تا ۲۸ آیات)

جب ایک ریشنلسٹ علم و عقل۔ دلیل و برہان۔ تجربہ اور مشاہدہ کی کسوٹی کے متابعدار مسیحی مشنری سے مذکورہ بالا پیغام انجیل مقدس کے اوراق میں سے سنتا ہے۔ تو وہ حیران رہجاتا ہے۔ کہ کیا درحقیقت صلیب کا کلام بیوقوفی ہے؟ کیا وہ خود ہلاک ہونیوالا ہے؟ کیا خدا درحقیقت حکیموں کی حکمت اور سمجھنے والوں کی سمجھ کا دشمن ہے؟ کیا مسیح کی منادی خدا کے نزدیک بیوقوفی ہے؟ کیا مسیح درحقیقت یہودیوں کے لئے ٹھوکر کھلانیوالا پتھر تھا؟ کیا وہ یونانیوں کے لئے بیوقوفی تھا؟ کیا مسیحیوں میں درحقیقت حکیم ذی مقدور اور شریف شامل نہیں ہیں؟ کیا خدا نے اپنی سلطنت کے لئے بیوقوفوں کو ہی پسند کیا ہے؟ کیا اس نے دنیا کے کمینوں۔ حقیروں۔ اور کسی شمار میں نہ آنیوالے "اچھوت" لوگوں کا ہی اپنی بادشاہت کے لئے انتخاب کرنا پسند کیا ہے؟ یہ اور اس قسم کے درجنوں

سوالات ایک ریشنلسٹ کے دل میں اسوقت پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ ایک مسیحی مشنری انجیل کا مذکورہ بالا بیان اس کے سامنے پڑھتا اور ریشنلسٹ کے اس مطالبہ کو کہ کسی مسئلہ کو علم وعقل۔ دلیل وبرہان۔ تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر تسلیم کرنا چاہیے۔ رد کرتا اور چرچ کے عقاید کو بلاچون وچرا درست تسلیم کر کے مسیح کی "بھیڑوں" میں شامل ہونے کی تاکید کرتا ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ وہ جس طریقہ پر مسیح تک پہنچنے کے لئے اپنے راستے کی مشکلات یا ٹھوکر کھلانے والے پتھروں کو دور کرنا چاہتا ہے۔ وہ اس کے اس طریقہ کو ایک خطرناک "بدعت" اور "شیطان کا سینگ" بتلا کر اسکو قطعی مایوس اور اسکے دل کو چور چور کر ڈالتا ہے اس طرح وہ پولوس رسول کے الفاظ میں ایک ریشنلسٹ کے "ضعیف دل" کو "بدعت" کی تلوار سے "گھایل" کر کے مسیح کا گنہگار ٹھہرتا ہے۔ اس تمام بیان سے میرا مطلب اس بات پر روشنی ڈالنا ہے۔ کہ مسیح تک پہنچنے کے لئے چرچ کی طرف سے ایک ریشنلسٹ کے راستے میں جو رکاوٹیں آتی ہیں۔ اگر ریشنلسٹ ان رکاوٹوں کو دور کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ تو مسیحی مشنری صرف یہی نہیں کہ اس کی اس کوشش کا ساتھ نہیں دیتا۔ بلکہ وہ اس کی کوشش کو نہایت ہی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا اور اسکو خطرناک "بدعت" اور "شیطان کے سینگ" کے نام سے پکارتا ہے۔ ریشنلسٹ ایک مسیحی مشنری کے پاس اپنی مشکلات کا حل کروانے کے لئے پہنچتا ہے۔ مگر نتیجہ کیا ہوتا ہے جب وہ مشنری صاحب کے کمرے کے اندر داخل ہوا تھا۔ تو اسکے راستے میں چار رکاوٹیں تھیں۔ لیکن اب جب وہ کمرے سے باہر نکلتا ہے۔ تو وہ دیکھتا ہے۔ کہ اب اس کے راستے میں چار کی بجائے پانچ رکاوٹیں ہو گئی ہیں۔ اور یہ پانچویں رکاوٹ پہلی چار رکاوٹوں سے بدرجہا کڑی اور بڑی ہے۔ یہ نہایت ناشکر گذاری کی بات ہوگی۔ اگر مسیحی مشنریوں کی ان خدمات کا اعتراف نہ کیا جاوے جو کہ وہ اس ملک کے لوگوں کی کر رہے ہیں وہ مشن سکولوں کے ذریعہ عام تعلیم کے پھیلانے میں مدد کر رہے ہیں۔ وہ مشن ہسپتالوں کے ذریعہ لاکھہا مریضوں کی مصیبت کو ہلکا کر رہے ہیں۔ اندھوں۔ لولوں لنگڑوں۔ اپاہجوں کوڑھیوں تک کے لئے انہوں نے ہسپتالوں اور سکولوں کا انتظام کر کے انسانی ہمدردی کا ثبوت دیا ہے۔ اچھوت لوگوں کو ان کی نہایت ہی قابل رحم حالت سے اوپر اٹھانے کے لئے وہ جو کام کر رہے ہیں۔ وہ بہت ہی قابل تعریف ہے جرایم پیشہ

اقوام کو مفید شہری بنانے میں وہ جو حصہ لے رہے ہیں۔ وہ قابل داد ہے۔ بیواؤں اور
یتیموں کی دستگیری کرنے اور اُن کو انسانی سوسائٹی میں چلنے پھرنے کے قابل بنا دینے
میں وہ جس قسم کی جد وجہد کرتے دیکھے جاتے ہیں۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔
بہت سے نادار بھوکے۔ پیاسے اور مفلس لوگوں کو روزی کمانیکے قابل بنا دینے میں
وہ جو حصہ لے رہے ہیں۔ وہ قابل داد ہے۔ مسیحی مشنریوں کی یہ تمام خدمات شکر گذاری کے
ساتھ دیکھے جانے کے قابل ہیں۔ جو شخص ان کی ان خدمات سے انکار کرتا ہے۔ اُس کو
ناشکر گذار سمجھنا چاہیے۔ مسیحی مشنریوں کی ان خدمات کا نہایت ہی صدقدلی سے اعتراف
کرتے ہوئے صرف اِس سوال کا جواب باقی رہجاتا ہے۔ کہ جو شخص اَن پڑھ نہیں۔ بیمار
نہیں۔ لولا۔ لنگڑا۔ اپاہج یا کوڑھی نہیں۔ اچھوت نہیں۔ جرائم پیشہ نہیں۔ یتیم نہیں۔
بھوکا۔ ننگا۔ نادار یا مفلس نہیں۔ بلکہ ایک رشیلسٹ ہے۔ اور وہ مسیح تک پہنچنا
چاہتا ہے۔ مسیحی مشنری اُسکی کیا خدمت کرتے یا کرسکتے ہیں؟ اس ذرا سے سوال کا جواب
نہایت ہی مایوسی بخش اور دل شکن ہے۔ جبکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی مشنری ایسے
شخص کی صرف یہی نہیں کہ کوئی مدد نہیں کرتے یا کرسکتے بلکہ وہ اُسکے مسیح تک پہنچنے میں
ٹھوکر کھلانیوالا پتھر ثابت ہوتے ہیں۔ وہ اُن سے صرف اس قدر آزادی چاہتا ہے۔
کہ جن اعتقادی مسائل کا مسیح نے وعظ نہیں کیا۔ گو چرچ ان کا وعظ کرتا ہے۔ ان مسائل
کی تفسیر کرنے کی اسکو آزادی دیجاوے۔ مگر مسیحی مشنری اسکو اس قسم کی کوئی آزادی دینے
کے حق میں نہیں ہیں۔ چنانچہ میں نے جتنی دفعہ مسیحی مشنریوں اور پادریوں کے سامنے
ان مشکلات کا ذکر کیا۔ اور ساتھ ہی انکا حل بھی بیان کیا۔ اتنی ہی دفعہ مجھے یہ جواب دیا گیا
کہ میرے خیالات مسیح کی معجزانہ پیدائش "تثلیث" کفارہ وغیرہ کے بارے میں خطرناک "بدعت"
ہیں۔ اور کہ چرچ ایسے "بدعتی" شخص کو بپتسمہ دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہوسکتا کیونکہ
اس سے چرچ میں خرابی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ مگر میرے اِن مسیحی دوستوں نے نہایت
ہی نیک نیتی اور سنجیدگی کے ساتھ مجھے مسیح تک پہنچنے کے لئے ایک پچھواڑے کا راستہ بتایا
جو کہ چرچ کے راستے سے بالکل الگ تھا۔ وہ یہ کہ مجھے چرچ سے باقاعدہ بپتسمہ لینے کے
بغیر ہی اپنے طور پر اپنے آپکو مسیحی کہنا اور لکھنا شروع کردینا چاہیے۔ اور اس طریقہ
پر مجھے مسیح کی منادی کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑیگا۔ میرے

مسیحی دوستوں کا یہ مشورہ اگرچہ بالکل نیک نیتی اور ہمدردی پر مبنی تھا۔ مگر یہ اس صورت میں مفید ہوسکتا تھا۔ اگر کسی ایسی سوسائٹی کی طرف سے دیا جاتا۔ جو بالکل آزاد ہوتی۔ یا جس میں خیالات کی آزادی کو برداشت کرنے کی طاقت ہوتی۔ چونکہ مسیحی سوسائٹی کی حالت اس ملک میں ایک آزاد سوسائٹی کی سی نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہر طرح سے مسیحی مشنریوں کی دست نگر اور اُن پر انحصار رکھتی ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ ہمارے دیسی مسیحیوں اور مشنریوں میں مجلسی یا سوشل نقطہ خیال سے ایک ایسی خلیج موجود ہے۔ جسکو باوجود ایک مشن احاطہ کی چاردیواری کے اندر رہنے سہنے کے دونوں عبور نہیں کر سکتے۔ اس مجلسی خلیج کے علاوہ مشنریوں اور دیسی مسیحیوں میں وہ تعلقات نہیں ہیں۔ جو کہ مسیح اور اُس کے شاگردوں میں تھے۔ بلکہ اُن کے تعلقات زیادہ تر آقا اور ملازم یا حاکم و محکوم کے سے تعلقات ہیں بنا برین دیسی عیسائی مجلسی اور مذہبی پہلو میں کوئی ایسی بات نہیں کر سکتے۔ جو مشن کی پالیسی کے برخلاف ہو۔ ایسی صورت میں کب ممکن تھا۔ کہ وہ ایک ایسے شخص کو جو چرچ سے باقاعدہ بپتسمہ یافتہ نہ ہو۔ کسی قسم کے مجلسی یا مذہبی حقوق دے سکتے۔ پس اس طریقہ پر عمل کرکے جو کہ میرے مسیحی دوستوں نے مجھے سوجھایا تھا۔ میں سوسائٹی کے لحاظ سے ویسے کا ویسا ہی الگ تھلگ رہتا۔ جیسا کہ میں پہلے تھا۔ بلکہ ممکن ہے۔ میری اس علیحدگی میں پہلے سے بھی کچھ زیادتی ہو جاتی۔ کیونکہ پچھواڑے کے دروازہ سے مسیح کی "بھیڑوں" میں شامل ہو کر بھی میں "گلہ" اور "گلہ بان" کے نزدیک ہمیشہ ایک "کالی بھیڑ"

"(Black-Sheep)" ہی سمجھا جاتا۔ اس لئے کہ جس چرچ کے کارکن بطور ایک ریشنلسٹ کے مجھے بپتسمہ دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ میرے اپنے طور پر مسیحی ہو جانے یا مسیحی کہلانے پر یہ بات کیونکر گوارا کر سکتے تھے۔ کہ مسیح کی بپتسمہ یافتہ "بھیڑوں" میں ایک "ریشنلسٹ بطور "کالی بھیڑ" کے شامل ہو کر دوسری بھیڑوں پر بھی ریشنلزم کی "بدعت" کا اثر ڈالے یقیناً وہ میرے منہہ پر نہ صرف "مشن احاطوں" کا پھاٹک ہی بند کر دیتے۔ بلکہ دیسی مسیحیوں کو بھی اس بات سے خبردار کر دیتے کہ وہ نہ مجھ سے ملیں۔ نہ گفتگو کریں۔ نہ میرے لٹریچر کا مطالعہ کریں۔ چونکہ دیسی مسیحی زیادہ تر مشنریوں پر انحصار رکھتے ہیں۔ قدرتاً مشنریوں کی طرف سے اس پہلو میں انکو ذرا سا اشارہ کافی تھا۔ اسکا نتیجہ یہی ہوتا۔ کہ میں اپنے جن مسیحی دوستوں سے غیر مسیحی رہ کر اب

کھلم کھلا مل سکتا ہوں۔ مسیحی ہو کر میں اپنے ان تمام دوستوں کو کھو دیتا۔ پس مسیحی دوستوں کی دوستی کو ہاتھ سے نہ دینے کے لیے میں نے یہی مناسب سمجھا۔ کہ اس پچھواڑے کے دروازہ سے مسیح تک پہنچنے کی کوشش نہ کروں۔ کیونکہ مسیح نے کہا ہے۔ کہ جو سامنے کے دروازہ کو چھوڑ کر پچھواڑے کے راستے سے داخل ہوتا ہے۔ وہ چور ہے۔ مگر سامنے کا دروازہ چرچ کا دروازہ ہے۔ اور اس پر مشنریوں کا پہرہ ہے جو کسی ریشنلسٹ کو اس وقت تک اندر جانے کی اجازت نہیں دیتے۔ جب تک کہ وہ ریشنلزم کی "بدعت" سے جو ان کے نزدیک "شیطان کا سینگ" ہے۔ تائب ہو کر ان ہی معنوں میں مسیح کی معجزانہ پیدائش۔ تثلیث۔ کفارہ۔ عہد عتیق اور عہد جدید کو برحق تسلیم نہ کرے۔ جن معنوں میں کہ چرچ ان کو پیش کرتا ہے۔ چونکہ ریشنلسٹ مسیحی مشنریوں یا چرچ کو اس قدر بھاری دماغی ٹیکس ادا کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے وہ سامنے کے دروازہ سے بھی مسیح تک نہیں پہنچ سکتا۔ پس بطور ایک ریشنلسٹ کے میں نے اپنے لئے مسیح تک پہنچنے کا ہر ایک راستہ بند پایا۔ اب میرے لئے دنیا میں صرف ایک ہی رستہ باقی رہ گیا۔ اور وہ اسلام تھا۔ میں نے اب اس بات کا فیصلہ کرنا تھا۔ کہ آیا اسلام میں ایک ریشنلسٹ کے لئے جگہ مل سکتی ہے یا نہیں؟ اس سوال کا جواب اگلے پرچہ میں دیا جائیگا۔

ضروری اطلاع

سلم الاسلام کا چھٹا حصہ بابت دسمبر ۱۹۱۴ء ابھی تک نہیں چھپا ہے۔ تیار ہونے پر ارسال خدمت کیا جاویگا۔ اطمینان رکھیے۔

ایڈیٹر

اصلی ستیارتھ پرکاش

مطبوعہ

بنارس ۱۸۷۵ء

یہ کتاب بالکل نایاب تھی۔ کیونکہ ایک ہی دفعہ چھپکر رہ گئی تھی۔ یہ کتاب سوامی دیانند کی زندگی میں چھپی تھی۔ اور سوامی دیانند نے اس کی بعض غلطیوں کی اپنی زندگی میں ہی اصلاح کر دی تھی۔ مگر سوامی جی کے مرنے کے بعد یہ کتاب دوبارہ نہیں چھپی۔ بلکہ اس کی جسقدر کاپیاں تھیں اُن کو بھی نیست و نابود کرنے کی کوشش جاری رہی۔ اس نادر کتاب کو صفحۂ ہستی پر قائم رکھنے کے لئے ایڈیٹر اندر نے اس کا لفظ بہ لفظ اُردو ایڈیشن شائع کر دیا۔ خوبی کی بات یہ ہے کہ اس کتاب میں نہ تو مسلمانوں کے کھنڈن کا سمولاس ہے۔ نہ ہی عیسائیوں کے کھنڈن کا۔ نہ ہی اس میں سکھوں کے مقدس گوروؤں کے لئے وہ نازیبا الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو کہ آجکل کی مروجہ ستیارتھ پرکاش میں دیکھے جاتے ہیں۔ بلکہ اس کتاب میں مسلمانوں اور عیسائیوں کو بھلا آدمی بتایا گیا ہے۔ اور اُن کے ساتھ کھلا کھانے پینے اور بیاہ شادی کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس کتاب میں یہ بھی ذکر آتا ہے کہ یگیہ میں جانوروں کی قربانی کرنی چاہئے اور بیل گائے۔ بھیڑ۔ بکری وغیرہ کو یگیہ کے موقع پر ذبح کرنا کوئی پاپ نہیں ہے۔ اس بات کی تائید میں سوامی دیانند نے پُرانے شاستروں کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ مُردہ پِتروں کے شرادھ کے حق میں جو دلائل اس کتاب میں دیئے ہیں۔ وہ قابل مطالعہ ہیں۔ الغرض یہ کتاب ہندو۔ مسلمان۔ سکھ۔ عیسائی۔ جینی۔ بدھ سب کے مطالعہ کے لائق ہے۔ اس کتاب کو پڑھکر کم از کم اتنا پتہ تو ضرور لگ جاتا ہے کہ سوامی دیانند کا اصلی منشا کیا تھا۔ ہندی میں اس کتاب کی قیمت تین روپیہ تھی لیکن اُردو ایڈیشن کی قیمت بلا محصول ہے عہ ہے +

تمام درخواستیں اس پتہ پر آنی چاہئیں +

منیجر۔ "المسلم"۔ لودیانہ

دیانندی قلعہ پر گولہ باری

از غازی محمود - دھرم پال بی - اے

۱- **وید اور سوامی دیانند** - اس میں سوامی دیانند کے ہی پیش کردہ معیار و اُنکے وید بھاشیہ کی بنا پر ویدوں کو بدترین کتب ثابت کیا گیا ہے - اس کتاب نے دیانندی فرقہ کے منہہ پر ایسی مہر لگا دی ہے کہ جب تک وہ وید اور سوامی دیانند دونوں میں سے ایک سے دست بردار نہ ہو جائیں ہرگز ہرگز نہیں ٹوٹ سکتی قیمت ۶/

۲- **تناسخ چکر اور سوامی دیانند** - اس میں وید منوسمرتی ستیارتھ پرکاش و دیگر مستند کتب کے حوالجات سے اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ تناسخ کے ماننے کی صورت میں سوامی دیانند کو خدا پرست نہیں کہا جا سکتا بالکل لاجواب ہے

۳- **اصلی ستیارتھ پرکاش** - مطبوعہ بنارس ۱۸۷۵ء قیمت ۸/ دیکھو مفصل صفحہ ۲ - ٹائٹل

۴- **سوامی دیانند کے یجروید بھاشیہ کا اُردو ترجمہ** - سوامی دیانند نے یجروید کا جو کچھ ترجمہ کیا ہم نے اس کو اُردو میں شایع کر دیا ہے - تاکہ اُردو دان دنیا کو اس بات کا پتہ لگ سکے کہ دیانندی فرقہ ویدوں کی آڑ کیوں لیتا ہے - یہ نہایت ہی دلچسپ مضمون اور رازوں کا مجموعہ ہے - قیمت فی جلد ۸/

۵- **فتوح البرہان** - یہ وہ نادر کتاب ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ واقعات کی بنا پر سوامی دیانند کس جنم میں جانیکے لائق تھا - آواگون کی باطل پرستی کو ایک لاجواب طریقہ میں پیش کیا گیا ہے اور روح کی آئندہ زندگی کے بارے میں جو واقعات دئیے گئے ہیں وہ قابل مطالعہ ہیں - قیمت ۸/

۶- **خالصہ دھرم اور گورو گووند سنگھ** - اس نادر کتاب میں تواریخی حوالوں اور گرنتھ صاحب کے حوالوں سے اُن تمام ناپاک کوششوں کو مٹی میں ملا دیا گیا ہے جو کہ دیانندیوں یا دیگر لوگوں کی طرف سے سکھوں کو ہندو اور اُنکے گوروؤں کو ویدوں کا پیرو اور مسلمانوں کا دشمن ثابت کرنیکے لئے کیجاتی ہیں - اس کتاب نے سکھوں اور مسلمانوں کے ایک بڑے حصہ پر بہت ہی عمدہ اثر ڈالا ہے - قیمت فی جلد ۶/

۷- **نیوگ اور سوامی دیانند** - اس میں وید مہابھارت اور دیگر مستند کتب کے حوالوں سے نیوگ پر مفصل بحث کرتے ہوئے یہ دکھایا گیا ہے کہ سوامی دیانند نے نیوگ کی کیوں تسلیم کیا - قیمت ۸/

۸- **آریہ سماج اور سوامی دیانند** - آریہ سماج کی اندرونی تصویر - قیمت فی جلد ۸/

۹- **گیان پرکاش** - اس کتاب میں ایڈیٹر اندر کے نیوگ کرنے اور ایک برہمن لیڈی سے شادی کرنے کی داستان درج ہے - قیمت فی جلد ۴/

ملنے کا پتہ :- مینیجر "المسلم" لودھیانہ

سول اینڈ ملٹری کی گزٹ پریس لودھیانہ میں بابو محمد شاہ کے اہتمام سے غازی محمود دھرم پال کے لئے چھپ کر شائع ہوا

RATIONALISM

المسلم

نمبر ۹-۱۰	مارچ - اپریل سنہ ۱۹۱۵ء	جلد اوّل

المسلم

حصہ ہشتم

ایڈیٹر غازی محمود - دھرم پال - بی - اے - لودیانہ

سالانہ قیمت ۳ ممالکِ غیر ۶ شلنگ فی کاپی ۸ر

المسلم کا آخری سلام

آپ اگر ستمبر میں تو المسلم کا پرچہ ارسال کردہ
المسلم کے آخری سلام
پرچے کی ... میں درج ہے
مضمون اس پرچہ میں ... اور اگر ممکن ہو
پرچہ متعلق جو مضمون اس کا بغور مطالعہ کریں ... جواب
آپ ... تو اس کا کوئی عملی جواب دیں

ایڈیٹر

المسلم کے متعلق

۱۔ "المسلم" ایک ماہواری رسالہ ہے۔ جو لودیانہ سے شائع ہوتا ہے۔ سالانہ قیمت ہے +
۲۔ "المسلم" کا مقصد اشاعت اسلام ہے۔ اور اس کا موٹو ریشنلزم ہے +
۳۔ "المسلم" میں کوئی پولیٹکل مضمون یا خبر درج نہیں ہو سکتی +
۴۔ "المسلم" کچھ عرصہ تک محض کتابی شکل میں شایع ہوگا +
۵۔ "المسلم" کا منظرہ حجم $\frac{22 \times 18}{8}$ پر ۴۲ صفحہ ہے۔ زاید صفحات کا دینا یا نہ دینا ایڈیٹر کی مرضی پر منحصر ہے +
۶۔ "المسلم" کی سالانہ قیمت پیشگی بذریعہ منی آرڈر یا بذریعہ وی پی۔ وصول کی جاتی ہے +
۷۔ "المسلم" کا نمونہ مفت نہیں بھیجا جاتا۔ نمونہ کے لئے، ۲ کے ٹکٹ یا وی۔ پی کا آرڈر آنا چاہیے +
۸۔ "المسلم" میں دیگر ناظرین کے مضامین کا درج ہونا یا نہ ہونا مضمون کی نوعیت پر منحصر ہے +
۹۔ "المسلم" کا ایڈیٹر کسی مضمون کو واپس کرنے کا وعدہ نہیں کر سکتا۔ بنا بریں مضمون نگار کو اپنے مسودہ کی نقل رکھ لینی چاہیے +
۱۰۔ "المسلم" کا پرچہ اگر کسی صاحب کو مہینے کی ۱۵ تاریخ تک نہ ملے تو اُس کو دفتر "المسلم" سے دریافت کرنا چاہیے۔ کہ آیا پرچہ بھیجا گیا ہے۔ یا نہیں۔ خط و کتابت کا پتہ مفصلہ ذیل ہے:۔

غازی محمود۔ دھرم پال۔ بی۔ اے
ایڈیٹر "المسلم" لودیانہ

المسلم

مارچ سنہ ۱۹۱۵ء

سلم الاسلام

اڑتالیسویں فصل

نجات

دوستو!

مسیح نے کہا ہے۔ کہ مانگو۔ تم کو دیا جاویگا۔ کھٹکھٹاؤ۔ تم پر کھولا جائیگا۔ مسیح کے اسی حکم پر عمل کرتے ہوئے میں نے چرچ سے چند اعتقادی مسائل کے متعلق تفسیر کی آزادی مانگی۔ مگر مجھے نہ ملی۔ میں نے بطور ایک رشنلسٹ کے بپتسمہ پانے کے لئے چرچ کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ مگر مجھ پر کھولا نہ گیا۔ مسیح تک پہنچنے کے لئے میرے راستے میں جو رکاوٹیں تھیں۔ میں نے اُن کو دور کرنے کے

لئے چرچ سے مدد مانگی۔ مگر مجھے وہ مدد نہ ملی۔ میں نے یہ بھی کہا۔ کہ میری سُن لو۔ اور اپنی سُناؤ۔ تاکہ ہم اِس بات کا فیصلہ کر سکیں۔ کہ ہم میں سے کون راستی پر ہے۔ مگر یہ طریقہ بھی نامنظور کیا گیا۔ اور بغیر کسی قسم کی دلیل کے مجھ پر "بدعتی" اور میرے خیالات پر "شیطان کا سینگ" ہونے کا فتویٰ لگا کر مجھے قبول نہ کیا گیا۔ میں مسیح کی عظمت کا مُنکر نہیں تھا۔ میں تثلیث اور کفارہ کا بھی منکر نہیں تھا۔ میں بائبل سے بھی انکار نہیں کرتا تھا۔ مگر اِن تمام مسائل کی تفسیر میں اپنے الفاظ میں کرتا تھا۔ لیکن چرچ نے اِس تفسیر کو اپنی تفسیر کے متضاد پا کر میری سُننے اور مجھے مسیح کے نام پر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ میرا دل جو چرچ کے لئے امید سے بھرا ہوا تھا وہ اب چرچ کی طرف سے مایوسی سے بھر گیا۔ چرچ اور چرچ والے مسیح تک پہنچنے کے لئے میرے سامنے جو راستہ تھا۔ اُس میں ٹھوکر کھلانے والے پتھر ثابت ہوئے۔ اِس مایوسی کی حالت میں مسیح کے کلام نے میری رہبری کی۔ جبکہ میں نے اُس کو اپنے حواریوں کو یہ حکم دیتے ہوئے سُنا کہ:۔

"تم جس شہر یا گاؤں میں داخل ہو۔ دریافت کرو۔ کہ اِس میں کون لائق ہے۔ اور جب تک وہاں سے روانہ نہ ہو۔ اُسی کے ہاں رہو۔ اور گھر میں داخل ہوتے وقت دعاءِ خیر دو۔ اور اگر وہ گھر لائق ہو تو تمہارا سلام اُسے پہنچے۔ اور اگر لائق نہ ہو۔ تو تمہارا سلام تم پر پھر آئے۔ اور اگر تمہیں کوئی قبول نہ کرے۔ اور تمہاری باتیں نہ سُنے۔ تو اُس گھر یا اُس شہر سے باہر نکلتے وقت اپنے پاؤں کی گرد جھاڑ دو۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ عدالت کے دن اُس شہر کی نسبت سدوم اور عمورہ کے علاقہ کا حال زیادہ برداشت کے لائق ہوگا۔"

متی $\frac{10}{11-15}$

دوسری جگہ مسیح کے الفاظ میں ہمیں یہ تسلی دی گئی ہے کہ:۔

"جس جگہ کے لوگ تمہیں قبول نہ کریں۔ اور تمہاری نہ سُنیں۔ وہاں سے چلتے وقت اپنے تلوے کی گرد جھاڑ دو۔ تاکہ اُن پر گواہی ہو۔"

لوقا $\frac{9}{5-9}$

عدالت کے روز چرچ کی کیا حالت ہوگی۔ اِس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں مذہبی دنیا کی عدالت میں اور خاص کر ریشنلزم کی عدالت میں چرچ کی۔ جو حالت ہے۔ اُس کے متعلق شہادت دینے کے لئے میں نے اپنے قلم کی سیاہی کو جھاڑا۔ اور وہ ایک زبردست گواہی ہے۔ اِس بات پر کہ چرچ نے مجھے قبول نہ کیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ چرچ میری سُنیگا۔ اور مجھے قبول کریگا۔ مگر یہ کسقدر مایوسی کا نظارہ تھا۔ کہ چرچ نے ایک ایسے شخص کو جو مسیح کی طرح بالکل بے گھر اور بے در ہو رہا تھا۔ اور جو چاروں طرف سے مایوس ہو کر اپنی ایک ذرا سی سوشیل یا مجلسی یا تمدنی مشکل سے نجات پانے کے لئے چرچ کے دروازے پر پہنچا تھا۔ اور یہ یقین کرتا تھا۔ کہ چرچ جو مسیح کا قائم مقام ہے۔ وہ مسیح جو بھاری بوجھوں سے لدے ہوئے اور تھکے ماندوں۔ اور بے پناہوں کے لئے پناہ تھا۔ اُس کو اِس مجلسی یا سوشیل گرداب سے نجات دینے کے لئے اپنا بازو آگے بڑھادیگا۔ اور پہلے اُس کو اِس بھنور سے نکال کر مسیح تک پہنچانے کا موجب ہوگا۔ مگر چرچ نے اُس کی طرف اپنا بازو بڑھانے سے پہلے اُس کے سامنے ایسی شرائط پیش کردیں کہ جن کو قبول کرنا گرداب میں ڈوب مرنے سے زیادہ ناقابل برداشت تھا۔ چرچ کی اِس پوزیشن کو دیکھکر مجھے ایک دفعہ پھر مسیح کا نورانی چہرہ نظر آیا۔ جبکہ میں نے اُس کو ایک عالم شرع کے سوال کا بدیں الفاظ جواب دیتے ہوئے سُنا کہ:۔

"میرا پڑوسی کون ہے؟ یسوع نے جواب میں کہا۔ کہ ایک آدمی یروشلم سے یریحو کی طرف جارہا تھا۔ کہ ڈاکوؤں میں گھر گیا۔ اُنہوں نے اُسے ننگا کردیا اور مارا اور ادھ موا چھوڑ کر چلے گئے۔ اتفاقاً ایک کاہن اُسی راہ سے جارہا تھا۔ وہ اُسے دیکھکر کنارہ ہو کر چلا گیا۔ اِسی طرح ایک لیوی اُسی جگہ آیا۔ وہ بھی اُسے دیکھ کر کنارہ ہو کر چلا گیا۔ لیکن ایک سامری سفر کرتے کرتے وہاں آنکلا۔ اور دیکھ کر ترس کھایا۔ اور اُس کے پاس آیا اور اُس کے زخموں کو تیل اور مے لگا کر باندھا اور اپنے جانور پر سوار کرکے سرائے میں لے گیا۔ اور اُس کی خبر گیری کی۔ دوسرے دن دو دینار نکال کر بھٹیارے کو دیئے۔ اور کہا۔ اِس کی خبر گیری کرنا۔ اور

جو کچھ اس سے زیادہ خرچ ہوگا۔ میں پھر آکر تجھے ادا کر دونگا۔ اِن تینوں میں سے اُس شخص کا جو ڈاکوؤں میں گھر گیا تھا۔ تیری دانست میں کون پڑوسی ٹھیرا۔ اُس نے کہا وہ جس نے اُس پر رحم کیا۔ یسوع نے اُس سے کہا۔ جا۔ تو بھی ایسا ہی کر"۔ لوقا ۱۰-۳۰-۳۷

اِس میں شک نہیں۔ کہ میں ایک ایسی سوشیل مشکل میں پھنس گیا تھا۔ کہ جس نے مجھے مجلسی نقطۂ خیال سے بالکل ننگا اور ادھ موا کر ڈالا تھا۔ اور میں نے اس مشکل سے نجات پانے کے لئے مذہبی دنیا کے رحم سے بدیں الفاظ التجا کی تھی :-

میرے دوستو!

آپ جانتے ہیں۔ کہ میں جنم کے لحاظ سے مسلمان ہوں۔ اور مجھے اِس بات کا ہمیشہ فخر رہا ہے۔ کہ میرے والدین بہت متقی۔ پرہیزگار۔ اور عالم باعمل تھے۔ لیکن میں آریہ اور آریہ سماجی ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ آریہ سماج کا اپنا کوئی الگ مذہبی قانون نہیں ہے۔ بلکہ بیاہ شادی اور وراثت وغیرہ تمام معاملات میں آریہ سماج ہندو قانون کا ہی ماتحت ہے۔ یہاں تک کہ سرکاری مردم شماری میں بھی وہ ہندوؤں کا ہی ایک فرقہ تسلیم کیا گیا ہے۔ چونکہ آریہ سماج ہندوؤں کا ایک فرقہ اور موجودہ ہندو قانون کے ماتحت ہے اِسلئے بطور آریہ اور آریہ سماجی کے میں بھی اپنی مرضی کے قطعی برخلاف ہندوؤں میں شامل سمجھا گیا۔ مگر موجودہ ہندو قانون غیر ہندوؤں یا مسلمانوں کا ہندو بننا یا اُن کو ہندوؤں کے برابر مجلسی اور مذہبی حقوق دینا تسلیم نہیں کرتا۔ گویا ہندوؤں نے میری موجودگی سے اپنی تعداد میں پولیٹکل نقطہ خیال سے اضافہ کرنے کا تو فائدہ اُٹھا لیا۔ لیکن اگر میں اُن سے کوئی مذہبی یا مجلسی حقوق مانگوں۔ تو وہ مجھے کھشتریوں برہمنوں یا کسی بھی درجہ کے مساوی کسی قسم کے مجلسی یا مذہبی حقوق نہیں دینگے۔ اِسلئے کہ ہندو قانون کے مطابق میری کنورشن (شدھی) بالکل بے معنی بلکہ سراسر ناجائز ہے۔ جب موجودہ ہندو قانون کے مطابق میری کنورشن (شدھی) ہی ناجائز ٹھیری۔ تو اس صورت

میں اگر میں ہندو طریقہ سے کسی جنم کی ہندو عورت سے خواہ وہ چوہڑی چماری - شودرانی - ویشانی - کھترانی یا برہمنی ہو - شادی کر لوں - تو وہ موجودہ ہندو قانون کے مطابق ناجائز شادی ہوگی - میرے دوستو! اس بات کو واضح کرنے کے لئے میں آپ کی توجہ کو بمبئی - الہ آباد وغیرہ کی ہائی کورٹوں کے اُن فیصلوں کی طرف کھینچنا چاہتا ہوں - جن میں کہ ہندوؤں کی دو مختلف ذاتوں کی شادی کو ناجائز قرار دیا گیا ہے جن میں سے بمبئی ہائی کورٹ کا منسکھ اور کانشی بائی کا فیصلہ قابل ذکر ہے منسکھ رائے چند ایک تعلیم یافتہ اور متمول ہندو تھا - مگر وہ برہمن نہیں تھا - کانشی بائی ایک برہمن بیوہ تھی - رائے چند نے ہندو طریقہ سے اُس سے شادی کر لی - اور اُس کے ہاں کئی لڑکے بھی ہو گئے - آخر کسی بات پر جھگڑا ہوا - کانشی بائی نے اپنے خاوند کے برخلاف لینے اور اپنے بچوں کے گزارہ کے لئے اور اپنے خاوند کی جائداد سے حصہ لینے کے متعلق دعویٰ کیا - مگر کانشی بائی یا اُس کے بچوں کو گذارہ ملنا تو ایک طرف رہا اُلٹا عدالت ماتحت نے یہ فیصلہ دیا کہ موجودہ ہندو قانون کے مطابق ایک غیر برہمن ہندو کی برہمن عورت سے شادی ناجائز ہے - اور کہ موجودہ ہندو قانون کے مطابق ایسی شادی کی اولاد چنڈال کہلاتی ہے - چنانچہ ہائی کورٹ نے بھی عدالت ماتحت کے فیصلہ کی تائید کی - اِس واقعہ کے بیان کرنے سے میرا مطلب یہ ہے کہ جس صورت میں کہ موجودہ ہندو قانون کے مطابق ایک غیر برہمن ہندو کی ایک برہمن عورت سے شادی ناجائز اور اُس کی اولاد چنڈال ٹھیرتی ہے - تو اس صورت میں ایک جنم کے مسلمان کا ایک برہمن عورت کے ساتھ شادی کرنا موجودہ ہندو قانون کے مطابق سخت ناجائز اور اُن کی اولاد کیا چنڈال کیوں نہیں ہوگی؟ میرے دوستو! میں خیال کرتا ہوں - کہ آپ تمام معاملہ کو سمجھ گئے ہونگے - آپ جانتے ہیں - کہ میں نے ایک برہمن دیوی سے شادی کی ہے - اگر یہ شادی موجودہ ہندو قانون

کے مطابق ہوئی ہوتی۔ تو یہ ناجائز ہوتی۔ مگر میں نے یہ شادی موجودہ ہندو قانون کے مطابق نہیں کی۔ بنابریں یہ شادی موجودہ ہندو قانون کی زد سے باہر ہے۔ مگر ناجائز نہیں ہے۔ اِس لئے کہ یہ شادی پراچین آریوں کے سوئمبر طریقہ پر کی گئی ہے۔ جو کہ عالموں فاضلوں کے نزدیک سب سے افضل مانا گیا ہے۔ چنانچہ سوامی دیانند نے بھی لکھا ہے کہ:-

"جیسے سوئمبر کا طریقہ آریہ ورت میں زمانہ قدیم سے چلا آتا ہے وہی بیاہ افضل ہے۔ ستیارتھ پرکاش سمولاس چہارم صفحہ ۱۰۸" +

میرے دوستو! میری شادی صرف یہی نہیں۔ کہ جائز ہے۔ بلکہ اگر آریہ سماج کا شادی کے بارے میں اپنا قانون ہو تو یہ شادی سب سے افضل بھی ہے۔ اور اگر آریہ سماج ہندو قانون کے ماتحت نہ ہوتا۔ بلکہ اُسکا اپنا الگ قانون ہوتا۔ تو میری اولاد آریہ سماج میں سب سے افضل سمجھی جاتی۔ لیکن چونکہ آریہ سماج کا شادی کے بارے میں اپنا کوئی قانون نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہندو قانون کے ہی ماتحت ہے۔ اِسلئے اگر میری اولاد آریہ۔ آریہ سماجی یاد پابندی رہتے ہوئے ہندوؤں میں شامل سمجھی گئی۔ تو وہ ہندو قانون کی زد میں آکر کبھی بھی افضل یا دوج تسلیم نہیں کی جائیگی۔ بلکہ اُس پر مہاچنڈال کا فتویٰ لگ جائیگا۔

حالانکہ ہندو قانون کے مطابق ایسے بچوں کو بھی جائز اور ہندو تسلیم کیا گیا ہے۔ جو کہ گندھرب۔ اُسر۔ راکھش اور پیشاچ وواہوں کا نتیجہ ہوں۔ چنانچہ منوسمرتی کے تیسرے ادھیائے کے ۲۰ ویں شلوک میں لکھا ہے کہ برہمن۔ کھشتری۔ ویش اور شودر کے لئے مفصلہ ذیل آٹھ قسم کے وواہ ہیں (۱) برہمن (۲) دیو (۳) آرش (۴) پرجاپت (۵) اُسر (۶) گندھرب (۷) راکشش (۸) پیشاچ۔ اِن وواہوں کی منوسمرتی میں جو تشریح کی گئی ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) عالم فاضل مرد اور عورت کا برضا و رغبت وواہ ہونا برہم وواہ کہلاتا ہے +

(۲) بڑا بھاری یگیہ کر کے داماد کو زیوروں سے آراستہ و پیراستہ لڑکی کا دینا دیو وواہ کہلاتا ہے +

(۳) داماد سے کچھ روپیہ وغیرہ لیکر لڑکی دینا آرش وواہ کہلاتا ہے +

(۴) محض دھرم کی ترقی کے لئے دونوں کا وواہ ہونا پرجاپت کہلاتا ہے +

(۵) دولہا اور دلہن کو کچھ لے دیکر بیاہ کرنا اُسر وواہ کہلاتا ہے +

(۶) اپنی مرضی سے لڑکی اور لڑکے کا کسی تنہائی کی جگہ میں مل بیٹھنا گندھرب وواہ کہلاتا ہے +

(۷) روتی چلاتی ہوئی لڑکی کو اُسکے ہاتھ پاؤں باندھکر یا لڑ بھڑ کر زبردستی اُٹھا لیجانا رکھشش وواہ کہلاتا ہے +

(۸) کسی جگہ اکیلی سوئی ہوئی یا نشہ پی ہوئی لڑکی سے زنا بالجبر کر ڈالنا پشاچ وواہ کہلاتا ہے +

مذکورہ بالا آٹھ قسم کے وواہوں میں سے منوسمرتی کے ۲۳ ویں شلوک کے مطابق پہلے چھ وواہ یعنی برہم - دیو - آرش - پرجاپت اُسر گندھرب - برہمنوں کے لئے افضل مانے گئے ہیں - اور ۲۴ ویں شلوک میں کھشتریوں کے لئے - رکھشش وواہ اور ویش اور شودروں کے لئے اُسر وواہ افضل مانا گیا ہے - اِس تمام بیان سے یہ بات ثابت ہوتی ہے - کہ اگر چاروں ورنوں کے آدمی اپنی اپنی درن سے مذکورہ بالا طریقہ کے مطابق وواہ کریں تو اِن کی شادی جائز اور اُن کی اولاد بھی جائز تصور ہوگی - یہاں تک کہ منو مہاراج نے زنا بالجبر کو بھی وواہ ہی بتایا ہے - تاکہ زنا بالجبر کی اولاد کے حقوق بھی تلف نہ ہونے پائیں - جس سوسائٹی میں شادی اور شادی کے نتائج کی حدود اِسقدر وسیع ہوں - دیکھنا چاہئے کہ اِس سوسائٹی میں میری شادی اور میری اولاد کے لئے کوئی گنجائش ہے یا نہیں - میرے دوستو! میری شادی سوئمبر طریقہ پر ہوئی - جو کہ تمام طریقوں سے افضل مانا گیا ہے - اگر سوئمبر کو نظر انداز کر کے مذکورہ بالا آٹھ وواہوں کی فہرست میں میں نے اپنی

شادی کو رکھنا ہو تو وہ یقیناً برہم وواہ کی فہرست میں آئیگی۔ جو کہ عالموں فاضلوں یا گیانی پرشوں یعنی برہمنوں کے وواہ کے طریقوں میں سے سب سے افضل طریقہ ہے۔ مگر کیا موجودہ ہندو قانون کے مطابق میری شادی برہمنوں کی شادیوں کی فہرست میں رکھی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں کیا وہ کھشتریوں کی شادی کی فہرست میں رکھی جاسکتی ہے۔ ہرگز نہیں کیا وہ ویش اور شودروں کی فہرست میں رکھی جاسکتی ہے۔ ہرگز نہیں گویا اگر میری شادی ہندو طریقہ کے مطابق ہوئی ہوتی تو وہ موجودہ چار درنوں کی شادیوں میں سے کسی ورن کی شادی کی فہرست میں بھی نہیں رکھی جاسکتی۔ بلکہ وہ قطعی ناجائز تصور کی جاتی۔ اب اگرچہ میری شادی ناجائز نہیں ہے۔ لیکن اگر میری اولاد کو ہندو قانون کے ماتحت رہنا ہو تو اُن کو برہمن۔ کھشتری۔ ویش تو ایک طرف رہے۔ شودروں میں بھی جگہ نہیں مل سکتی۔ بلکہ میری اولاد کا ٹھکانا موجودہ ہندو قانون کے مطابق چنڈالوں بلکہ مہا چنڈالوں میں ہوگا۔ میرے دوستو! ذرا انصاف کرو۔ کہ ایک میلے کچیلے برتن صاف کرنے والے اَن پڑھ رسوئے برہمن کی اولاد کو تو موجودہ ہندو قانون کے مطابق برہمنوں میں جگہ دیجائے۔ مگر ایک عالم فاضل کی اولاد کو برہمن چھوڑ شودروں کی اولاد میں بھی جگہ نہ مل سکے کیونکہ جنم کے لحاظ سے وہ مسلمان ہے۔ کیا موجودہ ہندو قانون کے مطابق یہ ایک صریحاً اندھیر۔ ظلم اور بے انصافی کی بات نہیں ہے۔ چونکہ آریہ سماج اس اندھیر۔ ظلم اور بے انصافی کے قانون کے ماتحت ہے۔ اسلئے اگر میری اولاد کو آریہ۔ آریہ سماجی یا دیانندی رہنا ہو۔ تو یقیناً اُن کو اسی اندھیر۔ ظلم اور بے انصافی کا شکار ہو کر چنڈال بلکہ مہا چنڈال کہلانا پڑیگا۔ میرے دوستو! جس صورت میں کہ ایک میلا کچیلا اَن پڑھ برتن مانجھنے والا رسوئیا برہمن اس بات کو گورا نہیں کر سکتا۔ کہ اُس کی اولاد چنڈال کہلائے تو کیا اس صورت میں میری پوزیشن کا آدمی اس بات کو گوارا کر سکتا ہے

کہ میری اولاد آریہ - آریہ سماجی یا دیا نندی رہ کر ہندو قانون کی زد میں آئے اور چنڈال کہلائے - ہر گز نہیں - پس اپنی اولاد کو اس لعنت کے طوق سے بچانے کے لئے مفصلہ ذیل باتوں میں سے مجبوراً ایک پر عمل کرنا ہوگا *

اول - اگر میں آریہ یا آریہ سماجی رہنا بنا بریں ہندوؤں میں شمار کئے جانا پسند کروں تو مجھے اپنی بیوی سے بچہ پیدا کرنے کا فعل نہیں کرنا چاہئے - کیونکہ اگر بچہ پیدا ہوگا تو وہ خواہ آریہ رہے - یا ہندو - مگر چنڈال ہی کہلائیگا - اس طرح اُسکی تمام زندگی آریوں یا ہندوؤں میں ایک لعنت کی زندگی ہوگی *

دوم - اگر میں آریہ یا آریہ سماجی رہ کر بچہ پیدا کردوں تو مجھے وہ بچہ فوراً مسلمانوں یا عیسائیوں کو دیدینا چاہئے - کیونکہ اسلامی یا مسیحی قانون کے مطابق وہ چنڈال نہیں کہلا سکیگا - اور اُس کو مسلمانوں یا مسیحیوں میں اُسکی لیاقت کے مطابق مساوی حقوق مل سکینگے *

سوم - اگر میں آریہ یا آریہ سماجی رہ کر اپنے بچوں کو بھی آریہ یا آریہ سماجی رکھنا چاہوں تو پیشتر اس کے کہ میری بیوی حاملہ ہو وائسرگل کونسل میں آریہ سماج کے لئے ایک ایسا قانون بن جانا چاہیئے جس کے مطابق آریہ سماج موجودہ ہندو قانون کی ماتحتی سے نکل آئے تاکہ مسلمانوں سے آریہ بنے ہوئے اصحاب کی شدھی اور اُن کی شادی اُس قانون کے مطابق جائز ہو جائے اور اُنکی اولاد بھی چنڈال وغیرہ کے فتووں سے بچی رہے - اگر یہ قانون میری بیوی کے حاملہ ہونے سے پیشتر بن جائے - تو میرا بچہ اُس سے فائدہ اُٹھا سکیگا - ورنہ نہیں *

چہارم - اگر میں آریہ یا آریہ سماجی رہنا چاہوں تو مجھے اپنی بیوی کو طلاق دیدینا چاہیئے تاکہ نہ میری بیوی ہو - نہ میں بچہ پیدا کردوں - نہ میرے بچوں کو آریہ سماج کی معرفت موجودہ ہندو قانون کی زد میں آکر چنڈال وغیرہ بننا پڑے *

پنجم - میں خود کسی ایسی سوسائٹی کی پناہ لوں کہ جس کا قانون میرے بچوں کو صحیح النسب تسلیم کرے - اور اُن کو سوسائٹی کے دیگر ممبروں کے ساتھ مساوی حقوق دے *

میرے دوستو! میں نے اپنی اولاد کو ہمیشہ کی لعنت سے بچانیکے لئے جو حل سوچا ہے۔ وہ مذکورہ بالا پانچ طریقوں میں سے ہی کوئی نہ کوئی ہو سکتا ہے۔ اے میرے مسلمان۔ عیسائی۔ سکھ۔ آریہ سماجی۔ دیانندی اور ہندو بھائیو! میری آپ کے دربار میں یہ ایک زبردست اپیل ہے۔ کہ آپ مجھے بتائیں کہ مجھے اِس مشکل کو حل کرنیکے لئے مذکورہ بالا طریقوں میں سے کس طریقہ پر عمل کرنا چاہیئے؟ +

دھرم پال

کیا میری مذکورہ بالا حالت تمثیل کے اُس مسافر سے جو کہ ڈاکوؤں کے ہاتھ میں پھنسکر ننگا اور ادھ موا پڑا تھا۔ مجلسی نقطۂ خیال سے کچھ کم قابل رحم تھی؟ ہرگز نہیں یہ چرچ اور چرچ والوں نے میری اِس حالت کو دیکھا۔ پڑھا۔ اور سُنا۔ مگر وہ کنارہ سے ہو کر چلے گئے۔ جب میں اُن کے پیچھے ہوا۔ تاکہ اُنکے ذریعہ اِس مشکل سے نجات پاؤں۔ تو اُنہوں نے میرے سامنے وہ شرائط پیش کردیں جن کا ماننا میرے لئے بطور ایک رشینلسٹ کے لئے بالکل ناممکن تھا۔ میں ایک بھاری بوجھ کے نیچے دب رہا تھا۔ اور میں نے مسیح کو یہ کہتے سُنا کہ:۔

"اے محنت اُٹھانیوالو! اور بوجھ سے دبے ہوئے لوگو! سب میرے پاس آؤ۔ میں تمہیں آرام دونگا۔ میرا جوآ اپنے اوپر اُٹھالو۔ اور مجھ سے سیکھو کیونکہ میں حلیم ہوں۔ اور دل کا فروتن۔ تو تمہاری جانیں آرام پائینگی۔ کیونکہ میرا جوآ ملائم ہے۔ اور میرا بوجھ ہلکا۔ متی ۱۱/۲۸-۳۰" +

مگر میں نے دیکھا۔ کہ چرچ نے مسیح کے نام سے جو جوآ میری گردن پر رکھنا چاہا۔ وہ اِس بوجھ سے لاکھوں گنا بھاری تھا جس کے نیچے کہ میں پہلے ہی سے دب رہا تھا۔ اور جس سے میں نجات پانا چاہتا تھا جس بوجھ کے نیچے سے مسیح اور چرچ دونوں مل کر مجھے نجات نہ دے سکے۔ اُس کو روح القدس یا اسلام سے معمور ایک رحمت کے فرشتے نے آن واحد میں میری پیٹھ پر سے اُتار پھینکا۔ جب کہ اُس نے مجھے یہ مژدہ سُنایا کہ:۔

"جناب من۔ اگر آپ شق دوم پر عمل کرنے پر آمادہ ہوں۔ تب بھی وہ بچہ مسلمانوں کو ملنا چاہیئے +

اوّل۔ اِسلئے کہ آپ جنم سے مسلمان ہیں۔ اور مسلمانوں کا حق اِس بارہ میں

بروئے اصول فطرت غالب ہے کہ وہ آپ کے بچہ کو اپنی آغوش شفقت میں لیکر اُس کی فرزندانہ پرورش کریں - اور کل شئ یرجع الیٰ اصلہ کے نعرے خوشی سے لگائیں +

دوم - عیسائیوں کو اگر آپ اسلئے دینا چاہتے ہیں - کہ اُسے مسیحیوں میں مساوی حقوق مل سکینگے - تو ایسا سمجھنا صرف خوش آیند امید ہی ہے - یہ ایک ایسا خوش کن خیال ہے جس میں اصلیت ذرا بھی نہیں +

میں مان سکتا ہوں کہ آپ کے بچہ کو دیسی عیسائیوں کے برابر حقوق مل سکینگے - لیکن میں نہیں مان سکتا - اور آپ کو بھی بھولے سے تصور نہیں کرنا چاہیئے - کہ ہندوستانی ماں - باپ کے بچوں کو یوروپین والدین والے بچہ کے برابر بھی حقوق مل سکتے ہیں یا مل سکینگے +

آپ مہربانی سے دیسی عیسائیوں کی حالت پر جو مشن کے احاطہ میں رہتے ہوں ذرا غور سے نظر ڈالیں - اُنکی نگرانی - اُن کی حرکات و سکنات کی نگہداشت - اُن کی تحریر و تقریر کی آزادی کا محدود دائرہ کے اندر محدود ہونا سب کچھ دیکھ جائیں اور پھر بنظر دیکھیں - کہ کیا آپ جیسا آزادمنش شخص اپنے جگر پارہ کے لئے ان آہنی دیواروں کو پسند کرتا ہے +

دیسی عیسائیوں اور یوروپین عیسائیوں میں جو بین تفریق مراتب ہے - وہ کوئی راز نہیں - بلکہ بالکل کھلا واقعہ ہے +

"یوروپین کے گرجا الگ - دیسیوں کے الگ" +

"اُنکے کھانے کی میز الگ - اِن کی الگ" +

"اُن کا قبرستان الگ - اِن کا گورستان الگ" +

ہندوستانی ماں باپ کا بچہ جو عیسائیوں کو دیا گیا ہو - جب جوان ہوکر اور رشد و تمیز میں کامل ہو کر اِس تفاوت مراتب کو کھلی آنکھوں سے دیکھیگا - تو کیا وہ حقارت و ذلت کو قدم قدم پر اپنا ساتھی نہ پائیگا - اور کیا وہ اپنے ایسے ماں باپ کو جنہوں نے مساوی حقوق کی امید پر

اِس بچہ کو دے ڈالا تھا۔ نیکی سے یاد کریگا۔ یا ایک منٹ کے لئے بھی
تسلیم کریگا۔ کہ اُس کے والدین کا یہ فعل خود اِس بچہ کے خیر خواہانہ خیالات
پر مبنی تھا۔ ہرگز نہیں۔ بوجوہات بالا میں پر زور الفاظ میں کہونگا۔ کہ
بچہ کے حق میں آپ کی جانب سے خیر خواہی یہی ہوگی۔ کہ وہ مسلمانوں کے
سپرد کیا جاوے۔ مسلمانوں کے نزدیک اسلام میں داخل ہونیوالے
بچہ کا احترام شریف ترین قوموں کے برابر ہوتا ہے۔ اور مقدس ترین
مقامات میں بھی وہ محبت و عزت سے دیکھا جاتا ہے۔ اور مساوی حقوق
کے ساتھ ساتھ خاص مراعات کا مستحق بھی سمجھا جاتا ہے"۔

یہ روح القدس کی طرف سے خوش خبری تھی۔ جو کہ ایک بھاری بوجھ سے لدے ہوئے شخص کو دی گئی۔ اور جس کو سُنتے کے ساتھ ہی سوشیل یا مجلسی مشکل کی چٹان کا ایک سرا میری چھاتی پر سے نیچے ڈھلک گیا۔ اور مجھے قدرے سانس لینے کا موقع مل گیا جب کہ میں نے اِس صدا کو سُنکر یہ نتیجہ نکالا۔ کہ میرا اور میری بیوی کا مستقبل خواہ کچھ ہی ہو لیکن میری اولاد کا مستقبل اسلام کی گود میں بالکل محفوظ رہیگا۔ یہ ایک ناقابلِ بیان خوشی تھی۔ جو کہ مجھے حاصل ہوئی۔ مگر جب میں نے اِس رحمت کے فرشتے کو یہ کہتے سُنا۔ تو میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ:۔

"آپ نے سوئمبر وواہ کیا ہے۔ اور جہاں تک مجھے قدیم آریہ کی روایات پر نظر ہے ایسا مکمل سوئمبر وواہ شاید ہی کوئی ہوا ہو۔ وہ سوئمبر وواہ جن کے بیان ہم نے پڑھے ہیں۔ اُن میں دُلہن بے شک ایک ہار پھولوں کا ہاتھ میں لئے ہوتی تھی اور وہ اُس خوش طالع کی گردن میں ڈال دینے پر آمادہ ہوتی تھی۔ جو شرط جیت جاتا تھا۔ لیکن نہ اُس بیچاری کو کچھ علم ہوتا تھا۔ اور نہ اُسکے والدین اور عزیزوں کو۔ کہ شرط جیتنے والا دیگر اوصاف و اخلاق کے اعتبار سے کیسا ہے اور کون ہے۔ ذرا دروپدی کے سوئمبر وواہ پر نظر ڈالئے۔ جب ایک برہمن کا غریب لڑکا۔ (جو بعد میں ارجن ثابت ہوا تھا) شرط جیت گیا تھا۔ تو سب لوگوں میں کیسا تہلکہ پڑ گیا تھا۔ لڑکی والوں پر کتنا بھاری

کو دالم ٹوٹ پڑا تھا - کہ اُنکی لڑکی ایک غریب برہمن نے جیت لی ہے - لیکن جب اُنہیں ارجن کا نام اور خاندان معلوم ہو گیا تھا - تو اُنکی افسردگی کیونکر مسرت سے بدل گئی تھی - غرض اُس زمانہ کے بہت سے سوئمبر وواہ نشانہ بازی یا **قوت بازو** کے معاوضہ میں ایک لونڈی خرید کرنے کا سودا ہوا کرتے تھے - جب کہ قدیم روما میں روپیہ پیسہ کے معاوضہ میں یہ سودا ہوتا تھا - روما میں جس کے پاس روپیہ زیادہ ہوتا - وہ سب سے زیادہ حسینہ پر قبضہ کر سکتا تھا - لیکن وواہ میں **زر و دولت** یا مشق و قوت سے بڑھکر کچھ اور بھی ہونا چاہیے +

آپ کے سوئمبر وواہ میں گیان دیوی کی جانب سے سچی محبت کا اظہار ہوتا ہے - وہ خانہ داری کے اوصاف کا امتحان دیتی ہے - اُس کا خلوص اُس کی خدمت - اُس کا تیار کردہ بھوجن اُس کی شبانہ روزی کی مصاحبت اُس کی صداقت کا نقش آپ کے دل پر قائم کر دیتے ہیں - علی ہذا اس شبانہ روزی کی مصاحبت سے گیان دیوی کو آپ کے علم و فضیلت - وسیع الخیالی - آزاد منشی - صداقت پسندی کے اوصاف بخوبی معلوم ہو جاتے ہیں - وہ سمجھ لیتی ہے - کہ نہ یہ ظاہر پرست ہے - اور نہ شیدائیان آب و رنگ کی طرح **حقیقت افعال** کا نا قدر شناس ہے **جانبین ماطاب لکم** کی کیفیت سے واقف ہو جاتے ہیں - اور وواہ ہو جاتا ہے +

اسلام آپ کے وواہ کو جائز ٹھیراتا ہے اور اس امر کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ جب زوجین اسلام میں آجائیں تو اُن کا نکاح از سر نو عمل میں لایا جائے - عکرمہ بن ابو جہل کی نظیر موجود ہے - اُن کی بیوی مسلمان ہو گئی تھی - اور عکرمہ کفر پر رہ کر بھاگ نکلے تھے - ان پر جرم یہ تھا کہ اُنہوں نے معاہدہ کے خلاف مسلمانوں کے حلیف قبلہ پر حملہ کیا - اور قتل عام کیا تھا بیوی نے شوہر کی تلاش میں سفر کیا - اُسے سمندر کے کنارہ پر جا لیا - ایک گھنٹہ کا اگر تفاوت رہ جاتا - تو عکرمہ جہاز پر سوار ہو کر افریقہ کو چلا گیا ہوتا مسلمان بیوی - اپنے بت پرست شوہر کو ساتھ لئے آئی - اور جب اُس نے

یقین دلایا۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے گناہ کو معاف کر دینگے۔ اگر عکرمہؓ معافی کی درخواست کریگا۔ تو وہ حیران رہ گیا۔ آخر مکہ آیا اور امید و بیم میں آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنی تقصیرات کی معافی کی درخواست کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے۔ اُسے گلے لگایا۔ اور آیندہ کی بابت اُس سے وعدہ لیکر۔ معافی دیدی۔ اِتنی درگزر۔ ایسا عفو دیکھکر اُسکا دِل کیونکر نرم نہ ہو جاتا۔ وہ کیونکر خیال نہ کرتا۔ کہ یہاں سلطنت کے کاروبار نہیں بلکہ نبوت کا کارخانہ ہے۔ عکرمہؓ جھٹ مسلمان ہو گیا۔ آنحضرتؐ نے میاں بیوی کو میاں بیوی کی طرح رہنے سہنے کی اجازت دیدی۔ نہ کوئی نیا نکاح ہوا۔ نہ کوئی رسم جدید عمل میں لائی گئی۔

میں دیکھتا ہوں۔ کہ آپ نے اِس دیوی کے ایجاب کے بعد اُسے قبول کیا ہے۔ اور معزز گواہوں کی موجودگی میں یہ ایجاب و قبول عمل میں آیا ہے۔ اور یہی وہ دو ضروری رکن ہیں جو اسلامی نکاح میں ہونے چاہئیں۔

عورت عاقلہ بالغہ ہے۔ اُسے کسی ولی کی ضرورت نہیں ہے۔ اور کوئی ولی۔ باپ۔ بھائی۔ بیٹا یا پہلے شوہر کا باپ یا پہلے شوہر کے بھائیوں میں سے کوئی اُسے روک نہیں سکتا ہے۔ اور شکر کا مقام ہے کہ شرع محمدی کے مندرجہ بالا حکم کے ساتھ اِس جگہ گورنمنٹ انڈیا کا قانون بھی موافق ہے۔

شرع محمدی میں کم از کم دو گواہ عادل ہونے چاہئیں۔ اِس سوئمبر دواہ میں تو گواہوں کی تعداد کہیں دو سے زیادہ ہے۔ بلکہ مسلمانوں اور اہل کتاب گواہوں کا مجموعہ دو سے دُگنا ہو جاتا ہے۔ اور یہ گواہ ایسے ہیں جو شرعاً پوری صلاحیت شاہد ہونے کی رکھتے ہیں۔ پس آپ کا سوئمبر دواہ ایسا جائز ہے کہ اِس دواہ سے پیدا شدہ بچہ اسلام میں صحیح النسب کہلائیگا۔ اور کوئی مسلمان بھولے سے بھی اُس کی نسب کے خلاف کوئی خیال نہیں کریگا۔ حتیٰ کہ آپ اور وہ بچہ بھی ہماری

سوسائٹی کے اندر آنا قبول کریں۔ یا نہ کریں۔ لیکن ہم اُس بچے کو برابر
صحیح النسب ہی یقین کرینگے) +

رُوح القدس یا اسلام کی سپرٹ سے معمور رحمت کے فرشتے کی مذکورہ بالا ندا کو
سُنکر میرے سینے پر سے تمدنی مشکل کی عظیم الشان چٹان نیچے ڈھلک گئی۔ اور میں نے
ایک مجلسی گرداب سے نجات حاصل کی۔ اور میں نے محسوس کیا کہ :-

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝
الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝

میرا دل جو رات دن اس بوجھ کے خیال سے پریشان رہتا تھا وہ بوجھ کہ جس نے
میری پیٹھ کو توڑ رکھا تھا۔ اسلام نے مجھے اُس پریشانی سے نجات دی۔ جب کہ اُس نے
میری پیٹھ پر سے اس بھاری بوجھ کو اُتار ڈالا اور مجھے سانس لینے کا موقع ملا۔ اب میں نے
سوچنا شروع کیا۔ کہ وہ تمام مذاہب جو روح کی نجات کا دعویٰ کر رہے ہیں جس صورت
میں کہ اُن کی تعلیم ہماری ذراسی دنیوی مشکل سے ہم کو نجات نہیں دے سکتی۔ اس
صورت میں اُن کا ہماری روح کی نجات کا دعویٰ کرنا بہت بڑا دعویٰ ہے۔ اس ذراسی
مجلسی مشکل نے میرے لئے نجات کے مسئلہ کو حل کرنے کا بھی راستہ صاف کر دیا۔
اور میں نے جان لیا کہ جس مذہب یا سوسائٹی کے مذہبی یا مجلسی قوانین ہماری اُن
مشکلات کا حل نہیں کرتے اور حل نہیں بتاتے۔ جو کہ ہمیں اس دنیا میں پیش آتی ہیں
وہ آنیوالی دنیا کی مشکلات کا حل ہمیں کیا بتا سکتے ہیں۔ جس مذہب یا سوسائٹی کے
مذہبی یا مجلسی قوانین ہمیں تمدنی مشکلات سے نجات نہیں دیتے۔ ہمیں دماغی یا
ذہنی زنجیروں سے نجات نہیں دیتے۔ وہ ہمیں روحانی نجات کب دے سکتے ہیں۔
ہندوازم میں پیدا شدہ مختلف فرقے میری سوشیل مشکل کا حل نہ کر سکے۔ مجھے ذہنی
یا دماغی نجات نہ دے سکے۔ چرچ میری سوشیل مشکل میں شمہ بھر بھی میری مدد نہ کر سکا
نہ ہی وہ مجھے ذہنی یا دماغی پہلو میں مجھے نجات دلیگا۔ اس صورت میں اگر میں اب
زیادہ دیر تک ہندوازم میں پیدا شدہ فرقوں یا چرچ کے پیچھے روحانی نجات کے
لئے مارا مارا پھرتا رہتا۔ تو یہ محض تضیع اوقات ہوتا۔ ریشنلزم یا علم و عقل۔ دلیل و
برہان۔ تجربہ اور مشاہدہ کی کسوٹی پر پرکھنے سے مجھے اس بات کے جاننے کا موقع

حل گیا۔ کہ کھرا کیا ہے اور کھوٹا کیا؟ جب اِس گرہ کو کاٹنے میں کہ جس کو کاٹنے سے تمام مذاہب عاجز ثابت ہوئے۔ اِسلام نے کامیابی حاصل کی۔ تو میرے لئے لازمی ہوگیا۔ کہ بطور ایک ریشنلسٹ کے میں اِس بات کا بھی پتہ لگاؤں۔ کہ آیا میری مجلسی یا تمدنی مشکلات کو حل کرنے کے علاوہ اِسلام میری دیگر مشکلات کو بھی حل کرتا اور میرے مطالبات کو پورا کرتا ہے یا نہیں؟ +

اُنچاسویں فصل

علم کا علم

بطور ایک رشنلسٹ کے میرے مذکورہ بالا دونوں مطالبات مجلسی پہلو کو لیکر تھے۔ اسلام نے ان مطالبات کو کماحقہٗ پورا کردیا۔ میرا تیسرا مطالبہ یہ تھا۔ کہ جس سوسائٹی کو میں قبول کروں۔ اُسکے مذہبی یا مجلسی قانون کے مطابق مجھے کسی قسم کا دماغی خراج ادا کرنے کے لئے مجبور نہ ہونا پڑے۔ بلکہ وہ قانون نہ مجھے علم و عقل۔ دلیل و برہان۔ تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر کسی مسئلہ کو تسلیم کرنے کی تعلیم دیتا ہو۔ اس بات پر کماحقہ روشنی ڈالی جاچکی ہے کہ ہندوازم میں پیدا شدہ مذہبی فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ کسی نہ کسی شکل میں اپنے پیروؤں سے دماغی خراج وصول کرتا ہے یہاں تک کہ آریہ سماج کا فرقہ بھی جو اپنی مذہبی تعلیم کو سائنس کے مطابق ظاہر کرتا ہے اپنے مقلدوں سے بہت بھاری دماغی خراج حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ میں آریہ سماج کے متعلق اپنی متعدد تصنیفات میں ثابت کرچکا ہوں۔ میرے مذکورہ بالا مطالبہ کے بارے میں بھی اسی رحمت کے فرشتے نے روح القدس یا اسلامی سپرٹ سے معمور ہوکر مفصلہ ذیل نبوت کی کہ:-

"آپ رشنلزم کو سب سے اعلیٰ تسلیم کرتے ہیں۔ اور رشنلزم میں ہر ایک واقعہ کا درست و صحیح ہونا بروئے مشاہدہ و تجربہ یا بروئے برہان و دلیل ہونا چاہئے نہ صرف اعتقاد کی بُنیاد پر۔

لیکن عیسائی بننے والے کے لیئے چند مسائل ایسے پیش کئے جاتے ہیں۔ جن میں نہ عقل و برہان کو دخل ہے۔ اور نہ مشاہدہ و تجربہ سے کوئی نظیر اُس کی بیان کیجا سکتی ہے۔ اور نہ ایک طالب حق کا یہ

اِستحقاق تسلیم کیا جاتا ہے کہ وہ آزادی سے اُن مسائل پر اپنے روحانی باپ یا روحانی اُستاد سے گفتگو کر سکے +

ایسے مسائل جن میں پروٹسٹنٹ یا ارتھوڈکس۔ یا کیتھولک سب کے سب متفق ہیں۔ اور جن کی بابت فتویٰ یہ ہے۔ کہ اُن پر اعتقاد کر لینا اُن کے سمجھ لینے سے پیشتر فرض و واجب ہے۔ متعدد ہیں۔ مثلاً (الف) ابنیت والوہیت مسیح (ب) کفارہ (ج) توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید +

کیا آپ رشنلزم کے اصول کو خیر باد کہکر ایسے مسائل پر ایمان لانے کے لئے تیار ہو سکتے ہیں جن کو آپ نے ابھی نہ سمجھا ہو۔ اور جن کی صداقت پر آپ کے سامنے کوئی برہان موجود نہ ہو +

میں دعوےٰ سے کہونگا کہ **قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین** کا ترانہ لگانیوالا صرف اسلام ہی ہے۔ وہ ہر ایک شخص کو صادق ماننے کے لئے تیار ہے۔ اور ہر ایک چیز میں صداقت ماننے کے لئے تیار ہے۔ جس کے لئے برہان صحیح اور دلیل محکم پیش کر دیا وے +

بیشک سید الانبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم رشنلزم کے سرتاج ہیں۔ جو باوجود توحید خالص کے سب سے بڑے واعظ اور سب سے بڑے معلم ہونیکے بھی محض دلیل و برہان کی برتری و تفوق کے دکھلانے اور اپنی حق پسندی و حق جوئی کا ثبوت دینے کے لئے یہاں تک بھی فرما دیتے ہیں۔ **قل ان کان للرحمٰن ولدٌ فانا اول العابدین**۔ اے محمد کہدے کہ اگر رحمان کا کوئی بیٹا ہوتا تو سب سے پہلے میں اُسکی عبادت کرتا۔ سورۂ زخرف +

اب مجھے اصول رشنلزم کی پابندی کا خیال کرتے ہوئے یہ بھی کہدینا چاہیئے کہ آپ کبھی عیسائی نہیں بن سکتے۔ اور کوئی بھی آپ کو عیسائی بنا لینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ آپ اپنی کانشنس سے مجبور ہو کر ہر ایک مسئلہ کو عقل و برہان سے وزن کرنا چاہینگے۔ اور

وہاں یہ تعلیم دیجاویگی - کہ سمجھنے سے پیشتر اِس پر ایمان لانا فرض ہے یا یہ کہا جائیگا کہ یہ ایسا راز ہے - جسے اِنسان کی سمجھ دریافت نہیں کر سکتی + اور یہ جوابات یقیناً آپ کی بے اطمینانی کو اور زیادہ ترقی دینیوالے اور طلبِ دلیل کی درخواست پر زیادہ زور دینیوالے بن جائینگے "+

میرے حق میں مسیحی ہونے کے بارے میں مذکورہ بالا الفاظ میں جو نبوت کی گئی تھی - وہ لفظ بہ لفظ پوری ہوئی - میں لکھ چکا ہوں کہ میری اپیل کے جواب میں "جوگیان پرکاش" میں کی گئی تھی - کسی بھی مسیحی کا ایک کارڈ تک بھی میرے پاس نہ آیا - اور نہ اُن کو یہ جرأت ہوئی کہ وہ مجھے بطور ایک رشنلسٹ کے بپتسمہ دے سکتے - اِس کے برعکس چرچ کی طرف سے اگر مجھ سے درخواست کی گئی - تو صرف یہ کہ میں اُن ہی معنوں میں (۱) ابنیت والوہیت مسیح (۲) کفارہ (۳) تثلیث (۴) عہد عتیق کو تسلیم کروں - جن معنوں میں کہ اِن مسائل کو چرچ تسلیم کرتا ہے - مگر جیسا کہ رحمت کے فرشتے نے اپنی نبوت میں کہا تھا کہ :-

"کیا آپ رشنلزم کے اصول کو خیر باد کہہ کر (۱) ابنیت والوہیت مسیح (۲) کفارہ (۳) توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید پر ایمان لانے کے لئے تیار ہو سکتے ہیں - جن کو آپ نے ابھی نہ سمجھا ہو - اور جن کی صداقت پر آپ کے سامنے کوئی بُرہان موجود ہو ...... آپ اپنی کانشینس سے مجبور ہو کر ہر ایک مسئلہ کو عقل و برہان سے وزن کرنا چاہینگے - اور وہاں یہ تعلیم دیجاویگی - کہ سمجھنے سے پیشتر اُس پر ایمان لانا فرض ہے - یا یہ کہا جاویگا - کہ یہ ایسا راز ہے - جسے اِنسان کی سمجھ دریافت نہیں کر سکتی - اور یہ جوابات یقیناً آپ کی بے اطمینانی کو اور زیادہ ترقی دینے والے اور طلبِ دلیل کی درخواست پر زیادہ زور دینے والے بن جائینگے "+

درحقیقت ویسا ہی ثابت ہوا - اور یہ مسائل میرے مسیح تک پہنچنے یا مسیحی ہونے کے راستے میں ناقابل عبور رکاوٹ ثابت ہوئے - جیسا کہ میں اپنے گذشتہ مضمون میں مفصل بیان کر چکا ہوں - مگر مجھ سے یہ بھی کہا گیا تھا کہ :-

"قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کا ترانہ لگانیوالا صرف اِسلام ہی ہے۔ وہ ہر ایک شخص کو صادق ماننے کے لئے تیار ہے۔ اور ہر ایک چیز میں صداقت ماننے کے لئے تیار ہے۔ جس کے لئے بُرہانِ صحیح اور دلیل محکم پیش کر دیجاوے۔ بیشک سید الانبیا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ریشنلزم کے سرتاج ہیں۔ جو باوجود توحید خالص کے سب سے بڑے واعظ اور سب سے بڑے معلم ہونے کے بھی محض دلیل و بُرہان کی برتری و تفوق دکھلانے اور اپنی حق پسندی و حق جوئی کا ثبوت دینے کے لئے یہاں تک بھی فرما دیتے ہیں۔ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ۔ اے محمد کہدے۔ کہ اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہوتا۔ تو سب سے پہلے میں اُس کی عبادت کرتا۔ سورۂ زخرف"۔

ایک ریشنلسٹ کے لئے جو کسی بھی مسئلہ کو تسلیم کرنے کے لئے علم و عقل۔ دلیل و بُرہان۔ تجربہ اور مشاہدہ کی مدد لیتا ہو۔ مذکورہ بالا دعویٰ اگر وہ درست ہو جسقدر خوشی دینے والا ہو سکتا ہے۔ اُس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ اِس میں شک نہیں کہ اسلام نے میرے مجلسی مطالبات کو پورا کر دیا۔ اگر میں اسلام کے کسی مسئلہ کو بطور مذہب کے نہ بھی تسلیم کرتا۔ تو بھی میرے لئے مسلم سوسائٹی کا ممبر بن جانے کے لئے اسلام نے جو آسان اور نزدیک کا راستہ بتا دیا تھا۔ وہ بہت کافی تھا۔ لیکن اگر مجھے یہ بھی معلوم ہو جاتا۔ کہ اِسلام میرے مجلسی مطالبات کو پورا کرنیکے علاوہ میرے مذہبی مطالبات کو بھی پورا کرنے کا دعویٰ کرتا ہے۔ تو اِسلام کو قبول کرنے میں میری خوشی کا کیا ٹھکانا ہو سکتا تھا۔ اب ایک طرف تو میرے کان میں یہ آواز آتی تھی۔ کہ اسلام نے مذہب میں علم و عقل کو دخل دینے کی اجازت نہیں دی۔ دوسری طرف میرے کان میں یہ ندا آتی تھی۔ کہ اگر دنیا میں "هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ" کا ترانہ کسی مذہب نے لگایا ہے۔ تو وہ صرف اِسلام ہی ہے۔ میرا فرض تھا کہ بطور ایک ریشنلسٹ کے میں ان دونوں باتوں کا فیصلہ کرتا۔ کہ کونسی درست ہے اور کونسی غلط۔ اِس کے لئے بہترین طریقہ یہی ہو سکتا تھا۔ کہ میں خود ریشنلزم کی روشنی میں اسلام کا مطالعہ کرتا۔ اور بطور ایک ریشنلسٹ کے اپنے لئے کوئی نتیجہ اخذ کرتا۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ اِس سے پیشتر میں نے جو اسلام کا

مطالعہ کیا تھا۔ وہ مُلّا ازم کی روشنی میں تھا۔ مُلّا ازم کی روشنی میں اسلام مجھے چنداں کشش کی چیز نہیں معلوم ہوا تھا۔ جیسا کہ میں مفصل لکھ چکا ہوں۔ مگر جب میں نے اسلام کے بنیادی اصولوں کی کتاب قرآن مجید کو ریشنلزم کی روشنی میں مطالعہ کرنا شروع کیا تو میرے کان میں جو یہ آواز آتی تھی۔ کہ اسلام نے مذہب میں علم وعقل کو دخل دینے سے منع کیا ہے۔ سب سے پہلے میں نے اسکا فیصلہ کرنا چاہا۔ چنانچہ اس مقصد کو مدنظر رکھکر جب میں نے قرآن مجید کو کھولا۔ تو میں نے اُسکو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ کہ سب سے پہلا دعویٰ جو انسان نے اس دنیا میں آنکھ کھولتے کے ساتھ ہی کیا وہ علمیت کا دعویٰ تھا۔ اور سب سے پہلی نعمت جو خداوند قدوس نے انسان کو اس دنیا میں ظاہر کرکے عطا کی تھی۔ وہ علم کی نعمت تھی اور سب سے پہلی بحث جو انسان نے اس دنیا میں آنکھ کھولتے کے ساتھ ہی کی وہ علمی بحث تھی۔ اور سب سے پہلی فتح جو انسان نے اس دنیا میں آنکھ کھولتے کے ساتھ ہی حاصل کی وہ علمی فتح تھی۔ اور سب سے پہلی سلطنت جو انسان نے اس دنیا میں قائم کی۔ وہ علم کی سلطنت تھی۔ اور سب سے پہلی تلوار جو انسان نے اس دنیا میں اپنے مخالفوں اور موالفوں کو مطیع کرنے کے لئے چلائی وہ علم کی تلوار تھی۔ چنانچہ اس علمی دعویٰ۔ اس علمی نعمت۔ اس علمی بحث۔ اس علمی فتح۔ اس علمی سلطنت۔ اور اس علمی تلوار کا ذکر قرآن مجید نے نہایت ہی عمدہ طور پر بدیں الفاظ کیا ہے:۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً
قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ
وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ
عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِیْنَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ○ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ
فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ○

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ (سورۃ البقرۃ ۳/۵) +

جب ایک ریشنلسٹ قرآن مجید کی ان آیتوں پر نظر ڈالتا اور اُن پر تدبر کرتا ہے۔ تو وہ اِس نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ کہ قرآن پاک نے علم کو ایسی طاقت تسلیم کیا ہے۔ کہ جس کے ذریعہ سڑی ہوئی مٹی سے پیدا کیا ہوا انسان فرشتوں پر بھی فتح حاصل کر سکتا اور اُن کو اپنے سامنے سر جھکانے کے لئے مجبور کر سکتا ہے۔ اگر ہم اِن آیتوں کی ظاہری بندش کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف وہی معانی لیں۔ جو کہ بغیر کسی قسم کی تفسیر کے اِن آیتوں کے الفاظ ہمیں دیتے ہیں۔ اور ہم اِس کو زمانہ گذشتہ کا ایک مقامی واقعہ ہی تسلیم کریں تو بھی ہمیں یہ ضرور ماننا پڑیگا۔ کہ آدمؑ اور فرشتوں میں جو علمی بحث ہوئی۔ اُس بحث کا فیصلہ ثالث نے آدمؑ کے حق میں کیا۔ کیونکہ آدمؑ کا علم فرشتوں کے علم سے اعلیٰ و افضل تھا۔ اِسی علمی فضیلت کی بنا پر فرشتوں نے آدمؑ کے سامنے سر جھکا دیا۔ جس صورت میں کہ ہمارے جد امجد نے محض علمی طاقت کے ذریعہ فرشتوں پر فضیلت حاصل کی ہو۔ اور فرشتوں نے بھی اُس کی علمی فضیلت کو تسلیم کیا ہو۔ اِس صورت میں یہ کہنا کہ اسلام اور قرآن مجید نے اُسی جد امجد کی اولاد کو مذہبی معاملات میں علم و عقل سے کام لینے کی اجازت نہیں دی۔ اِسلام پر محض بہتان و افترا ہے۔ مگر ایک شخص جو آدمِ اول کی پیدائش کا۔ فرشتوں اور ابلیس کے وجود کا منکر ہے۔ وہ یہ کہتا ہے۔ کہ قرآن مجید کی اِن آیتوں سے بے شک علم کی فضیلت تو ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اِس بات کا کیا ثبوت کہ آدمؑ اور فرشتوں کا یہ قصہ درحقیقت سچ ہے۔ وہ کہتا ہے۔ کہ یہ قصہ ہی محض بناوٹ ہے۔ کیونکہ نہ آدمؑ پیدا ہوا۔ نہ فرشتوں کا کوئی وجود ہے۔ نہ شیطان ہے۔ جب یہ کچھ بھی نہیں تھا۔ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ تو پھر آدمؑ اور فرشتوں کا جو یہ ڈراما گھڑا گیا ہے۔ یہ بھی محض بناوٹ ہی ہے۔ اِس گھڑنت سے کیا فائدہ؟ اگر بفرضِ محال یہ مان بھی لیا جاوے۔ کہ اِس قسم کا کوئی تواریخی یا مقامی واقعہ ہوا تھا۔ تو ہمیں اِس سے کیا؟ وہ زمانہ گذر گیا۔ اِس کے ساتھ ہی یہ واقعہ بھی رفت گذشت ہو گیا۔ اب

زندوں کے سامنے یہ گڑے مُردے اُکھاڑنے سے کیا فائدہ؟ اب ہمارے سامنے نہ آدمؑ ہے۔ نہ ہم کہیں فرشتوں کا نام پاتے ہیں۔ نہ کہیں ابلیس کی شکل نظر آتی ہے۔ تمہارا ریشنلسٹ ہو کر ملانوں کی باتوں کو ماننا اور ہمارے سامنے پیش کرنا ریشنلزم کو بدنام کرنا ہے۔ اِسلیئے کہ آدمؑ اور فرشتوں کا یہ ڈراما علم وعقل۔ دلیل و بُرہان تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ ثابت نہیں کیا جا سکتا؟ اگر تم اِس کو ثابت کر سکتے ہو۔ تو ثابت کر کے دکھاؤ۔ مُنکر کا یہ مطالبہ بہت معقول مطالبہ ہے۔ مُلاازم مُنکر کے اِس مطالبہ کا جواب نہیں دے سکتا۔ اِسلیئے کہ وہ قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیتوں کی ظاہری بندش سے آگے قدم اُٹھانا گناہ سمجھتا ہے۔ اور وہ اُس کو زمانہ ماضی کا محض ایک تواریخی یا مقامی واقعہ ہی مانکر خاموش ہو جاتا ہے۔ لیکن جسوقت ہم ریشنلزم کی روشنی میں اِن آیتوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ تو ہمیں پتہ لگتا ہے۔ کہ آدمؑ نے جو علم کی طاقت سے فرشتوں پر بزرگی یا فتح حاصل کی وہ محض زمانہ ماضی کا ایک مقامی واقعہ ہی نہیں تھا۔ بلکہ یہ ایک عالمگیر اصول ہے جو اسوقت بھی ہمارے سامنے عمل کر رہا ہے۔ وہی خدا وہی ملائکہ۔ وہی خلیفہ۔ وہی آدم۔ وہی ابلیس۔ وہی جنت اِسوقت بھی ہمارے سامنے موجود ہیں۔ اور ہم اپنی آنکھوں سے اِس تمام ڈرامے کو دیکھ رہے ہیں۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں۔ کہ آدم اسوقت بھی علم کی تلوار کے ذریعہ ملائکہ کو مغلوب کر رہا ہے ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں۔ کہ ابلیس اسوقت بھی آدم کی علمیت کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر رہا ہے۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ آدم ہماری آنکھوں کے سامنے ممنوعہ درخت کا پھل کھانے کی پاداش میں جنت سے نکالا جا کر دُکھ اُٹھا رہا ہے۔ ریشنلزم کی برقی روشنی اُن عالمگیر اصولوں کو جن کو کہ مُلاازم زمانہ ماضی کے پردوں میں محض قصے کہانیوں کی شکل میں لپیٹ کر رکھ دیتا ہے۔ اُن تمام پردوں کو چیر پھاڑ کر زمانہ ماضی کو بیچ میں سے ہٹا کر یہ تمام ڈراما ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتی ہے اور جب ہم اپنی آنکھوں سے اِس ڈرامے کو دیکھ لیتے ہیں تو قرآن مجید کی صداقتوں پر نہ صرف ہمارا اعتقاد مضبوط ہو جاتا ہے۔ بلکہ ہمارا یقین عین الیقین ہو جاتا ہے۔ جسوقت اِس ڈرامے کا پہلا پردہ ہماری آنکھوں کے سامنے سے اُٹھتا ہے۔ تو ہماری نظر ایسی مخلوق پر پڑتی ہے۔ جن کی شکلیں بڑی نورانی ہیں۔ جو بڑے ہی خدا ترس

اور خدا پرست دکھائی دیتے ہیں۔ وہ خدا کی تسبیح اور تقدیس کرتے نظر آتے ہیں۔ رات اور دن خدا کی پوجا کرتے رہنا ہی اُن کا شغل اور اُن کا کام ہے۔ وہ دُنیا و ما فیہا سے بالکل لاپرواہ اور زمانہ کی ہوا سے قطعی بے آگاہ ہیں۔ وہ اپنی حالت اور اپنے اردگرد کے حالات میں کسی قسم کی تبدیلی کے خواہشمند نہیں ہیں۔ اُن کو اپنے زہد و اتقا۔ اپنی پوجا پاٹھ۔ تسبیح و تقدیس پر بڑا ناز اور بھروسا ہے۔ یہاں تک کہ وہ خدا کو بھی اُس کے کاموں میں مشورہ دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ اگر موقع ملے تو وہ خدا کی کسی تجویز کے برخلاف پروٹسٹ کرنے سے بھی نہیں جھجکتے۔ نہ ہی وہ اپنے علم و فضل سے کسی دوسرے کے علم و فضل کو بڑا سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو سب سے افضل اور دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھنے کے عادی ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں۔ کہ خدا کے نام کی مالا جپتے جانا اور دوسروں پر فسادی۔ خونی۔ فتنہ پرداز وغیرہ کا فتویٰ لگاتے جانا ہی اُن کی زندگی کا مقصد ہے۔ پوجاریوں کے اِس گروہ کو قرآن مجید میں ملائکہ یا فرشتوں کے نام سے پکارا گیا ہے۔ جب اِس ڈرامے کا دوسرا پردہ اُٹھتا ہے۔ تو ہم اِس پہلی قسم کی مخلوق کو ایک دوسری قسم کی مخلوق کے برخلاف سرگوشی کرتا ہوا پاتے ہیں چونکہ اِس کائنات کے ناظم کی طرف سے کائنات کے سٹیج پر ایک ایسی مخلوق کے لانیکا انتظام کیا گیا ہے۔ جس کو نہ اپنی پیدائش پر ناز ہے۔ نہ اپنی شکل و صورت پر فخر ہے۔ نہ اپنے زہد و اتقا پر بھروسا ہے۔ نہ اپنی پوجا پاٹھ کا گھمنڈ ہے۔ بلکہ وہ اپنے آپ کو محض ایک خاکی وجود سمجھتا ہے۔ جو کہ سڑی ہوئی مٹی سے اُٹھایا گیا ہے۔ وہ خاک سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور خاکساری کی مثال ہے۔ وہ ملائک کی نظر میں ایک نفرت کی چیز ہے۔ وہ نہیں چاہتے کہ سٹیج کا ناظم ایسے خاکی وجود کو اُن میں لائے۔ یا اُن پر اُس کو فضیلت دے۔ اِس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے وہ سٹیج کے ناظم کو مشورہ دیتے ہیں۔ کہ یہ خاکی وجود جس کو تو سٹیج پر لانا چاہتا ہے۔ فتنہ و فساد برپا کریگا۔ یہ مفسد و خونی ہوگا۔ حالانکہ ہم رات دن تیری پوجا پاٹھ میں لگے رہتے ہیں۔ کیا ضرورت ہے کہ تو ایسے فسادی کو پیدا کرے۔ یہ ایک بڑی بھاری جسارت ہے۔ جو اِس پوجاری کلاس سے ظہور میں آتی ہے۔ مگر سٹیج کا ناظم اِس پوجاری کلاس کو اُن کے پوجا پر گھمنڈ کرنے اور اُن کی اِس فتویٰ بازی پر اور اُن کے بلا مانگے

مشورہ پر ڈانٹ بتاتا ہے۔ اور وہ اِس خاکی وجود کو جو ملائک کی نظر میں ایک نفرت کی چیز ہے۔ علم و عقل کے زیور سے آراستہ کرتا ہے۔ وہ اِس کو زمانہ کے سرد و گرم سے بھی آگاہ کرتا ہے۔ وہ اِسکو صرف پوجا کرنے کا علم ہی نہیں دیتا۔ بلکہ اُس کو اُن تمام علوم سے بھی آراستہ و پیراستہ کرتا ہے۔ جن کے ذریعہ وہ کائنات کے مختلف طبقات کو مطیع و منقاد کر کے اُن کو اپنے لئے اور اپنے آپ کو اُن کے لئے مفید ثابت کر سکے۔

سٹیج کا ناظم علم کل ہے۔ عقل کل ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اِس خاکی وجود کو جس پر پوجاری گروہ نے خونی اور فسادی کا فتویٰ لگایا اور اُس کو حقارت کی نظر سے دیکھا۔ علوم و فنون کے زیور سے آراستہ کر کے ملائک یا پوجاریوں کی جماعت پر بھی فضیلت دیکر اپنی قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ کا ثبوت دے۔ جب اِس ڈرامے کا تیسرا پردہ اُٹھتا ہے۔ تو ہم دیکھتے ہیں۔ کہ کائنات کے اِسی سٹیج پر ایک طرف تو پوجاریوں یا ملائک کا گروہ ہے جن کو اپنی عبادت یا پوجا پاٹھ پر اپنے زہد و اتقا پر۔ اپنے علم و فضل پر۔ اپنی فتویٰ بازی پر۔ اپنی نورانی شکل و صورت پر بڑا گھمنڈ ہے۔ جو اسی گھمنڈ سے متحرک ہو کر خدا کو بھی اُس کے کاموں میں بلا مانگے مشورہ دینے کے لئے تیار ہیں۔ دوسری طرف دُنیا کے کل علوم و فنون کا جامہ اوڑھے ہوئے ایک خاکی وجود ہے جس کو نہ اپنی عبادت یا پوجا پاٹھ پر ناز ہے۔ نہ اپنے زہد و اتقا پر بھروسہ ہے۔ نہ اُس کو اپنی شکل و صورت پر گھمنڈ ہے۔ اِس کائنات کے سٹیج کا مالک پوجاریوں کی جماعت پر اِس حقیقت کا انکشاف کرنے کے لئے کہ خالی تھیالوجی (ملا اِزم) پر ہی ناز کر کے دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھ لینا کافی نہیں ہے۔ بلکہ تھیالوجی (ملا ازم) سے بڑھ کر کچھ اور بھی علوم و فنون ہیں۔ جن کا جاننا اور سیکھنا ناظم کی منشا کے مطابق ہے۔ وہ پوجاریوں یا ملائک کی جماعت کے سامنے جو محض اپنی پوجا پاٹھ پر ہی گھمنڈ کر رہی تھی۔ دنیا کے مختلف علوم و فنون مثلاً جیالوجی۔ منرلوجی۔ بیالوجی۔ بوٹانی۔ فزیالوجی۔ زوآلوجی۔ اناٹومی سرجری۔ ہائی جین۔ کیمسٹری۔ اسٹرانومی۔ پولیٹکل اکانومی۔ پالیٹکس۔ نیشنل اور انٹر نیشنل پالیٹکس۔ ٹریڈ اور فری ٹریڈ۔ ڈومسٹک اکانومی۔ سیکسوئل سائنس۔ ایلوپیتھی ہومیوپیتھی۔ کرومو پیتھی۔ اوکسی پیتھی۔ اگری کلچر۔ سیری کلچر۔ کٹلری۔ سمتھی۔ کارپنٹری ویونگ۔ سُموئنگ۔ کوکنگ وغیرہ مختلف علوم و فنون کا پرچہ رکھ دیتا ہے۔ اور پوجاریوں

سے کہتا ہے کہ اگر تم سمجھتے ہو۔ کہ زندہ رہنے یا زندگی کے لئے محض پوجا پاٹھ کر لینا یا میرے نام کی مالا جپتے رہنا ہی کافی ہے۔ اگر تم سمجھتے ہو۔ کہ تم سب سے افضل اور عالم و فاضل ہو۔ اور کہ تمہاری موجودگی میں کسی ایسے دوسرے وجود کی ضرورت نہیں ہے۔ جو تمہاری نسبت میری کائنات کو سمجھنے اور اُس سے فائدہ اُٹھانے کا زیادہ ملکہ رکھتا ہو۔ تو ذرا ان ضروری سوالات کا جو کہ میری کائنات کے مختلف شعبوں کے متعلق ہیں مجھے جواب دو تاکہ میں جانوں۔ کہ تم نے میرے اِس کائنات کے پیدا کرنے کے مقصد کو بخوبی سمجھا ہے یا نہیں۔ پوجاریوں یا ملائک کی وہ جماعت جس کا اب تک یہی خیال تھا۔ کہ محض رسمی طور پر پوجا پاٹھ کر چھوڑنا اور خدا کے نام کی مالا پھیر چھوڑنا یا وقت بےوقت خدا کی کسی تجویز یا کام پر نکتہ چینی کر دینا۔ یا دوسروں پر مفسد و فتنہ پرداز ہونے کا فتویٰ لگا دینا ہی سب سے بڑا علم اور سب سے بڑا ہنر ہے۔ اِن سوالات کو سُننے کے ساتھ ہی چلا اُٹھتے ہیں کہ جناب! ہم نے تو تھیالوجی (ملا ازم) کے سوائے دوسرا کوئی علم پڑھا ہی نہیں۔ ہم تو صرف اتنا ہی جانتے ہیں۔ کہ تیری پوجا کر لی اور مالا پھیر چھوڑی یا اِس قسم کے خاکی وجودوں پر جس کو تو نے ہمارے درمیان کھڑا کیا ہے۔ خونی۔ فسادی فتنہ پرداز وغیرہ کا فتویٰ لگا چھوڑا۔ ہم تو تھیولوجسٹ (مُلّاں) ہیں ہمیں تھیالوجی (ملا ازم) کے سوائے دُنیا کے دیگر علوم و فنون سے کیا تعلق۔ جب تھیولوجسٹوں (ملانوں) کا گروہ یہ جواب دے چکتا ہے۔ تو کائنات کے سٹیج کا ناظم اُس خاکی وجود کو ان علوم و فنون کے متعلق سوالات کا جواب دینے کے لئے آگے لاتا ہے۔ چنانچہ وہ تمام سوالات کا کماحقہ جواب دیتا ہے اور بتلاتا ہے۔ کہ اِن علوم و فنون کا جاننا اور سیکھنا کیوں ضروری ہے۔ اِس خاکی وجود کی اِس علمی بزرگی کو دیکھ کر پوجاریوں یا ملائک پر ناظم کی وہ حکمت آشکارا ہوتی ہے۔ جو کہ اُس نے اِس خاکی وجود کے پیدا کرنے میں نہاں رکھی تھی۔ اور اُن کو پتہ لگتا ہے۔ کہ تھیالوجی (ملا ازم) کے سوائے کچھ اور بھی علوم و فنون ہیں۔ جن کا جاننا اور سیکھنا ضروری ہے۔ کائنات کے سٹیج کے ناظم کی اِس حکمت کو جان کر پوجاریوں یا ملائک کے گروہ کا سعادتمند حصہ اس خاکی وجود کی علمی بزرگی کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔ مگر وہ جن کو اپنی خشک تھیالوجی (ملا ازم) پر بیجا گھمنڈ ہے۔ اور جو کورے تھیالوجسٹ یا محض کٹھ مُلّاں ہیں۔ وہ اپنی تھیالوجی کے مقابلہ پر دیگر علوم و فنون

کی ضرورت اور حق و حقانیت کی بزرگی کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہیں۔ علم و عقل کے ایسے دشمنوں۔ حق و حقانیت کے مخالفوں۔ اپنی شخصیت پر اترانے گھمنڈ کرنے والے مغروروں کو قرآن مجید نے ابلیس کے نام سے پکارا ہے۔ انکساری۔ خاکساری اور علوم و فنون کے نمائندے کو قرآن مجید نے آدم کے نام سے پکار کر ہدایت کی ہے کہ:۔

یٰاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

جس زمین کی خلافت کے لئے تم کو پیدا کیا گیا ہے۔ تم اس میں سکونت اختیار کرو۔ ہم نے تم کو علم و ہنر کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے۔ تم اسی علم و ہنر کی طاقت سے اس زمین پر امن چین کی زندگی بسر کرو۔ لطیف و مرغوب اشیا کھاؤ پیو۔ اور جہاں مرضی ہے چلو۔ پھرو۔ مگر خبردار۔ یہ علوم و فنون تمہیں تکبر اور گھمنڈ سے نہ بھر دیں۔ اگر تم بھی ابلیس کی طرح متکبر اور گھمنڈی ہو گئے تو تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ آدم اور ابن آدم نے اپنے علم و ہنر کی بدولت زمین کو گلزار بنا دیا۔ مگر جب ہی اُس نے اپنے علم و ہنر پر گھمنڈ کیا۔ اور دوسروں کو اپنے سے حقیر و بے بضاعت جانکر گردن بلند کی۔ تب ہی وہ تباہ و برباد ہو گیا۔ تواریخ اس قسم کے واقعات سے لبریز ہے۔ خود قرآن مجید اس قسم کے درجنوں واقعات ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ دور کیوں جاتے ہو۔ یورپ کا نقشہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ آدم نے اپنے علم و ہنر کی طاقت سے یورپ کی سرزمین کو بہشت کا نمونہ بنا دیا۔ جس میں ہر ایک قسم کی راحت کے سامان مہیا کئے گئے۔ مگر

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ

جس نخوت۔ تکبر اور گھمنڈ نے ابلیس کو برباد کیا تھا۔ اور جس تکبر اور گھمنڈ کے درخت کے نزدیک جانے سے آدم کو روکا گیا تھا۔ اُسی گھمنڈ نے آدم اور ابن آدم میں رستہ پایا۔ اور اُن کو امن پسندی۔ صلح جوئی۔ انکساری۔ خاکساری کی حالت سے باہر نکال کر تکبر و گھمنڈ سے بھر دیا۔ اور اس تکبر کے آنے کے ساتھ ہی اُن کی امن۔ چین۔ راحت

وآرام کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ اور وہ ایک دوسرے کے جانی دشمن ہوگئے۔ کیا یہ اسی تکبر اور غرور کا نتیجہ نہیں ہے کہ وہی یورپ جو چند روز پیشتر بہشت کا نمونہ تھا۔ آج جہنم کا نمونہ بن رہا ہے۔ لاکھوں مرو قتل ہو گئے۔ سینکڑوں ہی ہر روز قتل ہو رہے ہیں۔ عورتیں بیوہ۔ بچے یتیم۔ تجارت تباہ۔ گھر بار برباد ہو رہے ہیں۔ اور چاروں طرف بربادی ہی بربادی ہو رہی ہے۔ وہ شخص جو یہ کہتا ہے۔ کہ آدم۔ ملائک اور ابلیس کا جو ڈراما قرآن مجید ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ محض فرضی قصہ ہے۔ کیا وہ اس ڈرامے کو اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہوا دیکھ کر بھی حقیقت سے انکار کر سکتا ہے؟ دیکھو آدم تو اسوقت بھی ہماری آنکھوں کے سامنے ملائک پر علمی فضیلت حاصل کر رہا ہے۔ ابلیس اسوقت بھی ہماری آنکھوں کے سامنے آدم کی اس فضیلت کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر رہا ہے۔ آدم اسی علم و ہنر کی بدولت ہماری آنکھوں کے سامنے اس زمین کو بہشت کا نمونہ بنا رہا ہے۔ اور آدم ہمارے سامنے ہی نخوت و تکبر کے ممنوعہ درخت کا پھل کھا کر اس بہشت کے آرام اور راحت سے محروم ہو کر سخت دکھ اٹھا رہا ہے۔ اگر آدم۔ ملائک۔ اور ابلیس کے قصے کو زمانہ ماضی کا مقامی واقعہ ماننے سے انکار بھی کر دیا جاوے۔ تو اس سے اُس کی اصلیت وحقیقت میں کوئی فرق نہیں آسکتا۔ جب کہ یہ ڈراما اب بھی بعینہٖ اُسی طرح ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ جس طرح کہ قرآن مجید نے اُس کو بیان کیا ہے۔ صرف یہی ایک واقعہ نہیں بلکہ جب ریشنلزم کی روشنی میں اسلام کے بنیادی اصولوں کی کتاب قرآن پاک کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام نے تمام دینی و دنیوی معاملات کو علم کے نیچے رکھا ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ قرآن پاک علم کی بزرگی بیان کرتا ہے کہ:۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ بقرہ ۵/۱ ع +

جب تمہیں اس بات کا علم ہو جائے۔ کہ حقیقت کیا ہے۔ اور جھوٹ کیا! تو پھر تم حقیقت پر جھوٹ کا جل وجامہ کسنے اور اس طرح حقیقت کو جھوٹ کے نیچے دبانے کی کوشش مت کرو۔ ملائک کو جب تک آدم کی بزرگی کا علم نہیں ہوا تھا۔ تب تک

اُنہوں نے اُس پر خونی اور فسادی ہونے کا فتویٰ لگایا تھا۔ اور خدا کو مشورہ دیا تھا کہ ایسے شخص کو پیدا نہ کیا جاوے۔ لیکن جب ملائک کو واقعات کی بنا پر آدم کی علمیت اور بزرگی کا علم ہوگیا۔ تو اُنہوں نے حقیقت کو جھوٹ کے پردے میں چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ کھُلے الفاظ میں اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے حق و حقانیت کے سامنے سر جھکا دیا۔ خدا کے سچے پرستاروں کی یہی نشانی ہوتی ہے۔ مگر حقیقت کا علم ہوجانے کے باوجود اُس کو جھوٹ کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کرنے والوں کو قرآن مجید میں ابلیس کے نام سے پُکارا گیا ہے۔ انجیل میں لکھا ہے کہ:

"صلیب کا کلام ہلاک ہونے والوں کے نزدیک بیوقوفی ہے ....

میں حکیموں کی حکمت کو نیست اور سمجھنے والوں کی سمجھ کو ہیچ کرونگا۔ کہاں حکیم۔ کہاں فقیہہ۔ کہاں اِس جہان کا بحث کرنے والا۔ کیا خدا نے اِس جہان کی حکمت کو بیوقوفی نہیں ٹھیرایا۔ اِسلئے کہ جب حکمتِ الٰہی سے یوں ہوا۔ کہ دُنیا نے اپنی حکمت سے خدا کو نہ پہچانا۔ تو خدا کی یہ مرضی ہوئی۔ کہ منادی کی بیوقوفی سے ایمان لانے والوں کو بچادے۔ چنانچہ یہودی کوئی نشان چاہتے ہیں۔ اور یونانی حکمت کی تلاش میں ہیں۔ پر ہم مسیح کی جو مصلوب ہوا۔ منادی کرتے ہیں۔ وہ یہودیوں کے لئے ٹھوکر کھلانے والا پتھر اور یونانیوں کے لئے بیوقوفی ہے۔ خدا کی بیوقوفی آدمیوں کی حکمت کی نسبت حکمت والی ہے۔ اے بھائیو! تم اپنی بُلاہٹ پر نگاہ کرو۔ کہ اِس میں دُنیا کے بہت سے حکیم اور بہت مقدور والے اور بہت اشرف شامل نہیں ہیں۔ مگر خدا نے دُنیا کے بیوقوفوں کو چُن لیا۔ تاکہ حکیموں کو شرمندہ کرے۔ اور دُنیا کے کمینوں اور حقیروں کو اور اُن کو جو شمار میں نہیں آتے۔ خدا نے چُن لیا۔ تاکہ اُنہیں جو شمار میں ہیں ناچیز کر ڈالے۔" (۱۔ قرنتیوں ۱۸۱ تا ۲۸) +

مگر کیا قرآن مجید بھی منادی کی "بیوقوفی" اور کلام کی "بیوقوفی" کے ذریعہ دُنیا کے "کمینوں"، "حقیروں" اور "ذلیلوں" کو چُن لینے اور حکیموں کی "حکمت" کو "نیست

اور سمجھنے والوں کی سمجھ کو "بیچ" گرداننے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ وہ جا بجا صرف یہی نہیں۔ کہ دنیا کے حکیموں کی حکمت۔ اور سمجھ والوں کی سمجھ اور داناؤں کی دانائی سے اپیل کرتا ہے۔ بلکہ وہ سلف ریسپکٹ کی بھی تعلیم دیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو کسی صورت میں بھی "بیوقوفوں" "ذلیلوں" اور "حقیروں" کی پوزیشن میں رکھنا گوارا نہیں کر سکتا بلکہ

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ۔

(بقرہ ۲/۲)

اگر وہ دیکھتا ہے۔ کہ مغرور لوگ اُس کی تعلیم کو ماننے اور اُس پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں تو یہ نہیں ہوگا۔ کہ وہ اپنی تعلیم کو "بیوقوفی کی منادی" یا اپنے ماننے والوں کو "کمینہ۔ حقیر اور احمق" سمجھ کر خاموش ہو جائے نہیں بلکہ وہ اپنی طاقت اور صداقت کے بھروسے پر حکمت و دانائی کی باتوں سے انکار کرنے والوں پر بیوقوف حقیر یا احمق کا فتویٰ لگائیگا اور اپنی اور اپنے ماننے والوں کی پوزیشن کو جو کہ حق و حقانیت کو لیکر ہے ہر صورت میں ڈیفینڈ کریگا۔ کیونکہ وہ بیوقوفی کا کلام نہیں ہے بلکہ:-

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ (بقرہ ۱/۱)

وہ ایسا کلام ہے۔ جس کی ہر ایک بات شک و شبہ سے مبرا اور علم و عقل۔ دلیل و برہان تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے۔ اور اسکی تعلیم

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ۔ (بقرہ ۲۳/۲)

ہر ملک۔ ہر طبقہ۔ ہر قوم۔ اور ہر ایک نسل کے انسانوں کے لئے بلا تمیز۔ ذات پات چھوت چھات۔ اونچ نیچ۔ رنگ و روغن کے رہبری کی خاصیت اپنے اندر رکھتی ہے اور اس میں جو اصول بیان کئے گئے ہیں۔ وہ ایسی کسوٹی ہیں۔ کہ جن پر پرکھنے سے صدق و کذب کا فوراً پتہ لگ جاتا ہے۔ قرآن مجید کو ان ہی اصولوں کی صداقت اور فتح پر اسقدر یقین ہے کہ وہ ان کے ماننے والوں کو کھلے طور پر بھروسا دلاتا ہے کہ:-

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔

(آل عمران ۱۳)

اِن اصولوں کو صدق دل سے مانکر تم کو دنیا کے کسی مذہب یا سوسائٹی کے آگے شرمندہ

نہیں ہونا پڑیگا۔ نہ ہی تم کو مذہبی دنیا میں کبھی نیچا دیکھنا پڑیگا۔ بلکہ تم اس میدان میں یقیناً فتح حاصل کرو گے۔ اس میں مطلق شک نہیں۔ کہ قرآن مجید کی تعلیم نے اہل اسلام میں جو مذہبی اور مجلسی طاقت پیدا کردی ہے۔ وہ دنیا کی کسی دوسری سوسائٹی میں دیکھنے میں نہیں آتی۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔

(المائدہ۔۳)

قرآن مجید کسی قسم کے معموں اور بوجھارتوں کی کتاب نہیں ہے۔ بلکہ وہ ایک روشنی کی کتاب ہے۔ جس میں بغیر کسی قسم کے اینچ پیچ کے ہر ایک اصول کو بیان کردیا گیا ہے۔ تاکہ

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ (ابراهیم۔۱)

وہ حق و حقانیت سے بے خبر لوگوں کو جو کہ توہمات کے اندھیرے میں بھٹک رہے ہیں اس تاریکی سے نکال کر حق و حق پرستی کی روشن زمین میں لاوے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کی بڑی بھاری خوبی یہ ہے۔ کہ

نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۔ (النحل۔۱۲)

وہ دینی و دنیوی معاملات میں مکمل رہبر ہے۔ دین و دنیا کے تمام مسائل وہ صاف اور واضح الفاظ میں بیان کر دیتا ہے۔ وہ دینی معاملات میں ہماری رہبری کرتا ہے۔ وہ دنیوی معاملات میں ہمارے آرام کا باعث بنتا ہے۔ اور وہ ہمارے سامنے سے شک و شبہات کے تمام پردوں کو دور کرکے ہمیں اطمینان قلب سے بہرہ اندوز کرتا ہے۔ اُس کی تعلیم کسی قسم کے معموں۔ بوجھارتوں۔ خلاف از علم و عقل مسائل کو پیش نہیں کرتی۔ بلکہ اُس کی تعلیم ریشنلزم کی کسوٹی پر پوری اُترتی ہے یہاں تک وہ رسالت کا منصب مبارک بھی ایسے ہی مقدس انسانوں کے سپرد کرتا ہے جو علم و عقل یا حکمت و دانائی کے دشمن نہ ہوں۔ بلکہ وہ

يُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ

يُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ - (البقرة ۱۸)

اپنے قول وفعل سے - اپنی صحبت سے گرے ہوئے انسان کو اُٹھانے والے ہوں - جاہلوں - بیوقوفوں - احمقوں کو علم وعقل - دانائی وحکمت کی باتیں سکھانے والے ہوں - اور جن عالمگیر اصولوں کا لوگوں کو پہلے علم نہیں ہوتا یا وہ اُن کو فراموش کر چکے ہوتے ہیں - وہ اُن عالمگیر اصولوں کی تعلیم دینے والے ہوں - الغرض وہ ہر ایک دینی و دنیوی پہلو میں حق وحقانیت کے معلم ہوں - جس صورت میں کہ قرآن مجید تمام دینی و دنیوی معاملات کو حل کرنے کے لئے ہمارے سامنے علمی معیار رکھتا ہو - اور وہ کسی بات کو اندھا دھند ماننے کی تعلیم نہ دیتا ہو - اِس صورت میں رشنلسٹ کے علمی مطالبہ کا دوٹک فیصلہ ہو جاتا ہے - اور وہ قرآن پاک کی تعلیم کے سامنے سر جھکا دیتا ہے ٭

پچاسویں فصل

عقل کا تقاضا

اِس بات کا تو فیصلہ ہو چکا ہے کہ اِنسان جو اس کائنات کے مختلف شعبوں کے بارے میں کچھ نہ کچھ واقفیت یا علم حاصل کرتا ہے۔ قرآن مجید اِس کے اِس علم کو صرف یہی نہیں کہ "بیوقوفی" قرار نہیں دیتا۔ بلکہ وہ اِس کی قدر کرتا ہے۔ اور اِس کو علمی نعمت کا کماحقہ استعمال کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ جس طرح دودھ کو بلونے سے مکھن یا گھی نکالا جاتا ہے۔ اِسی طرح علم کو بلونے سے انسان میں وہ طاقت پیدا ہوتی ہے جس کو کہ عقل کہا جاتا ہے۔ جس شیر خوار بچہ کو دنیا کی چیزوں کا کوئی علم نہیں ہوا۔ اُس کو عقل بھی نہیں ملی۔ لیکن جسقدر وہ دنیا کی چیزوں کے متعلق علم حاصل کرتا جاتا ہے۔ اُسیقدر اُس کی عقل میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ علم کی پوزیشن زمین کی سی ہے۔ جس میں سے عقل کا نازک پودا پیدا ہوتا ہے۔ وہ مذہب جو علمی بنیاد پر قائم نہیں ہے۔ وہ نہ تو عقل کو پیدا کر سکتا ہے۔ نہ مذہبی امور میں عقل کو دخل دینے کی اجازت دے سکتا ہے۔ علم کا کام مختلف پُرزوں کی ماہیت کو پانا ہے۔ مگر عقل کا کام اِن تمام پرزوں کو کسی خاص ڈھنگ پر لاکر ایک مفید مشین بنا دینا ہے علم روشنی ہے۔ اِس روشنی میں بست وکشاء کا کام کرنے والی عقل ہے۔ علم ایک ہتھیار ہے۔ مگر اِس کو چلانے والی عقل ہے۔ اگر ہتھیار موجود ہے۔ لیکن اُس کو چلانے والا کوئی نہیں ہے۔ تو ہتھیار کس کام کا۔ ہتھیار کو اُلٹا یا سیدھا چلانا چلانے والے کے اختیار میں ہے۔ وہ مذہب یا وہ سوسائٹی جو علمی بُنیاد پر قائم نہیں ہے۔ یا جو تحصیل علم کی تو اجازت دیتی ہے۔ مگر وہ مذہبی امور میں عقل سے کام لینے کی تعلیم نہیں دیتی اِس کی مثال بعینہ ایسی ہی ہے۔ جیسے کہ کسی شخص کو زمین تو بخشدی جاوے۔ مگر

اُس کو اس زمین کے کاشت کرنے ۔ بونے اور غلہ کاٹنے ۔ یا اس زمین پر گھر بنانے اور رہنے سہنے کی اجازت نہ دیجاوے ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا قرآن مجید میں اس عقل کی روشنی میں جو علم کا نتیجہ ہے کام کرنے اور اس ہتھیار سے لڑنے کی اجازت ہے یا نہیں ۔ جب ہم قرآن مجید کا بغور مطالعہ کرتے ہیں ۔ تو ہمیں پتہ لگتا ہے کہ وہ ہمیں تمام دینی و دنیوی معاملات میں عقل سے کام لینے کی سخت تاکید کرتا ہے ۔ چنانچہ وہ ہمیں عقل کی باتیں بتاتا ہوا کہتا ہے کہ :۔

تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَّ
بِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِّنْ إِمْلَاقٍ ۖ
نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا
وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ ذَٰلِكُمْ
وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ
إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَ
الْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ
فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ
بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۔ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ
وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ
وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۔ (پ ۸ ۔ انعام ۔ ۱۹ ع) ۔

ادھر آؤ ۔ میں تم کو وہ باتیں سناؤں ۔ جو تمہارے خدا نے تمہارے لئے لازم کی ہیں ۔ (سنو وہ باتیں یہ ہیں) دنیا کی کسی چیز کو خدا کے برابر مت سمجھو ۔ اپنے والدین کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرو ۔ اپنی اولاد کو افلاس کے ڈر کے مارے قتل مت کرو ۔ ہم اُن کو اور تم کو رزق دیتے ہیں ۔ بے حیائی کی باتوں کے نزدیک مت جاؤ ۔ خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ ۔ کسی نفس کو بلا وجہ قتل مت کرو کیونکہ ایسا کرنا حرام ہے ۔ خدا نے تم کو ان باتوں کی ہدایت کی ہے ۔ تاکہ تم عقل سے کام لو ۔ یتیم کے مال میں دست برد مت کرو ۔ بلکہ جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے ۔ اُس کے مال کی اچھی طرح حفاظت کرو ۔ اپنے ماپوں اور تولوں کو درست

کرو۔ خدا کسی وجود پر اُس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ اگر تم کو شہادت دینی پڑے تو خواہ اپنا رشتہ دار بھی کیوں نہ ہو۔ ہمیشہ سچ بولو۔ اور تم خدا کے نام پر جو وعدہ کر لو۔ اُس کو پورا کرو۔ خدا نے اِن باتوں کی ہدایت کی ہے۔ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ یہی خدا کا راستہ ہے۔ اِسی پر چلو۔ اِس اصول کو نظر انداز کر کے اگر تم فروعات میں پڑو گے۔ تو تم خدا کے راستے سے بھٹک کر پھوٹ اور نفاق کا شکار ہو جاؤ گے۔ خدا تم کو اسی اصول پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے۔ تاکہ تم ہلاکت سے بچو''۔

قرآن مجید نے مذکورہ بالا آیتوں میں نہ صرف دینی اور دنیوی معاملات کا پکچر پیش کر دیا ہے۔ بلکہ اُس کی یہ تعلیم ایسی عالمگیر سپرٹ سے معمور ہے جو ہر ملک۔ ہر زمانہ اور ہر ایک قوم کے نزدیک علم و عقل کے مطابق ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے کہ:۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ۔ (پ۱۸ - النور - ع۸)

اے لوگو! تم کھان پان یا چھوت چھات کے جھگڑوں میں مت پڑو۔ یہ تمہاری اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ کہ اگر تمہارا دل دوسروں کے ساتھ مل کر کھانا کھانے کو کرے۔ تو تم مل کر کھا لیا کرو۔ لیکن اگر تم دوسروں کے ساتھ مل کر کھانا پسند نہ کرو۔ تو تم الگ الگ بیٹھ کر کھا لیا کرو۔ اسمیں دھرم ادھرم یا گناہ کی کوئی بات نہیں ہے۔ جب تم کسی کے گھر جاؤ۔ تو یوں ہی اندر مت گھس جایا کرو۔ بلکہ تم کو چاہئے کہ پہلے گھر والوں پر سلام (سلامتی کی دعا) کیا کرو۔ اِس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر گھر میں کوئی موجود ہوگا۔ تب وہ تمہارے سلام کا تم کو جواب دیگا۔ اگر تمہارے سلام کا جواب نہیں ملتا تو سمجھ لو۔ کہ یا تو گھر میں کوئی موجود نہیں ہے۔ یا اگر موجود ہے تو اُس کے حالات اُس کو اجازت نہیں دیتے۔ کہ وہ اِس وقت تم سے مل سکے۔ بس اِس سے تم اپنے لئے نتیجہ نکال لو گے۔ کہ تم کو واپس لوٹ جانا چاہئے۔ یہ تعلیم

تم کو اسلئے دی جاتی ہے۔ تاکہ تم عقل سے کام لو۔ اور آپس کی اُن بدمزگیوں۔ یا خرابیوں سے بچ سکو۔ جو جہالت یا نادانی کی وجہ سے کسی کے گھر میں بلا اجازت یا چُپ چاپ گھُس جانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ اِسی طرح قرآن مجید انسانی پیدایش کے متعلق ہمیں علم و عقل کی بنا پر تعلیم دیتا ہے کہ :۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۔ (پ ۲۴۔ المؤمن۔ ع ۷)

اِس دنیا اور دنیا والوں کا خالق خداوند قدوس ہے۔ وہی ایسی ذات پاک ہے جو زمین سے نباتات کو پیدا کرتا ہے۔ وہی ذات پاک اپنی قدرت کاملہ سے اسی اناج یا نباتات سے نطفہ پیدا کرتا ہے۔ وہی ذات پاک اِس نطفہ کو ماں کے رحم میں علقہ کی شکل میں لاتا ہے۔ وہی ذات پاک اِس علقہ کو مختلف مدارج کے اندر سے گزار کر بچے کی شکل میں لاتا ہے۔ وہی ذات پاک اُس اندھیری کوٹھڑی سے اُس بچے کو باہر لاتا ہے۔ وہی اُس کو ماں کا دودھ اور دنیا کی دیگر نعمتوں سے پرورش ہونے کا سامان دیکر جوان کرتا ہے۔ وہی ذات پاک جوانی کے بعد بڑھاپا لاتا ہے۔ بعض جوانی میں ہی مرجاتے ہیں۔ اور بعض پوری عمر بھوگتے ہیں۔ یہ تمام واقعات ایسے ہیں کہ جن کے متعلق عقل سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید نے اِن آیتوں میں انسانی پیدایش کا جو ذکر کیا ہے وہ بالکل کھلے واقعات ہیں۔ ایسے کھلے واقعات پر غور کرنے اور عقل سے کام لینے کے لئے قرآن مجید نے ہمیں تاکید کی ہے۔ تاکہ ہم زیادہ سے زیادہ خدا کی قدرتِ کاملہ اور حکمت بالغہ کو سمجھ کر اُس کے سامنے سربسجود ہو سکیں۔ موجودہ دنیا اور آنے والی دنیا کے متعلق قرآن پاک بتاتا ہے کہ :۔

وَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۔ (پ ۲۰۔ القصص۔ ع ۶)

وہ لوگ جو روح کو محض کیمیائی فعل مانتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں عیش د

عشرت کر لینا۔ اور دنیا کے سامانوں سے فائدہ اُٹھا لینا یا کھاؤ۔ پیو۔ موج کرو پر عمل کرتے رہنا ہی سب کچھ ہے۔ اُن کے نزدیک جب جسم نہیں ہوگا تب روح بھی نہیں ہوگی۔ پس اسی دنیا اور اسی زندگی پر سب کچھ ختم ہے۔ مگر یہ اُنکی بیوقوفی ہے۔ وہ حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ حالانکہ جس قدر نعمتیں خدا نے ہم کو اس دنیا میں دی ہیں۔ وہ اِن نعمتوں کے مقابلہ میں جو وہ ہمیں آنے والی زندگی میں دیگا۔ کچھ وقعت نہیں رکھتیں۔ اسلئے کہ ہم صریحًا دیکھ رہے ہیں۔ کہ اُس نے ہم کو ماں کے پیٹ میں جو کھانا۔ پانی۔ ہوا وغیرہ نعمتیں دی تھیں۔ وہ موجودہ دُنیا کی نعمتوں کے سامنے بالکل ہیچ تھیں۔ جب اُس نے ماں کے پیٹ سے بڑھ کر ہم کو اس دنیا میں زندگی اور زندگی کے سامانوں سے بہرہ اندوز کیا ہے۔ تو کیا وہ اِس دنیا کی زندگی اور اِس کے سامانوں سے کہیں بڑھکر ہم آنے والی زندگی کی خوشیوں سے بہرہ اندوز نہیں کریگا۔ قرآنِ پاک اِس کا دوسری جگہ جواب دیتا ہے کہ :-

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ۭ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطٰمًا ۭ وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۙ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ (پ ۲۷ - الحدید - ع ۳)

اے لوگو! اس بات کو ذہن نشین کر لو۔ کہ دنیا کی موجودہ زندگی کوئی اصلی زندگی نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو محض ایک قسم کا کھیل تماشا اور باہر کی ٹیپ ٹاپ ہے۔ اسی ٹیپ ٹاپ کو لیکر تم ایک دوسرے پر فخر کرتے ہو۔ اور تم اپنی دولت اور اولاد کی کثرت پر اکڑتے پھرتے ہو۔ مگر تمہارے اس فخر اور گھمنڈ کی مثال

ایسی ہے۔ جیسے وقت پر بارش ہونے سے کسان کھیتوں میں اناج بوتا ہے۔ اور جب اناج کے کھیت لہلہانے لگتے ہیں۔ تو کسان اُن کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ مگر ناگہاں ایسی ہوا چلتی ہے۔ کہ وہی کھیتی جو ابھی لہلہا رہی تھی پیلی پڑ جاتی ہے اور رفتہ رفتہ سوکھ کر کانٹا ہو جاتی ہے۔ کسان کی تمام خوشیاں خاک میں مل جاتی ہیں۔ یہی حالت اُن لوگوں کی ہو جاتی ہے۔ جو دنیا کے مال و متاع پر۔ اور اولاد کی کثرت پر خوشیاں مناتے اور فخر کرتے ہیں۔ کیونکہ اُن کی تمام خوشی اس مال و متاع کے چھن جانے پر یا اولاد کے مر جانے پر خاک میں مل جاتی ہے اور اس طرح اُن کا مال و متاع یا اُن کی اولاد آخر کار اُن کے حق میں بجائے خوشی کے سخت مصیبت اور عذاب کا باعث ہو جاتے ہیں۔ پس لازمی اور ضروری ہے کہ دنیا کی چیزوں میں دل لگانے کی بجائے خداوند قدوس کی خوشنودی کو ڈھونڈا جاوے۔ اسلئے کہ دنیا کی خوشیاں چند روزہ ہیں۔ وہ لوگ جو اس حقیقت کو جان کر خداوند قدوس اور اُس کے برگزیدہ بندوں کی نزدیکی ڈھونڈتے ہیں اُن کے لئے موجودہ دنیا مع اپنی تمام خوشیوں کے آنے والی دنیا کی خوشیوں کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہو جاتی ہے۔ آنے والی دنیا جس میں ہم اس دنیا کو عبور کر کے داخل ہونے والے ہیں۔ موجودہ دُنیا سے بہت وسیع اور اُس کے سامان موجودہ دنیا کے سامانوں سے بہت زیادہ راحت بخش ہونگے۔ اسلئے کہ

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ (پ۲۷۔ الحدید ع۲)

وہ خداوند قدوس جو ہماری آنکھوں کے سامنے اس زمین کو زندگی اور زندگی کے سامانوں سے معمور کر رہا ہے اُس کی یہ قدرت موجودہ زندگی اور زندگی کے سامانوں کے ساتھ ہی ختم ہو جانے والی نہیں ہے۔ بلکہ اگر ہم عقل سے کام لیکر ان تمام واقعات پر غور کریں تو ہم کو پتہ لگ سکتا ہے کہ زندگی کا یہ سلسلہ ایک بہتر طریقہ پر آیندہ بھی جاری رہیگا۔ قرآن مجید اس حقیقت کو سوال و جواب کے پیرایہ میں ادا کرتا ہے:۔

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ

يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اَفَلَا
تَعْقِلُوْنَ - (پ ۱۸ - مؤمنون) +

قرآن پاک دعوی کرتا ہے - کہ جس ذات پاک نے تم کو اس زمین پر پیدا کیا ہے وہی ذات پاک تم کو مرنے کے بعد بھی زندہ کریگا - کیونکہ جب تم صریحًا دیکھتے ہو کہ وہ رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات لاتا ہے تو کیا تم کو اسقدر بھی عقل نہیں ہے - کہ تم اس بات کو سمجھ سکو - کہ مرنے کے بعد تمہارا کیا حشر ہوگا - مگر منکر جواب دیتا ہے کہ :-

قَالُوْٓا اِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ○ لَقَدْ
وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ ○

کیا جب ہم مرجائینگے - اور بالکل مٹی ہوجائینگے - ہماری ہڈیاں بھی پراگندہ ہو جائینگی - کیا یہ ممکن ہے کہ اس صورت میں ہم جسم کے ساتھ اٹھائے جائیں ہم سے پہلے لوگوں کو اور ہمارے آباؤ اجداد کو بھی یہی کہا جاتا تھا مگر یہ محض گپ ہے :-

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○

ایسے لوگوں کو کہو - کہ ذرا علم و عقل سے کام لیکر یہ تو بتاؤ کہ یہ زمین اور زمین والے کس قدرت کے ماتحت ہیں - تو وہ یہی جواب دینگے - کہ خدا کی قدرت کے مطیع ہیں - اب تم ان سے پوچھو - کہ جب یہ حالت ہے - تو پھر تم اسی سے دوسرا نتیجہ بھی کیوں نہیں نکال لیتے ہو - اس مضمون کو قرآن مجید نے دوسری جگہ یوں بیان کیا ہے :-

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا
جَدِيْدًا - قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ
فِيْ صُدُوْرِكُمْ - فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا - قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ
اَوَّلَ مَرَّةٍ - فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ

مِتّیٰ ھُوَ۔ قُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَرِیْبًا یَوْمَ یَدْعُوْکُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِہٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا۔

(پ ۱۵ - ع ۱۲) +

وہ لوگ جو روح کو ایک کیمیائی فعل کا نتیجہ مانتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ روح جسم کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ جس وقت ہماری ایک ایک ہڈی الگ الگ ہو جائیگی اور ہم سڑ گل کر ریزہ ریزہ ہو جائینگے۔ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ اس صورت میں ہم ایک بالکل نئے لطیف جسم کے ساتھ قائم رہیں۔ ایسے لوگوں کو سُنا دو۔ کہ خواہ تم پتھر اور لوہے کے ذروں میں بھی تبدیل ہو جاؤ۔ یا تم اپنے آپ کو ایسی حالت میں پہنچا ہوا بھی مان لو کہ جو تمہارے نزدیک قطعی ناممکن ہے۔ تو بھی تمہاری شخصیت قائم رہیگی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو ایسا جسم کون دیگا۔ اُن سے کہدو کہ جس خداوند قدوس نے تم کو موجودہ کثیف جسم دیا ہے۔ وہی تم کو ایک لطیف جسم کے ساتھ زندہ رکھیگا۔ یہ سُن کر وہ لاجواب ہو کر اپنے سر کو ہلا کر کہتے ہیں۔ کہ اچھا ہم نے مانا۔ کہ ایسا ہوگا۔ لیکن یہ تو بتاؤ۔ کہ ایسا کب ہوگا۔ اُن سے کہدو۔ کہ ممکن ہے۔ کہ ایسا جلدی ہی ہو جائے۔ روح کے جسم الگ ہونے کے بعد جب وہ اپنے آپ کو ایک لطیف جسم کے ساتھ زندہ دیکھینگے۔ تو وہ خداوند قدوس کی تقدیس کرینگے۔ اور خیال کرینگے۔ کہ ہم نے دنیا میں جو کثیف جسم کے ساتھ زندگی بسر کی تھی۔ وہ اِس لطیف جسم کی زندگی کے مقابلہ میں بالکل ہیچ تھی" +

اِن اقتباسات سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید عقل سے کام لینے کی خاص تاکید کرتا ہے۔ نہ صرف اِن ہی مقامات پر بلکہ قرآن مجید میں درجنوں جگہ عقل سے اپیل کی گئی ہے۔ اِن میں سے چند مقامات مفصلہ ذیل ہیں:۔

(۱)

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (بقرۃ - ۵ - ۵) +

تم دوسروں کو تو کہتے ہو۔ کہ اچھے کام کیا کرو۔ مگر تم آپ اس پر عمل نہیں کرتے ہو۔ اور تم کتاب کا بھی مطالعہ کرتے رہتے ہو۔ مگر نہیں معلوم تم عقل سے کام نہیں لیتے ہو"+

(۲)

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَالْفُلْکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا وَبَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ○ (بقرۃ - ۲۰) +

"زمین و آسمان کی پیدائش کیونکر ہوئی۔ دن اور رات کے اختلاف کا کیا باعث ہے سمندروں میں تجارت کی خاطر جہازوں کے چلنے میں کیا فوائد ہیں۔ بادلوں سے مینہ کیسے برستا ہے۔ اور اس سے مردہ زمین کیونکر زندہ ہو جاتی ہے۔ زمین پر جو مختلف قسم کے چرند و پرند پھر رہے ہیں۔ وہ کس مطلب کے لئے ہیں۔ مختلف موسموں میں جو ہوا کا رخ بدلتا رہتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ زمین اور آسمان کے درمیان جو بھاری بھاری بادل معلق رہتے ہیں۔ یہ کیوں ہیں۔ یہ تمام سوالات ایسے ہیں۔ جو ان لوگوں پر جو عقل سے کام لیکر ان سوالات کو حل کرتے ہیں۔ خدا کی قدرت کا انکشاف کرنے کے بغیر نہیں رہ سکتے +

(۳)

وَمَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ط صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ فَھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○

(پ ۲ - بقرۃ ۲۱)

وہ لوگ جو خدا کے منکر ہیں۔ اور بت پرستی کرتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص ایسی چیز کے پیچھے پڑا چلا رہا ہو۔ جو نہ اس کی آواز کو سنتی ہے نہ اس کی دعاؤں کا نہ اس کے چیخنے چلانے کا کچھ جواب دیتی ہے۔ بلکہ جس طرح وہ بت نہ سنتا ہے۔ نہ بولتا ہے۔ نہ دیکھتا ہے۔ اسی طرح بت پرستوں کی

حالت سمجھو۔ جو بت پرستی کرتے وقت عقل سے ذرا بھی کام نہیں لیتے +

(۴)

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ۔ (پ۲۔ بقرۃ۔ ۲۱ع) +

جب بت پرستوں سے کہا جاتا ہے کہ بت پرستی چھوڑ دو۔ خدا نے جو تعلیم تمہارے لئے نازل کی ہے۔ اُسپر چلو۔ تو وہ جواب دیتے ہیں۔ کہ ہم تو بت پرستی چھوڑنے کے نہیں۔ کیونکہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے بت پرستی وراثت میں حاصل کی ہے۔ ہم تو اُن کی ہی تقلید کرینگے۔ کیا خوب! حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اُن کے آباؤ اجداد عقل سے محض کورے تھے۔ کیونکہ اگر وہ عقل سے کام لینے والے ہوتے۔ تو وہ پتھروں کو پوجنے کی بجائے خدا کی پرستش کرتے۔ اور اس طرح راہِ راست پر چلتے +

(۵)

وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ ۝ (پ۶۔ مائدہ۔ ۹ع) +

اور جب اِن کافروں کو تم لوگ خدا کی عبادت کے لئے بلاتے ہو۔ تو یہ اُسپر ہنسی اُڑاتے ہیں۔ اور اُس کو محض ایک کھیل بناتے ہیں۔ وہ ایسا اسلئے کرتے کیونکہ وہ خدا کی عبادت کی فلاسفی کو نہیں سمجھتے۔ اگر وہ عقل سے کام لیتے تو وہ اُس پر ہنسی مخول نہ کرتے +

(۶)

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَّلَا سَائِبَةٍ وَّلَا وَصِيلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝ (پ۷۔ مائدہ۔ ۱۴ع)

بت پرست کافر خدا پر یہ الزام لگاتے ہیں۔ کہ اُس نے ہی اُن کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ بتوں کے نام پر بحیرہ یا کن چھٹی اونٹنی اور سائبہ یا سانڈ اور وصیلہ جرنے

اور پر تلے دو ماہ بچے دیے ہوں - اور حام یا شتر نر چھوڑ دیے جائیں - جن کو کوئی نہ پکڑے نہ کام میں لائے - کیونکہ وہ بتوں کے سانڈ اور سانڈنیاں ہیں - کیا خوب! یہ اِن بت پرستوں کا خدا کے نام پر سفید جھوٹ تھوپنا ہے - حالانکہ اگر وہ عقل سے کام لینے والے ہوتے تو اُن کو فوراً معلوم ہو جاتا - کہ خدا ایسی لغو باتوں کی تعلیم نہیں دیتا +

(۷)

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (پ۹ - انفال ع۳) +

حقیقت تو یہ ہے کہ وہ لوگ جو عقل سے کام نہیں لیتے - وہ گویا خدا کے نزدیک بدترین حیوان ہیں - وہ نہ حق و حقانیت کی باتوں کو سنتے ہیں - نہ حق و حقانیت کا اظہار کرتے ہیں +

(۸)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ط اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ (پ۱۱ - یونس - ع۵) +

یہ ممکن ہے کہ ایسے لوگوں میں سے بعض تمہاری باتوں کو سننا بھی چاہتے ہوں - مگر آفت تو یہ ہے - کہ جب تک یہ لوگ عقل سے کام نہیں لینگے - تب تک یہ تمہاری باتوں کو سن کر بھی اُن سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے +

(۹)

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ - (پ۱۱ - یونس ع۱۰)

حقیقت تو یہ ہے - کہ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے - خدا اُن پر ذلت نازل کرتا ہے +

(۱۰)

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ
زَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ
وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اِنَّ فِيْ

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (پ۱۳ - رعد - ۱۳ع) +

دیکھو! ایک ہی زمین ہے - اور ایک ہی زمین کے مختلف ٹکڑے ہیں - مگر کیا وجہ ہے - کہ اسی زمین میں سے ایک طرف تو انگور پیدا ہو رہے ہیں - دوسری طرف اسی زمین میں سے کھجوروں کے درخت اُگ رہے ہیں - اُن میں سے بعض دوشاخے ہیں - اور بعض دوشاخے نہیں - اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ حالانکہ ایک ہی زمین ہے اور ایک ہی پانی سے وہ سیراب ہوتے ہیں - مگر پھر بھی اُن کا پھل یکساں نہیں - بلکہ ایک سے دوسرے کا ذائقہ الگ اور اعلیٰ ہے - جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں - اُن کے لئے یہی بات خدا کی قدرت کو تسلیم کرنے کے لئے کافی نشان ہے +

(۱۱)

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌ بِاَمْرِهٖ ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ -

(پ۱۴ - النحل - ۲ع) +

اے لوگو! غور کرو - کس ذاتِ پاک نے یہ قانون باندھا ہے - کہ رات کے بعد دِن اور دِن کے بعد رات ایک مقررہ طریقہ پر آئے - کس قانون کے ذریعہ سورج اور چاند اپنے اپنے راستوں پر چل رہے ہیں - کس قانون کے ذریعہ تمام ستارے گردش رہے ہیں - وہ کونسا قانون ہے کہ جس سے جکڑے جا کر وہ ایک دوسرے سے ٹکرانے نہیں پلتے - حقیقت یہ ہے - کہ وہ لوگ جو عقل سے کام لیتے ہیں - اُن کے لئے رات اور دِن - سورج - اور چاند - اور ستاروں کا ایک خاص قانون کے ماتحت چلنا اس قانون کے مقنن کی ہستی کا بہت بڑا ثبوت ہے +

(۱۲)

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ط نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ط اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ (پ ۱۴ - النحل - ع ۹) +

اے لوگو! یہ تمہارے ارگرد چارپائے ہیں۔ ذرا ان کے متعلق ہی غور کرو۔ دیکھو یہ گھاس پات کھاتے ہیں۔ جو ان کے پیٹ میں گوبر اور خون بن جاتا ہے۔ مگر اسی گوبر اور خون کے علاوہ ان کے پیٹ میں ایک ایسی چیز بھی تیار ہو جاتی ہے جس کو کہ خالص دودھ کہا جاتا ہے۔ جو پینے والوں کو خوب مزہ دیتا ہے۔ بتاؤ! یہ خالص دودھ کون پیدا کرتا ہے؟ اور دیکھو! تمہارے اردگرد ہی کھجور اور انگور کے درخت ہیں۔ جب تم اُن کے تازہ پھل کھاتے ہو۔ تو وہ تمہارے لئے بہترین خوراک ثابت ہوتے ہیں۔ مگر جب ان ہی پھلوں کو سڑا گلا کر تم شراب بنا لیتے ہو۔ تو یہی پھل تمہاری عقل کو زائل اور جسم کو تباہ کر دینے کا باعث بن جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ وہ لوگ جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ اُن کے لئے یہ تمام سوالات بڑے معرکہ کے سوالات ہیں +

(۱۳)

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَکْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ط اِنْ هُمْ اِلَّا کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝ (پ ۱۹ - فرقان - ع ۴)

کثرت سے وہ لوگ جو نہ سچی باتوں کو سنتے ہیں۔ اور نہ عقل سے کام لیتے ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ وہ انسان ہیں؟ ہرگز نہیں وہ انسان نہیں۔ بلکہ حیوان ہیں بلکہ حیوانوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ حیوان کو تو ڈنڈا مار کر یا لگام اور نکیل کے ذریعہ سیدھے راستے پر چلایا جا سکتا ہے۔ مگر علم و عقل کے دشمن ایسے اڑیل ہوتے ہیں۔ کہ ڈنڈے اور لگام سے بھی سیدھے نہیں ہوتے +

(۱۴)

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ط قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ط بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ وَمَا هٰذِهِ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ط وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝ (پ ۲۱ - الروم - ع ۷) +

اگر تم لوگوں سے یہ پوچھو گے۔ کہ بادلوں سے مینہ کون برساتا ہے۔ اور کون مُردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔ تو یقیناً وہ یہی جواب دینگے۔ کہ خدا ہی ایسا کرتا ہے۔ شکر کا مقام ہے۔ کہ وہ اتنا تو مانتے ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ان میں زیادہ تر ایسے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ اگر وہ عقل سے کام لینے والے ہوتے تو اُن کو فوراً معلوم ہو جاتا کہ یہ دُنیا محض کھیل تماشا ہے۔ اور اس کے بعد جو زندگی ملنے والی ہے۔ وہی اصلی زندگی ہے۔ کاش لوگ اس حقیقت کو جانتے

(۱۵)

تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَّقُلُوبُهُمْ شَتّٰى ط ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ۝ (پ ۲۸ - الحشر - ع ۲)

وہ لوگ جو علم و عقل سے کام نہیں لیتے۔ وہ خواہ تعداد میں تم کو کتنے ہی زیادہ نظر آئیں۔ مگر پھر بھی وہ بزدل ہوا کرتے ہیں۔ اور وہ مغلوب ہو جایا کرتے ہیں

(۱۶)

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ط حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

(پ ۲ - البقرۃ - ع ۳)

دیکھو! اگر تم کسی عورت کو طلاق دو۔ تو اُس کو ذلیل کر کے بے سرو سامانی کی حالت میں گھر سے مت نکالو۔ کیونکہ تم نے اُس کے ساتھ بطور شریف آدمی کے شادی کی تھی۔ تمہاری شرافت اس بات کی مقتضی ہے۔ کہ تم اُس سے قطع تعلق کرتے وقت روپیہ پیسہ۔ کھانے پینے یا کپڑے لتے وغیرہ سے اُس کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ خدا تمہیں کھلے طور پر اپنے احکام سُناتا ہے۔ تاکہ تم ایسے تمام معاملات میں عقل سے کام لیا کرو۔

(۱۷)

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (پ۳ - ال عمران - ع۷)

اہل کتاب سے کہدو۔ کہ آؤ جو باتیں ہم میں اور تم میں یکساں ہیں اُن پر اتفاق کریں۔ یعنی ہم خدا کے سوائے کسی دوسرے کی پرستش نہ کریں۔ اور نہ ہی اُس کے ساتھ کسی کو شریک کریں۔ اور نہ ہی ہم اپنے جیسے اِنسانوں میں سے کسی اِنسان کو اپنا خدا مانیں۔ پس اگر وہ (اہل کتاب) اِس بات کو ماننے سے اِنکار کردیں۔ تو اُن سے برملا کہدو۔ کہ ہم تمہاری طرح نصرانی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہم ایک ہی خدا کے پرستار یا مسلم ہیں۔ نہ کہ تین خداؤں کے۔ اہل کتاب سے جو یہ بحث کرتے ہیں۔ کہ ابراہیم یہودی یا نصرانی تھا۔ یہ بھی کہدو۔ کہ یہ اُن کی بحث ہی سراسر نامعقول ہے۔ کیونکہ یہودی مذہب کی بنیاد توریت پر اور نصرانی مذہب کی بنیاد انجیل پر ہے۔ مگر ابراہیم کے زمانہ میں نہ توریت تھی نہ انجیل۔ تو وہ یہودی یا نصرانی کیونکر ہوا۔ یہ تو ایک موٹی سی بات ہے۔ مگر جو عقل سے کام نہیں لیتے۔ وہ اِس موٹی سی بات کو بھی نہیں سمجھ سکتے ۔

(۱۸)

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (پ۷ - انعام - ع۴)

اے لوگو! تم اپنی عقل سے کیوں کام نہیں لیتے ہو۔ دیکھو جس زندگی پر تم اِسقدر گھمنڈ کرتے ہو۔ وہ محض کھیل تماشا ہے۔ حالانکہ جس آنے والی زندگی کی طرف سے تم لاپرواہ ہو۔ وہی اصلی زندگی ہے۔ اور وہ موجودہ زندگی سے بہتر ہوگی۔ مگر اُن لوگوں کے لئے جو اِس زندگی میں پاک وصاف رہتے ہیں ۔

(۱۸)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (پ۲ - بقرۃ - ۲۷) ۔

تم سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں۔ کہ خدا کی راہ میں کسقدر خرچ کرنا چاہیئے۔ اس سوال کا جواب یہ ہے۔ کہ جسقدر تمہاری ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد بچ رہے اُسکو تم خدا کی راہ میں خرچ کر سکتے ہو۔ خدا تمام باتیں تم پر کھول کر بیان کر رہا ہے تاکہ تم خود بھی سوچ سمجھ سے کام لیا کرو +

(۲۰)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ۔ (پ۴۔ ال عمران۔ ع۲۰)

آسمان اور زمین میں جسقدر مخلوقات بھری پڑی ہے اور رات اور دن میں جسقدر مختلف واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ عقلمند لوگ اُن کے ذریعہ خدا کی قدرت کا ثبوت پاتے ہیں +

(۲۱)

فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ۔ (پ۹۔ الاعراف۔ ع۲۲)

لوگوں کو تواریخ کی باتیں سناؤ تاکہ وہ عقل و فکر سے کام لیا کریں +

(۲۲)

کَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۔

(پ۱۱۔ یونس۔ ع۳)

ہم جو قرآن مجید کی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کر رہے ہیں۔ اس سے وہی لوگ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ جو سوچ سمجھ اور عقل و فکر سے کام لیتے ہیں +

(۲۳)

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ۝ ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ۔ (پ۱۴۔ النحل۔ ع۹)

غور کرو! شہد کی مکھی کا۔ پہاڑوں، درختوں۔ گھروں کی چھتوں میں ایسی عجیب و غریب لیاقت سے گھر بنانا کہ جس کو دیکھ کر بڑے بڑے مہندسوں کی

کی عقل چکر کھا جاتی ہے۔ سوچو! اِس چھوٹے سے کیڑے نے یہ کاریگری کس سے سیکھی۔ اور پھر اِس کا مختلف پھل پھول والے درختوں میں سے رس چوستے پھرنا۔ اور دور دراز کے سفر کے باوجود اپنے گھر کو نہ بھولنا کس کی عقل کی بدولت ہے؟ اور پھر اُس کے پیٹ کے ایک خانہ میں مختلف رنگوں کے شہد کا تیار ہونا اور اِس شہد میں لوگوں کی مختلف بیماریوں کے دور کرنے کی خاصیت کا موجود ہونا کس کی قدرت سے ہے؟ یقیناً اِس چھوٹے سے کیڑے کی یہ تمام کاریگری اُس کی لیاقت وخوبی اور اُس کی عقل محض خداداد ہے۔ وہ لوگ جو سوچ سمجھ اور علم وعقل سے کام لینے والے ہوتے ہیں۔ وہ شہد کی مکھی سے بھی بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں +

(۲۴)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۝ وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (پ۲۱۔ الروم۔ ۳ع) +

اے لوگو! دیکھو۔ یہ کس قدر بڑی قدرت خدا ہے۔ کہ انسانی نطفہ کی جڑ نباتات کی وساطت سے مٹی ہے۔ اُسی مٹی سے پیدا شدہ نطفہ سے تمہارے جیسے جوانِ رعنا مرد پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی اُسی کی قدرت ہے۔ کہ وہ تمہاری جنس میں سے تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کرتا ہے۔ جو تمہاری راحت کا باعث ہوتی ہیں۔ یہ اُسی کی قدرت ہے کہ مرد اور عورت ایک دوسرے کے لئے کشش محسوس کرتے ہیں۔ جو بقاءِ نسل کا موجب ہوتی ہے۔ وہ لوگ جو عقل وفکر سے کام لیتے ہیں۔ اُن کے لئے یہ تمام باتیں خدا کی قدرت کا کافی ثبوت ہیں +

(۲۵)

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

(پ۲۵۔ الجاثیۃ۔ ۲ع) +

اے لوگو! کیا تم نہیں دیکھتے ہو۔ کہ خداوند قدوس نے زمین اور آسمان

کی تمام چیزوں کو اپنے قوانین میں ایسا جکڑ رکھا ہے۔ کہ تم اُن سب سے فائدہ اُٹھا رہے ہو۔ اتنی سی بات میں ہی سوچنے سمجھنے اور علم و عقل سے کام لینے والوں کے لئے کافی مصالحہ موجود ہے +

مذکورہ بالا تمام آیتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید نے جا بجا علم و عقل سے اپیل کی ہے۔ اور تمام معاملات میں سوچ۔ سمجھ سے کام لینے کی تعلیم دی ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ قرآن مجید خود اپنے بارے میں بھی کہتا ہے کہ:۔

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔

(پ۲۶ - محمد - ع۳) +

وہ لوگ جو قرآن مجید کی آیتوں کا علم و عقل کی روشنی میں مطالعہ نہیں کرتے اُن کے دِل حق و حقانیت کے نور سے منور نہیں ہو سکتے۔ نہ ہی اُن کے دلوں پر سے جہالت تعصب۔ ہٹ دھرمی۔ تنگ ظرفی اور شرارت کا قفل ٹوٹ سکتا ہے۔ پس جس صورت میں کہ قرآن مجید اپنے متعلق بھی یہی حکم دیتا ہو کہ اِس کا علم و عقل کی روشنی میں مطالعہ کیا جاوے۔ تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ دین دنیا کے دیگر مسائل کو اندھا دھند مان لینے کی تعلیم دے۔ اِس تمام بیان سے اِس بات کا فیصلہ ہو گیا۔ کہ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ اِسلام نے مذہب میں عقل کو دخل دینے کی اجازت نہیں دی وہ محض بکتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ اِس کے بالکل برعکس ہے یعنی قرآن مجید نے مذہب کی بنیاد ہی علم و عقل پر رکھی ہے۔ یہاں تک کہ لفظِ اسلام کے معنی ہی اُن باتوں کو تسلیم کرنا ہے جو علم و عقل کے مطابق ہوں۔ پس ریشنلزم جو مذہبی معاملات میں علم و عقل کا مطالبہ کرتا ہے۔ اِسلام اُس کے اِس مطالبہ کو کماحقہ پورا کر دیتا ہے +

اِکاونویں فصل

دَلیل وبُرہان

اِس بات کا ثبوت مِل چکا ہے۔ کہ قرآن مجید نے مذہب کی بنیاد علم وعقل پر رکھی ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ وہ مذہبی معاملات میں اِسی علم وعقل کے ذریعہ ہمیں دلیل وبرہان سے کام لینے کی اجازت بھی دیتا ہے یا نہیں۔ جس طرح علم کا نتیجہ عقل ہے۔ اِسی طرح علم وعقل کا نتیجہ دلیل وبُرہان ہے۔ اگر کوئی مذہب اپنے مسائل میں علم وعقل کو تو دخل دینے کی اجازت دیتا ہو۔ مگر وہ دلیل وبُرہان کو برداشت نہ کر سکتا ہو۔ تو وہ مذہب حق وحقانیت پر مبنی نہیں کہا جا سکتا۔ نہ ہی وہ مفید ہوا کرتا ہے۔ جو قرآن مجید اسلام کی بنیاد علم وعقل پر بتاتا ہے دیکھنا چاہیئے کہ وہ مذہبی مسائل میں کس قسم کے دلائل اور براہین سے کام لینے کی تعلیم دیتا ہے۔ آیا وہ محض کٹ حجتی سکھاتا ہے۔ یا دلیلِ محکم وبُرہانِ قاطع کا سبق پڑھاتا ہے۔ اِس کے متعلق وہ ایک مثال دیتا ہے کہ:۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰکِفُوْنَ ۝

حضرت ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے پوچھا کہ جن خود ساختہ بُتوں کے سامنے تم گھٹنے ٹیک کر دُعائیں مانگ رہے ہو۔ ذرا مجھے بھی تو اس بُت پرستی کی فلاسفی سمجھاؤ۔ کہ آخر اِس کی حقیقت کیا ہے۔ اور یہ معاملہ کیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیم نے بت پرستوں سے علمی وعقلی بنا پر یہ ایک سوال کیا تھا۔ مگر بت پرستوں نے بت پرستی کی فلاسفی بیان کرنے میں جس قسم کی دلیل سے کام لیا۔ وہ یہ تھی:۔

قَالُوْا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عٰبِدِیْنَ۔ (پ۱۷۔ الانبیاء۔ ع۵) +

اُنہوں نے جواب دیا۔ کہ ہم بت پرستی کے حق میں اس سے بڑھکر اور کوئی دلیل نہیں دے سکتے کہ یہ ہمارا سناتن دھرم ہے۔ ہمارے باپ دادا سب ہی بت پرست تھے۔ بت پرستوں کا یہ جواب کوئی تسلی بخش جواب نہیں تھا۔ اُن کے اس لچر جواب کو سُن کر حضرت ابراہیم فرماتے ہیں :-

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ٥

(پ۱۷۔ الانبیاء۔ ع۵) +

تمہارا یہ کہدینا کہ چونکہ تمہارے باپ دادا بھی بت پرست تھے۔ اس لئے تمہارا بُت پرستی کرنا ٹھیک ہے۔ کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس کا کیا ثبوت کہ تمہارے باپ دادا بھی غلطی پر نہیں تھے؟ یہ ظاہر ہے کہ بت پرست لوگ حضرت ابراہیم کے سامنے بُت پرستی کے حق میں کوئی علمی یا عقلی دلیل پیش نہیں کر سکتے تھے۔ نہ ہی وہ اپنے اس فعل کو حق و حقانیت پر مبنی فعل ثابت کر سکتے تھے۔ اگر اُنہوں نے دلیل دی تو صرف اتنی کہ یہ ہمارا سناتن دھرم ہے۔ جب حضرت ابراہیم نے اُن کے اس جواب پر جرح کی۔ تو وہ لاجواب ہو گئے۔ اب وہ حضرت ابراہیم سے پوچھتے ہیں +

قَالُوْا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ۔

کہ ہم تو بت پرستی کے حق میں کوئی علمی و عقلی دلیل نہیں دے سکتے۔ مان لو۔ کہ ہمارا یہ فعل عبث ہے۔ لیکن اب تم بتاؤ کہ ہمیں کرنا کیا چاہئے۔ تم کہتے ہو۔ کہ بت پرستی باطل ہے۔ مگر کیا تم اب ہمیں اس باطل کے مقابلہ میں حق و حقانیت کا بھی پتہ دو گے۔ یا تم ہمارے ساتھ محض دل لگی کر رہے ہو۔ جب بت پرستوں کے بت خانہ کو حضرت ابراہیم نے دلیل و برہان کے ایک گولہ سے اُڑا دیا۔ اور میدان صاف ہو گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ :-

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔

میں اگر بت پرستی کی بطالت کو تم پر ظاہر کر رہا ہوں۔ تو یہ دل لگی کے طور پر نہیں

بلکہ اِس لئے ہے کہ۔ میں تم کو حق پرستی کا راستہ دکھاؤں اور تم کو بتاؤں۔ کہ جس ذاتِ پاک کی تم کو عبادت کرنی چاہیئے۔ وہ کون اور کیا ہے؟ سنو! وہ ذات پاک وہی ہے۔ جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اُسی ذات پاک نے تم کو بھی بنایا ہے اور وہی کائنات کا پرورش کنندہ ہے۔ اِس کے برعکس جن بتوں کی تم پوجا کرتے ہو وہ نہ تو گھاس کا ایک تنکا تک پیدا کر سکتے ہیں۔ نہ وہ تم کو روٹی دے سکتے ہیں۔ میں جو کچھ تم سے کہتا ہوں اُس کے حق میں واقعات کی بنا پر دلیل محکم پیش کرتا ہوں مگر تم جو کچھ کہتے ہو۔ تم اُس کے حق میں کوئی دلیل نہیں دے سکتے۔ سوائے اِس کے کہ تم کہو یہ ہمارا سناتن دھرم ہے۔ بت پرست لوگ بت پرستی کو دلیل و برہان سے حق ثابت کرنے میں پہلے ہی عاجز آچکے تھے۔ اب اُن کے سامنے جو حق پیش کیا گیا۔ وہ اگرچہ اُس کو دلیل و برہان سے کاٹنے سے عاجز تھے۔ مگر پھر بھی وہ بت پرستی پر جمے رہے۔ جب حضرت ابراہیم نے اُن کی ہٹ دھرمی کو دیکھا۔ تو کہا کہ :۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ۔

تم نے مجھ سے حق بات پوچھی تھی۔ میں نے تم کو بتا دی۔ مگر تم حق کو تسلیم کرنے سے روگردانی کرتے ہو اور بدستور سابق بت پرستی پر قائم رہنا چاہتے ہو۔ اچھا تم سب لوٹ کر او۔ کہ اب میں تمہارے سامنے ایسی برہانِ قاطع اور دلیل ساطع پیش کرونگا۔ کہ جس کے ذریعہ تمہاری بُت پرستی تم پر کھلے طور پر حماقت ثابت ہو جائیگی۔ اور تم خود ہی اِس کو حماقت تسلیم کر لوگے +

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ

چنانچہ ایک روز حضرت ابراہیم نے بت خانے میں جا کر سوائے بڑے بت کے باقی تمام بتوں کو توڑ پھوڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ بڑے بت کو اُنہوں نے کیوں نہ توڑا۔ اِس لئے کہ اُن پر حجت پوری کی جاوے۔ چنانچہ :۔

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔

جب بت پرستوں نے دیکھا۔ کہ کوئی اُن کے بُتوں کو توڑ گیا ہے۔ تو وہ چیخنے چلانے لگے۔ کہ ہائے ایسا کون ظالم ہے۔ جس نے ہمارے بتوں کے ساتھ یہ بدسلوکی کی

ہے۔ اُن میں سے ہی بعض نے کہا کہ :۔

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ۔

ہم نے سُنا ہے۔ کہ ایک نوجوان ابراہیم نامی یہاں ایسا ہے۔ جو بُت پرستی کا کھنڈن کرتا رہتا ہے۔ ہو نہ ہو۔ یہ کارستانی اِسی کی ہے۔ اِس رپورٹ کو سُن کر

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ۔

اُن کے چوہدریوں نے یہ مشورہ کیا۔ کہ اِبراہیم کو سب کے سامنے بلایا جاوے اور اُس کا بیان لیا جاوے۔ تاکہ سُننے والے بھی گواہ رہیں۔ ایسا نہ ہو وہ حاکمِ وقت کے سامنے جاکر انکار کر دے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم کو بلایا جاتا ہے۔ اور اُس سے سوال کیا جاتا ہے۔

قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ۔

کہ اَے ابراہیم! تو سچ بتا۔ کہ کیا ہمارے بتوں کے ساتھ یہ سلوک تو نے ہی کیا ہے یا کسی اور نے؟ حضرت ابراہیم نے دیکھا کہ اب اِن احمقوں پر اُن کی بت پرستی کی حماقت کو طشت از بام کرنے کا سنہری موقع ہے۔ جواب دیا۔

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۔

تم کہتے ہو یہ بت تمہاری دُعاؤں کو سُنتے تمہاری ضرورتوں کو پورا کرتے اور تمہارے دُکھ درد میں تمہارے مددگار ہوتے اور تم کو مصیبتوں سے نجات دیتے ہیں۔ تو کیا اب یہ اپنا دُکھ درد تم کو نہیں بتا سکتے۔ کہ اِن کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے۔ ذرا اِس بڑے بت کو تو دیکھو۔ جو کندھے پر کلہاڑا لیئے کھڑا ہے۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم جو اِن کے سامنے مٹھائی کے ٹوکرے رکھ گئے تھے اُن ٹوکروں پر اُن میں جھگڑا ہو پڑا ہو گا۔ ہر ایک نے یہی چاہا ہو گا۔ کہ میں ہی مٹھائی کھا جاؤں۔ آخر بڑے بت نے سب کو قتل کر ڈالا ہو گا۔ اور آپ ساری مٹھائی کا مالک بن گیا۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ ذرا اِس بڑے بت سے ہی پوچھ لو۔ کہ آیا اِس نے ہی یہ کام کیا ہے یا کسی اور نے۔ اگر اِس نے کیا ہو گا۔ تو وہ بتا دیگا۔ اگر اِس نے نہیں کیا ہو گا۔ بلکہ کسی اور نے کیا ہو گا۔ تو آخر یہ دیکھتا ہی ہو گا۔

وہ خود ہی اُس شخص کا نام بتا دیگا۔ اگر وہ نہیں بتائیگا۔ تو ان چھوٹے بتوں سے پوچھو۔ شاید اُن میں سے کوئی آپ بیتی سُنا دے۔ بت پرستی کی لغویت پر مہر لگانے کے لئے حضرت ابراہیم نے جو یہ دلیل ساطع اور برہان قاطع پیش کی۔ اُس کو سُن کر آج بیسویں صدی کے ریشنلسٹ بھی عش عش کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ بت پرستی کے کھنڈر میں اس سے بڑھکر کوئی شخص اور کیا علمی دلیل دیگا! اِس برہان قاطع کو سُن کر بت پرستوں کے مُنہہ پر مہر لگ گئی۔ اُن کے چھکّے چھوٹ گئے۔

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔

وہ ایک دوسرے کا مُنہہ تاکنے لگے کہ ابراہیم کی بات کا جواب کون دے۔ اگر دے تو کیا دے؟ جب اُن کو کوئی جواب نہ سوجھا۔ تو وہ آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ کہ دراصل ابراہیم کہتا تو سچ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہمارا یہ بت پرستی کا فعل ہے تو بڑا فضول۔ ہم ہی مورد الزام ٹھیرتے ہیں۔ مگر

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ۝

پھر بھی اُنہوں نے قطعی لاجواب ہو کر مگر ڈھیٹھ اور بے حیا بن کر کمال بے شرمی سے اپنی اُسی بت پرستی کی حماقت سے متحرک ہو کر احمقوں کی طرح مُنہہ کھولا۔ اور کھسیانی آواز میں حضرت ابراہیم سے کہا۔ بھائی! یہ تو تو بھی جانتا ہے۔ کہ یہ بت بولتے نہیں ہیں۔ تو پھر یہ ہمیں کیسے بتا سکتے ہیں۔ کہ اُن کے ساتھ یہ سلوک کس نے کیا ہے؟ بس! حق کی فتح ہو گئی۔ بطالت پاش پاش ہو گئی۔ اب حضرت ابراہیم نے شیر کی طرح گرجتے ہوئے اِن احمقوں کو پھٹکارا اور کہا کہ:۔

اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

کیا اسی برتے پر تم خداوند قدوس کو چھوڑ کر ان پتھروں کے سامنے سر پھوڑتے تھے۔ ارے احمقو! تم صریحًا دیکھتے ہو۔ کہ جب یہ اپنی حفاظت آپ نہیں کر سکتے۔ اور اپنے آپ کو بچا نہیں سکتے۔ تو یہ تمہیں کسی قسم کا فائدہ یا دُکھ سُکھ کیا دے سکتے

ہیں۔ دھتکار ہے تم پر اور تمہارے بتوں پر۔ پتھر پڑیں تمہاری ایسی اُلٹی سمجھ پر۔ کیا تم کو شرم نہیں آتی۔ کہ تم خداوند قدوس کو چھوڑ کر ان پتھروں کو پوجتے ہو؟ اللہ اکبر! یہ کیسی بجلی تھی جو بت پرستوں پر گری اور اُن کے قلعہ کو چور چور کر گئی۔ بس! حق و حقانیت کا ایک دم میں فیصلہ ہو گیا۔ اب کسی قسم کے مزید بحث مباحثے کی ضرورت نہ رہی۔ بخدا! اگر قرآن مجید میں کسی دوسری جگہ مذہبی مسائل پر دلیل و برہان لانے کی تعلیم نہ بھی دی گئی ہوتی۔ تو میرے اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے کہ مذہب وہی قابل قبول ہو سکتا ہے جو دلیل و برہان سے کام لینے کی نہ صرف اجازت دیتا ہو۔ بلکہ وہ خود بھی کوئی بات ایسی پیش نہ کرتا ہو۔ جو دلیل و برہان سے ثابت نہ ہو سکتی ہو۔ حضرت ابراہیم کا مذکورہ بالا قصہ ہی کافی تھا۔ میں اسی سے بطور ایک ریشنلسٹ کے اپنے لئے یہ نتیجہ نکال لیتا۔ کہ قرآن پاک نہ صرف علمی و عقلی دلائل کی تعلیم دیتا ہے۔ بلکہ وہ عملی دلائل کا نقشہ بھی ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم نے بت پرستوں کے سامنے بت پرستی کے برخلاف اور حق پرستی کے حق میں علمی دلائل بیان کئے۔ مگر وہ بت پرستوں کی سمجھ میں نہ آئے۔ آخر حضرت ابراہیم نے اُن کے بتوں کو چور چور کر کے اُن کے سامنے بت پرستی کی بطالت اور خداپرستی کی تائید میں عملی دلیل پیش کی۔ جو قاطع و ساطع ثابت ہوئی۔ قرآن مجید علمی و عقلی دلائل سے کام لینے کی تعلیم ضرور دیتا ہے۔ مگر خوبی کی بات یہ ہے۔ کہ جہاں علمی و عقلی دلائل بھی ناکامیاب ثابت ہوں۔ وہاں وہ عملی دلیل کا بے خطا گولہ مار کر بطالت کو پاش پاش کر ڈالتا ہے۔ اس دلیلِ ساطع و برہانِ قاطع کی دوسری مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہی متعلق دی گئی ہے۔ یہودیوں کا دعویٰ تھا۔ کہ حضرت ابراہیم یہودی تھے۔ عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ وہ عیسائی تھے دونوں فریق حضرت ابراہیم کو اپنی اپنی طرف کھینچتے تھے۔ قرآن مجید نے دونوں کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لئے یہ علمی دلیل پیش کی کہ :-

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ۔ (پ ۳ - آل عمران - ع ۷) +

ابراہیم نہ تو یہودی تھا۔ نہ عیسائی۔ بلکہ وہ تو اس قسم کے جھگڑوں سے بیزار محض خدا کا پرستار (مسلم) تھا۔ اور وہ خدا کے ساتھ کسی کو (یہودیوں یا عیسائیوں کی طرح بطور بیٹے کے) شریک نہیں مانتا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے۔ کہ ابراہیم پر محض اُن لوگوں کا دعوٰی با دلیل و باثبوت ہو سکتا ہے۔ جو اُس کی تعلیم کی پیروی کرتے ہوں۔ جو اُس کی پیروی نہیں کرتے۔ اُن کا یہ کہنا کہ ابراہیم اُن کا تھا اُن کا یہ دعوٰی بلا دلیل و بلا ثبوت ہے" یہ ایک علمی و عقلی دلیل ہے۔ جو قرآن مجید نے یہودیوں اور عیسائیوں کے حضرت ابراہیم کے متعلق جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لئے پیش کی اور صاف ظاہر ہے۔ کہ اِس دلیل کا عیسائیوں اور یہودیوں کے پاس کوئی رد نہیں تھا۔ مگر پھر بھی وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ اُن کی ضد کو توڑنے کے لئے اب قرآن مجید عملی دلیل پیش کرنے پر مجبور ہوا۔ چنانچہ وہ یہ تھی کہ:۔

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوْرَىٰةُ وَٱلْإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ بَعْدِهِۦٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○

(پ۳۔ آل عمران۔ ع۷) +

اے یہودیو! اور اے عیسائیو! تم اِس بات پر کیوں ہٹ کر رہے ہو۔ کہ ابراہیم یہودی تھا۔ یا عیسائی تھا۔ اے یہودیو! تمہارے مذہب کا دارومدار توریت پر ہے اور اے عیسائیو! تمہارے مذہب کا دار و مدار انجیل پر ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ ابراہیم کے وقت میں نہ تمہاری توریت کا کہیں نام و نشان تھا۔ نہ تمہاری انجیل کا۔ بلکہ ان کتابوں کا ابراہیم کے بہت عرصہ بعد ظہور ہوا۔ جب یہ بات ہے۔ تو ابراہیم کو یہودی یا عیسائی کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ یہ تو ایک موٹی سی بات ہے۔ کیا تمہیں خدا نے اتنی بھی عقل نہیں دی۔ کہ اِس موٹی سی بات کو جو تواریخی واقعہ ہے سمجھ سکو۔ سخت افسوس کی بات ہے کہ

هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ○

تم اِس تواریخی واقعہ سے بخوبی آگاہ ہو اور جانتے ہو۔ کہ در اصل توریت و انجیل کا ظہور۔ ابراہیم کے بہت عرصہ بعد ہوا۔ مگر پھر بھی تم جان بوجھ کر ابراہیم کے یہودی

یا عیسائی ہونے کے متعلق کٹھ حجتی کرتے چلے جا رہے ہو۔ جب تم ایک امر واقعہ کو جانتے ہوئے بھی اُس کے برخلاف کٹھ حجتی کرنے سے باز نہیں آتے ہو۔ تو تم ایسی باتوں کے متعلق جن کا تمہیں پتہ تک نہیں ہے جسقدر بھی کٹھ حجت کرو۔ اُسیقدر تھوڑا ہے۔ اِس عقلی دلیل کے ذریعہ قرآن مجید نے یہودیوں اور عیسائیوں کے اِس جھگڑے کا جو وہ حضرت ابراہیم کے بارے میں کرتے تھے۔ یا کر سکتے ہیں۔ سر توڑ ڈالا۔ اب یا تو وہ یہ ثابت کریں کہ توریت و انجیل کا ظہور حضرت ابراہیم سے پیشتر ہوا۔ بنا بریں وہ یہودی یا عیسائی تھے۔ مگر چونکہ وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ بنا بریں اُن کا دعویٰ بھی سراسر باطل ہو گیا۔ اِسی طرح قرآن مجید یہودیوں اور عیسائیوں کے جھگڑے کا جو کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں کرتے تھے۔ فیصلہ کرنے کے لئے آگے آیا۔ یہودی حضرت مسیح علیہ السلام اور اُن کی والدہ صدیقہ حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان باندھتے تھے۔ عیسائی حضرت مسیح علیہ السلام کی پیدائش کو معجزانہ رنگت میں تجسم الٰہی مانتے تھے۔ اور اُن کو ابن اللہ یا خداوند یا روح القدس کا فرزند تسلیم کرتے تھے۔ دونوں فریق افراط تفریط سے کام لے رہے تھے۔ قرآن مجید نے مسیح علیہ السلام کی پیدائش کو یہودیوں کے قابل نفرین اور عیسائیوں کے اعجازی دائرہ سے الگ کر کے فیصلہ سُنا دیا کہ:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ
ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۔ (پ ۳۔ ال عمران۔ ۶ع) +

خدا کے نزدیک جیسے بنی نوع انسان ویسے ہی عیسیٰ۔ جیسے وہ خاکی۔ ویسے ہی عیسیٰ بھی خاکی۔ وہی ذات پاک

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ۔ (پ ۸۔ الاعراف۔ ۲ع)

مٹی سے نباتات۔ نباتات سے نطفہ اور نطفہ سے تمہاری شکل وصورت بناتا ہے۔ اور وہی ذات بنی انسان کو فرشتوں پر فضیلت دیتا ہے۔ یہ ایک سنت اللہ ہے۔ اِس پر کسی شخص کی ابنیت والوہیت کے متعلق جھگڑا کرنا یا کسی کی پیدائش پر بہتان باندھنا سراسر عبث ہے +

الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۔ پ ۳۔ ۶ع)

جب تمہیں سنت اللہ کا پتہ لگ گیا۔ تو پھر تم کیوں مسیح کی پیدائش کے متعلق

جھگڑے برپا کرتے یا اُس کی الوہیت وابنیت یا اُس کے مجسّم الٰہی ہونے کے خبط میں مبتلا ہوتے ہو۔ صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید نے مسیح کی پیدائش کو معجزانہ تسلیم کرنے یا نہ کرنے کے مسئلہ کو معمولی سی بات بتا کر یہودیوں اور عیسائیوں کے جھگڑے کا فیصلہ کر ڈالا۔ مگر جب دونوں فریقوں کی اس علمی وعقلی دلیل سے تسلی نہ ہوئی تو قرآن مجید نے اپنی عادت کے مطابق اُن کے سامنے عملی دلیل پیش کرنے کی ٹھانی اور اُن دونوں فریقوں کو للکارا کہ:۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ

(پ۳۔ آل عمران۔ ع۶)

اے یہودیو! اور اے عیسائیو! دیکھو مسیح کی پیدائش کے متعلق ہم نے تم کو علم و عقل کی بات بتادی۔ لیکن اگر باوجود اس کے تم اب بھی کٹھ حجتی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہو تو پھر ذرا میدان میں آکر فیصلہ کرلو۔ اس فیصلہ کے لئے اے یہودیو اور اے عیسائیو! تم اپنے بیٹوں کو اور اپنی بہو بیٹیوں کو اور اپنے آپ کو میدان میں لے آؤ۔ ہم بھی اپنے بیٹوں کو۔ اپنی بہو بیٹیوں کو اور اپنے آپ کو میدان میں لے آتے ہیں۔ اے یہودیو! تم جو مسیح کی پیدائش کے متعلق حضرت مریم صدیقہ پر بہتان باندھتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ۔ کیا تمہارے بیٹوں۔ تمہاری بہو بیٹیوں اور تم میں سے خود کوئی اسی طریقہ سے پیدا شدہ ہے۔ اگر تم مسیح اور اُس کی والدہ صدیقہ کو بدنام کرنے کے لئے جھوٹ موٹ ہاں کہدوگے۔ تو تم پر خدا کی لعنت ہوگی۔ جب تم اپنے بیٹوں۔ اپنی بہو بیٹیوں۔ اور اپنے آپ پر یہ الزام لینا پسند نہیں کرتے ہو۔ تو کسقدر شرم کی بات ہے۔ کہ تم یہی الزام مسیح اور اُس کی والدہ پر لگاتے ہو۔ اے عیسائیو! تم جو مسیح کی معجزانہ پیدائش پر زور دے رہے ہو۔ بتاؤ۔ تمہاری بیٹیوں۔ اور تم میں سے خود کوئی بھی معجزانہ طریقہ پر بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے۔ اگر تم مسیح کی معجزانہ پیدائش کو ثابت کرنے کے لئے اس سوال کا جھوٹ موٹ ہاں میں جواب دوگے تو یاد رکھو کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔ کوئی ہے تم میں۔ جو یہ کہہ سکے کہ وہ بغیر

باپ کے پیدا ہوا ہے۔ پس جب ایسا نہیں ہے۔ تو پھر تم مسیح کی پیدائش کے متعلق فضول جھگڑا کیوں کر رہے ہو"۔

مسیح علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق یہودیوں اور عیسائیوں کے جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لئے قرآن مجید نے دلیل ساطع اور برہان قاطع کا جو حربہ آج سے تیرہ سو سال پیشتر استعمال کیا تھا۔ وہی عقلی دلیل اب بھی اس جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لئے بے خطا حربہ ہے۔ یہودیوں کا بہتان اسقدر خطرناک نہیں تھا جسقدر کہ عیسائیوں کا یہ کہنا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ کیونکہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوا تھا۔ عیسائیوں کے اس دعویٰ کو توڑنے کے لئے مذکورہ بالا عقلی دلیل کے علاوہ قرآن مجید نے ایک دوسری دلیل دی اور فرمایا کہ:-

اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ۔ (پ۔ الانعام ۱۳ع)

جو لوگ یہ کہہ رہے ہیں۔ کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ وہ اتنا نہیں سوچتے۔ کہ بغیر بیوی کے خدا کے بیٹا کیونکر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے۔ کہ خدا نے کبھی جورو ہی نہیں کی۔ سبحان اللہ کیسی سیدھی سادی مگر اکٹ دلیل ہے۔ اس سے صرف یہی نہیں۔ کہ عیسائیوں کے اس دعویٰ کی مکمل تردید ہو گئی۔ جو یہ کہتے ہیں کہ مسیح خدا کا بیٹا تھا۔ بلکہ اس سے ایشیا۔ یورپ۔ افریقہ اور امریکہ کے ان لوگوں کے خیالات و اعتقادات کی بھی تردید ہو گئی۔ جو اپنے ہادیان دین کو یا اپنی قوم کے بڑے آدمیوں کو روح القدس یا خداوند خدا کے بیٹے اور بغیر انسانی باپ کے پیدا شدہ مانتے تھے۔ یا مانتے ہیں۔ جیسا کہ پیچھے لکھا جا چکا ہے۔ قرآن مجید نے اکیلی ماں یا اکیلے باپ سے پیدائش کے مسئلہ کی تردید کر دی اور کہہ دیا کہ اگر خدا کو بھی (نعوذ باللہ) بیٹا پیدا کرنے کی ضرورت پڑے۔ تو وہ بھی بغیر بیوی یا عورت کے ایسا نہیں کر سکتا۔ جب خدا بھی اولاد کی پیدائش کے لئے اپنے لئے جوڑے یا بیوی کا ہونا ضروری سمجھتا ہو۔ تو کیا جن عورتوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے بغیر انسانی نر یا بندے کے بیٹا جنا۔ ان کو خدا سے بھی افضل مان لیا جاوے۔ اور یہ سمجھ لیا جاوے۔ کہ خدا کو تو بیٹا پیدا کرنے کے لئے (نعوذ باللہ) جوڑے یا جورو کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ مگر ان عورتوں کو جن کے متعلق کہا جاتا ہے۔ کہ انہوں نے

بغیر خاوند کے بیٹے جنے۔ مرد یا جوڑے یا خاوند کی ضرورت نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ وہ خدا سے بھی افضل اور طاقتور تھیں۔ نعوذ باللہ من ذٰلک۔ ایسا ماننا قرآن پاک کی تعلیم اور سنت اللہ کے قطعی برخلاف ہے۔ پس قرآن مجید نے دلیلِ ساطع و براہینِ قاطع کے ذریعہ اس بات کا فیصلہ کر ڈالا۔ کہ مرد بغیر عورت کے اور عورت بغیر مرد کے اولاد پیدا نہیں کر سکتا اور نہیں کر سکتی۔ بلکہ اولاد کی پیدایش مرد اور عورت دونوں کے ملاپ سے ہی ہوتی ہے یہی خدا کا قانون ہے۔ اور یہ قانون ایسا مضبوط اور مستحکم ہے۔ کہ اگر خدا کو بھی اپنے لئے کوئی بیٹا پیدا کرنا مدنظر ہوتا۔ تو اُس کو بھی جورو کرنی پڑتی۔ بغیر جورو کے وہ بھی اپنے لئے بیٹا پیدا نہ کر سکتا۔

ممکن ہے عیسائی لوگوں نے مسیح کو خدا کا بیٹا یا اُس کو مجسم الٰہی بنانے میں بڑا بھاری فائدہ یہ سوچا ہو۔ کہ جب انسانوں کو یہ کہا جاویگا۔ کہ تمہاری ہدایت کے لئے تمہارے جیسا انسان نہیں بلکہ خود خدا مجسم ہو کر آیا ہے۔ تو وہ مارے ڈر کے یا خدا کے لئے عزت کے جذبہ سے متحرک ہو کر فوراً اُس کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کر لینگے۔ بت پرست لوگ عموماً اسی قسم کا اعتراض بھی کرتے تھے۔ کہ اگر خدا کو ہماری ہدایت کے لئے کوئی رسول ہی بھیجنا تھا۔ تو وہ خود آتا۔ یا فرشتوں کو بھیجتا۔ اس خیال کی بطالت کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن مجید نے ایک سیدھی سی مگر اٹکٹ دلیل پیش کی اور کہا کہ:-

قُل لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا ۝

(پ۱۵۔ بنی اسرآءیل۔ ۱۱ع)

اگر زمین پر فرشتوں کی آبادی ہوتی۔ اور وہی اُس پر آرام سے چلنے پھرنے والے ہوتے۔ تو ہم اُن کی ہدایت کے لئے ضرور فرشتہ ہی نازل کرتے۔ مگر وہ فرشتہ کس شکل میں اُن پر ظاہر ہوتا۔ سنو

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ۔ (پ۷۔ الانعام۔ ۱ع)

اگر ہم اُن کے کہنے کے مطابق فرشتہ بھی بھیجتے۔ تو وہ بھی اُن کے پاس انسان

کی ہی شکل میں آتا۔ اس صورت میں بھی وہ بہی ہٹ کرتے رہتے۔ جو کہ وہ اب کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس کا ثبوت عیسائیوں کا مسیح کے متعلق اعتقاد موجود ہے۔ کہ انہوں نے قرآن پاک کی مذکورہ بالا تعلیم سے فائدہ نہ اٹھا کر مسیح کو خدا کا بیٹا بلکہ خدا کا مجسم تک ماننے کا تجربہ کرنا چاہا۔ مگر ان کو اس تجربہ میں ناکامیابی ہوئی۔ اور اس تجربہ کا نتیجہ وہی برآمد ہوا۔ جو قرآن مجید نے بیان کر دیا ہے۔ اسی طرح توحید باری تعالیٰ کے بارے میں قرآن مجید ایک سادہ سی دلیل دیتا ہے:۔

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا۔ (پ۱۷۔ الانبیاء۔ ع۲)

اگر زمین و آسمان میں بہت سے خدا ہوتے۔ تو دونوں کا نظام کبھی کا الٹ پلٹ گیا ہوتا خدائی توحید کے متعلق کیا مزیدار دلیل ہے۔ نہ صرف دلیل بلکہ اسکے ساتھ ہی اُن لوگوں کو جو بہت سے معبود مانتے ہیں۔ چیلنج بھی موجود ہے کہ:۔

اَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ۔

(پ۱۷۔ الانعام۔ ع۲)

وہ لوگ جو خدائے وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر اپنے لئے بہت سے معبود بنائے بیٹھے ہیں۔ ان کو چیلنج دو کہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دلیل لائیں۔ قرآن مجید جو مسئلہ پیش کرتا ہے۔ اُس کے حق میں دلیل و برہان لاتا ہے۔ مخالفین کے دعاوی کو اگر رد کرتا ہے۔ تو دلیل و برہان کے ذریعہ۔ اگر مخالفین کوئی دعویٰ پیش کرتے ہیں تو قرآن مجید اُن سے دلیل و برہان مانگتا ہے۔ الغرض علم و عقل۔ دلیل و برہان کے بغیر قرآن مجید نہ خود کوئی قدم اُٹھاتا ہے۔ نہ دوسروں کو اُٹھانے دیتا ہے۔ وہ علمی اور عقلی دلائل دیتا ہے۔ اگر مخالف اِن کے سامنے سر خم نہ کرے۔ اور برابر ہٹ دھرمی اور کٹھ حجتی سے ہی کام لیتا جاوے۔ تو وہ اپنا آخری ہتھیار عملی دلیل کا استعمال کرتا ہے۔ اور مخالف کی تمام ٹائیں ٹائیں فش کر دیتا ہے۔ قرآن مجید کیا ہے؟ دین و دنیا کے ہر ایک مسئلہ کے متعلق مناظرہ و مباحثہ کی جامع و مانع کتاب ہے۔ وہ قدم قدم پر دلیل و برہان سے کام لیتا۔ اور دلیل و برہان کا مطالبہ کرتا ہے۔ قرآن پاک دلیل و برہان کا اسقدر عاشق ہے۔ کہ وہ اپنا نام ہی "برہان" رکھتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ:۔

يَا يُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ كُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا۔ (پ۶۔ النسآء۔ ۲۴ع) +

اے لوگو! دیکھو! تمہارے خدا کی طرف سے تمہارے لئے یہ "برہان" یا حجۃ اللہ نازل ہوا۔ یہ وہ نور ہے جو ہر ایک معاملہ پر کھلی روشنی ڈالتا ہے۔ جس صورت میں کہ قرآن پاک کا نام ہی برہان ہو۔ اُس صورت میں کب ممکن ہے۔ کہ وہ خود کوئی بھی بات بغیر بُرہان کے کرے۔ یا کسی بھی دعوی کو بغیر بُرہان کے تسلیم کرلے۔ چنانچہ وہ جا بجا دلیل و بُرہان کا ہی مطالبہ کرتا ہے۔ مثلاً

(۱)

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ۔

(پ۱۸۔ المؤمنون۔ ع۶)

وہ شخص جو خدا کے سوائے کسی دوسرے معبود سے دُعا کرتا ہے وہ اپنے اس فعل کے حق ہونے پر کوئی برہان قاطع نہیں رکھتا +

(۲)

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ط قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ پ۱۔ البقرۃ۔ ۱۳ع) +

یہودی کہتے ہیں۔ کہ یہودیوں کے سوائے کوئی دوسرا شخص اور عیسائی کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے سوائے کوئی دوسرا شخص بہشت میں نہیں جائیگا۔ مگر یہ سب ان لوگوں کے خالی ڈھکوسلے اور خیالی پلاؤ ہیں۔ وہ اپنے اس دعوی کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں دے سکتے۔ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ اُن کا یہ دعوی سچ ہے۔ تو اُن کو چیلنج دو۔ کہ ذرا وہ اپنے دعوی کی تائید میں کوئی برہان قاطع تو پیش کریں۔ مگر وہ ہر گز کوئی دلیل نہیں دے سکینگے۔ یہ تو ہوئی اُن کے دعووں کی اصلیت۔ اب سنو حقیقت کیا ہے:۔

(۳)

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ (ایضاً) +

حقیقت یہ ہے۔ کہ جس شخص نے خداوند قدوس کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ اور وہ نیک کام کرنے والا بھی ہے۔ وہ خواہ یہودی ہو۔ خواہ غیر یہودی۔ خواہ عیسائی ہو۔ خواہ غیر عیسائی۔ ہر ایک ایسا خدا پرست اپنے اعمال کی جزا خدا کے ہاں پائیگا۔ اور ایسے ہی نیکوکار لوگ ہیں۔ جو بہشت میں جانے والے ہیں جہاں اُن کو نہ کسی قسم کا خوف ہو گا۔ نہ رنج والم۔ سبحان اللہ۔ قرآن پاک نے مخالفین کے دعویٰ بلا دلیل کو کاٹ ڈالا۔ اور اُن کے مقابلہ میں اپنا دعویٰ مع بُرہان قاطع کے پیش کر دیا۔ جو بطور قاعدہ کلیہ کے ہے۔ اور اٹل ہے +

(۴)

اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْۤ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ (پ -الاعراف ۹ع) +

کیا تم اپنے اور اپنے باپ دادوں سے گھڑے گئے مختلف نام کے بتوں کی عبادت کے بارے میں میرے ساتھ جھگڑا کرتے ہو۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ بُت پرستی بذاتِ خود ایسی چیز ہے کہ جس کے حق ہونے میں خدا نے بھی کوئی دلیل نہیں دی۔ تمہاری دلیلوں کا تو کہنا ہی کیا ہے +

(۵)

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(پ -یونس -۷ع) +

بعض لوگ کہتے ہیں۔ کہ خدا نے بیٹا بنا رکھا ہے۔ خدا کی ذات اِس قسم کی باتوں سے پاک ہے۔ اُس کو اولاد وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے۔ سب اُسی کا ہے۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں۔ کہ خدا نے اپنے لئے کوئی بیٹا بنا رکھا ہے۔ اُن کو چیلنج دو۔ کہ جو کچھ تم کہتے ہو۔ یا تو اس کی صداقت پر کوئی برہان قاطع پیش کرو۔ ورنہ خدا کے متعلق لاعلمی کی باتیں مت بناؤ +

(۶)

اَلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِ اللّٰهِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ط (پ - المؤمن - ۴ع)

وہ بت پرست جو خدا کی آیتوں میں فضول جھگڑا کرتے ہیں اور کوئی دلیل محکم پیش نہیں کرتے۔ اُن کا یہ فعل خدا اور خدا پرستوں کے نزدیک محض حماقت ہے +

(۷)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ

پ۲۴ - المؤمن - ۶ع) +

وہ لوگ جو خدا کی آیتوں میں جھگڑا تو کرتے ہیں۔ مگر کوئی دلیل محکم پیش نہیں کرتے وہ محض شیخی خورے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں +

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ - (پ۱۷ - الحج - ۹ع) +

بت پرست لوگ خدا کے سوائے جن معبودوں کی پوجا کرتے ہیں وہ اپنے اس فعل کو نہ تو دلیل و برہان کے ذریعہ درست ثابت کر سکتے ہیں۔ نہ ہی علم و عقل کے ذریعہ۔ ایسے لوگوں کے بارے میں قرآن مجید نے خوب کہا ہے کہ :-

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ط اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ (پ۱۹ - الفرقان - ۴ع) +

وہ لوگ جو نہ تو حق وحقانیت کی باتوں کو کان دھر کر سُنتے ہیں۔ نہ ہی علم وعقل اور دلیل و برہان سے کام لیتے ہیں۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ وہ انسان ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ایسے لوگ انسان نہیں بلکہ ڈنگر ہیں۔ بلکہ ڈنگروں سے بھی گئے گذرے۔ ضرورت نہیں کہ اس کے متعلق مزید آیتیں پیش کیجائیں۔ رشنلسٹ کا مطالبہ صرف اسیقدر تھا۔ کہ آیا قرآن مجید مذہبی معاملات میں علم وعقل کے علاوہ دلیل و برہان سے کام لینے کی اجازت دیتا ہے یا نہیں۔ قرآن مجید اس مطالبہ کو نہ صرف بوجہ احسن پورا کرتا ہے۔ بلکہ وہ بُرہانِ مجسّم ثابت ہوتا ہے +

باونویں فصل

تجربہ اور مشاہدہ

اِس بات کا فیصلہ ہوچکا ہے۔ کہ قرآن مجید تمام دینی و دُنیوی معاملات میں علم وعقل اور دلیل وبُرہان سے کام لینے کی تاکید کرتا اور تعلیم دیتا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ آیا اُس کی تعلیم تجربہ اور مشاہدہ کے مطابق بھی ہے یا نہیں۔ اِس لئے کہ رشنلسٹ یہ بھی مطالبہ کرتا ہے۔ کہ اگر کوئی مسئلہ علم وعقل۔ دلیل وبُرہان کے مطابق صحیح ہوتا ہوا بھی تجربہ اور مشاہدہ یا عمل میں لائے جانے کے ناقابل ہو توبھی ایسا مسئلہ ترک کردینے کے قابل ہے۔ اِس بات کے جانچنے کے لئے جب ہم قرآن مجید کو کھولتے ہیں تو ہمیں پتہ لگتا ہے۔ کہ صرف یہی نہیں کہ قرآن مجید تجربہ اور مشاہدہ کی تعلیم دیتا ہے۔ بلکہ وہ اس بات کی بھی اجازت دیتا ہے۔ کہ اُس کی تعلیم کو آزما کر دیکھا جاوے۔ کہ آیا وہ تجربہ اور مشاہدہ میں ٹھیک اُترتی ہے یا نہیں۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے:۔

(۱)

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۔ (پ۴۔ آل عمران۔ ع۱۴)

تم سے پہلے بہت سے تواریخی واقعات ہوچکے ہیں۔ اگر تم سمجھتے ہو۔ کہ تمہارے سامنے جو تعلیم پیش کیجاتی ہے۔ وہ غلط ہے۔ تو تم خود دنیا میں چل پھر کر اور تجربہ اور مشاہدہ کرکے اِس کو آزما دیکھو۔ تمہیں خود ہی پتہ لگ جائیگا۔ کہ جن قوموں نے اصول حقہ کی تکذیب کی تھی۔ اُن کا کیا حشر ہوا۔

(۲)

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ - (پ - الانعام - ع۲) +

وہ لوگ جو قرآن کی تعلیم پر تمسخر اڑاتے ہیں - اُن کو کہدو - کہ ذرا تواریخ دنیا کا مطالعہ کر دیکھیں - پھر اُن کو خود ہی معلوم ہو جائیگا - کہ اصولِ حقہ پر تمسخر اڑانے والوں کا کیا حشر ہوا +

(۳)

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ - (پ - النمل - ع۶) +

وہ لوگ جو اصولِ حقہ کو ماننے سے اِنکار کرتے ہیں - اُن کو کہدو - کہ وہ ذرا تواریخ دنیا کا مطالعہ کریں - پھر اُن کو خود ہی معلوم ہو جائیگا - کہ اِس قسم کے منکروں کا کیا حشر ہوا +

(۴)

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّ اٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ -

(پ - المؤمن - ع۳)

کیا وہ آنکھیں کھول کر تواریخ دنیا کا مطالعہ نہیں کرتے - اور کیا وہ دیکھتے نہیں ہیں - کہ اُن لوگوں کا کیا حشر ہوا - جو ان سے پہلے تھے - اور جو ان سے زیادہ طاقتور اور اہل نشان تھے - مگر اُن کے گناہوں کی پاداش میں خدا نے انکو تباہ کر دیا +

(۵)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا -

(پ۱۳ - الرعد - ع۶)

کیا وہ اِس امر واقعہ کا مشاہدہ نہیں کر رہے - کہ ہم زمین کو چاروں طرف سے

سکیڑتے چلے جارہے ہیں۔ اِس میں شک نہیں۔ کہ زمین فاصلے کے لحاظ سے ہمارے سامنے سکڑ رہی ہے۔ حجم کے لحاظ سے بھی وہ دن بدن سکڑتی چلی جارہی ہے +

(۶)

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَھُمْ دٰخِرُوْنَ۔

(پ۱۴۔ النحل۔ ع۶)

کیا وہ اِس بات کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ کہ خدا نے جسقدر اشیاء دنیا میں پیدا کی ہیں۔ اُن کا سایہ کبھی دائیں طرف کو اور کبھی بائیں طرف کو جاتا ہے۔ گویا کہ وہ عاجزی کے ساتھ خدا کے سامنے سجدہ کر رہی ہیں +

(۷)

اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ۔ (پ۱۴۔ النحل۔ ۱۱ع) +

کیا وہ اِس بات کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ کہ پرندے کس طرح خلا میں اُڑ رہے ہیں۔ اُن کو خلا میں اُڑنے اور بغیر کسی سہارے کے ٹھیرنے کی طاقت سوائے خدا کے اور کس نے دی ہے +

(۸)

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الْاَرْضِ کَمْ اَنْبَتْنَا فِیْھَا مِنْ کُلِّ زَوْجٍ کَرِیْمٍ۔ (پ۱۹۔ الشعرا۔ اع) +

کیا وہ زمین پر اِس بات کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ کہ ہم نے اِس میں ہر ایک قسم کی چیزیں کس کثرت سے پیدا کر رکھی ہیں +

(۹)

اَوَلَمْ یَرَوْا کَیْفَ یُبْدِئُ اللّٰہُ الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُہٗ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ۔ (پ۲۰۔ العنکبوت۔ ۲ع) +

کیا وہ اِس بات کا مشاہدہ نہیں کرتے کہ کس طرح خدا ایک دفعہ مخلوق کو پیدا کر کے پھر اِسی قسم کی پیدا کرتا رہتا ہے۔ بے شک یہ امر خدا کے لئے بالکل آسان ہے +

(۱۰)

أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ - (پ ۲۲ - السباء - ۱ع)

کیا وہ اِس بات کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ کہ اُن کے آگے اور اُن کے پیچھے زمین و آسمان میں خدا نے کیا کیا عجائبات بھر رکھے ہیں؟

(۱۱)

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَن يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ -

(پ ۲۶ - الاحقاف - ۴ع)

جو لوگ حیات بعد ممات کے منکر ہیں۔ کیا وہ اِس بات کا مشاہدہ نہیں کرتے۔ کہ جس صورت میں کہ خدا نے زمین و آسمان کی تمام کائنات کو پیدا کیا ہو۔ اور اُن کو پیدا کرنے میں اُس کو کسی قسم کی تکان نہ ہوئی ہو۔ کیا وہی خدا اِس بات کی قدرت نہیں رکھتا کہ وہ موت کے بعد زندگی دے؟

(۱۲)

فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ۖ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً - (پ ۲۴ - حٰم السجدہ - ۲ع)

عاد کی قوم نے زمین میں فضول گھمنڈ کیا۔ اور بولے کہ ہم سے بڑھکر دنیا میں کوئی طاقتور نہیں ہے۔ مگر اُن بیوقوفوں نے اِس بات کا مشاہدہ نہ کیا کہ جس خدا نے اُن کو پیدا کیا ہے۔ وہ اُن سے بڑھکر طاقتور ہے۔ اگر وہ یہ سوچتے۔ تو دنیا میں فضول اکڑفوں کر کے تباہ نہ ہوتے۔

قرآن مجید کی یہ تمام آیتیں ہمیں دنیا میں آنکھیں کھول کر تجربہ اور مشاہدہ سے کام لینے کی ہدایت کرتی ہیں۔ قرآن مجید ہمیں یہ بھی اجازت دیتا ہے۔ کہ اگر ہم اِس کی کسی بات کو غلط یا جھوٹ سمجھتے ہوں۔ تو ہم اُس کا تجربہ کر کے دیکھ لیں۔ آخر کار ہمیں خود ہی معلوم ہو جاویگا۔ کہ آیا ہمارے سمجھنے میں غلطی تھی۔ یا قرآن مجید کی تعلیم غلط تھی۔ یہ ایک کھلی اجازت ہے۔ جو قرآن مجید تجربہ اور مشاہدہ کے

کے حق میں ہمیں دیتا ہے۔ ضرورت نہیں کہ قرآن مجید کی اس تعلیم کی صداقت کو آزمانے کے لئے تمام دُنیا کے تجربات و مشاہدات کو جمع کیا جاوے۔ بلکہ اس بارے میں میں اپنا تجربہ اور مشاہدہ ہی اپنے لئے بہت کافی سمجھتا ہوں۔ میں نے قرآن مجید کی مفصلہ ذیل چند آیتوں پر اعتراض کیا تھا:

(۵) فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ۔ (پ۱۰۔ توبہ)

"اے مسلمانوں! مشرکوں کو جہاں پاؤ۔ قتل کرو۔ اور اُن کو گرفتار کرو۔ اُن کا محاصرہ کرو۔ اور جا بجا اُن کی گھات میں لگے رہو"۔

(۶) قاتلوهم يعذبهم الله بايديكم ويخزهم وينصركم عليهم ويشف صدور قوم مومنين۔ (پ۱۰۔ توبہ)

"اے مسلمانوں! تم ان سے خوب جنگ کرو۔ خدا تمہارے ہاتھ سے اُن کو عذاب دلائیگا۔ اور اُن کو رُسوا کریگا۔ اور تم کو فتحمند کریگا۔ اور مسلمانوں کے کلیجوں کو ٹھنڈا کریگا"۔

(۷) لئن لم ينته المنافقون والذين في قلوبهم مرض والمرجفون في المدينة لنغرينك بهم ثم لا يجاورونك فيها الا قليلاه ملعونين اينما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتيلاه سنة الله ولن تجد لسنة الله تبديلاه

(پ۲۲۔ الاحزاب)

"اگر ریا کار اور ناپاک دل آدمی اپنی شرارتوں اور زباندرازیوں سے باز نہ آئے تو ہم تجھ کو اُن پر اختیار دینگے۔ اور وہ لوگ تمہارے شہر میں ٹھیرنے نہیں پائینگے۔ مگر تھوڑی مدت۔ پھر ایسے ملعون لوگ جہاں پائے جائینگے پکڑے جائینگے۔ اور ٹکڑے ٹکڑے کئے جائینگے۔ یہ قانون قدرت ہے۔ اور قانون قدرت کبھی بدلا نہیں کرتا"۔

میں نے خود قرآن شریف کی اس تعلیم کو سخت خطرناک ظاہر کیا تھا۔ علماء اسلام کی طرف سے یہ جواب دیا گیا۔ کہ یہ تعلیم محض مدافعانہ ہے

اور پہلی آیتوں میں صاف ذکر ہے۔ کہ جب دشمنانِ اسلام بلاوجہ مسلمان مردوں اور عورتوں کو آزار پہنچانے سے باز نہ آئے۔ تب یہ مدافعانہ تعلیم روا رکھی گئی۔ لیکن میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی۔ کہ مدافعانہ تعلیم کا خدا کی کتاب سے کیا تعلق؟ چنانچہ یہی اعتراض میں نے اکتوبر ۱۹۱۳ء کے پرچہ اندر میں بھی دُہرایا تھا۔ اور یہ ایسا سوال تھا جو سالہا سال سے حل ہونے میں نہیں آتا تھا۔ مگر ۳۱۔ جنوری ۱۹۱۴ء کی صبح کو تجربہ اور مشاہدہ نے میرے لئے اِس سوال کو ایسا ڈھنگ حل کر دیا۔ کہ پھر کسی قسم کے شبہ کی گنجایش نہ رہی۔ اور میں نے تسلیم کر لیا کہ قرآن پاک نے مذکورہ بالا آیتوں میں جو تعلیم دی ہے وہ بالکل بجا درست ہے۔ اگرچہ میں اپنے اِس تجربہ اور مشاہدہ کا ذکر اپنی کتاب "گیان پرکاش" میں کر چکا ہوں۔ مگر نامناسب نہیں ہوگا۔ اگر میں مختصر طور پر یہاں بھی اِس کا ذکر کر جاؤں +

جب میں نے ۲۵۔ جنوری ۱۹۱۴ء کو سوامی دیانند کے ہی بتلائے ہوئے سوئمبر طریقہ سے ایک تعلیم یافتہ سارسوت برہمن لیڈی سے شادی کر لی۔ تو اِس سے آریوں اور ہندوؤں کو طبعاً میرے برخلاف شور مچانے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ جب میں اپنی منکوحہ کو ۳۱۔ جنوری ۱۹۱۴ء کو ملنے اور اُس کو اپنے ساتھ لانے کے لئے گھر گیا۔ تو مجھے پورا یقین تھا۔ کہ میری منکوحہ کی قوم کے افراد اب مجھے اپنا رشتہ دار سمجھ کر میری عزت کرینگے۔ مگر قرآن مجید نے سچ کہا ہے کہ منکرینِ اسلام کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات مت پیدا کرو۔ کیونکہ

"ان یثقفوکم یکونوا لکم اعدآءً و یبسطوا الیکم ایدیھم والسنتھم بالسوٓء" (پ ۲۸۔ ممتحنہ) +

"اگر تم اِن سے تعلقات پیدا کروگے۔ تو یاد رکھو کہ جب کبھی اِن کو موقع ملیگا تو وہ تمہارے ساتھ دشمنی کرینگے۔ وہ نہ صرف تمہارے بارے میں زباندرازی ہی کرینگے۔ بلکہ ہاتھوں سے بھی تمہارا کچومر نکال ڈالینگے" +

حالانکہ میں مذہب کے لحاظ سے مسلمان نہیں تھا۔ بلکہ اسلام کو چھوڑ کر منکرینِ

اسلام کے ساتھ جا ملا تھا۔ اور منکرینِ اسلام کی خاطر میں نے سالہا سال تک اسلام اور اہلِ اسلام کے ساتھ جنگ کیا تھا۔ مگر جب ہی میں نے اُن کے ساتھ عملی طور پر مجلسی تعلق پیدا کیا۔ تو اُنہوں نے اِس تعلق کو اپنی بےعزتی اور ہتک تصور کرکے میرے برخلاف زبان کے ذریعہ۔ قلم کے ذریعہ اور سب سے بڑھ کر ہاتھوں کے ذریعہ جہاد کیا۔ چنانچہ ۳۱۔ جنوری سنہ ۱۹۱۴ء کو جب میں اپنی منکوحہ کے مکان پر پہنچا تو مجھ پر سو سے زیادہ منکرین اسلام نے حملہ کیا۔ میں چونکہ اُسوقت مسیح کی تعلیم کو بہت کچھ درست مانتا تھا۔ اِسلئے جب میرے دشمنوں نے میری ایک گال پر طمانچہ مارا۔ تو میں نے دوسرا گال بھی اُن کے سامنے کر دیا۔ چنانچہ اُنہوں نے اُسپر اِس زور سے طمانچہ مارا کہ زخم ہوگیا۔ اور خون بہنے لگا۔ جب اُنہوں نے میرے کوٹ کو پھاڑ ڈالا۔ تو میں نے کرتہ بھی اُن کے سامنے کر دیا۔ مگر اُنہوں نے اُس کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور میرے تمام جسم کو چور چور کر ڈالا۔ اور قریب تھا کہ وہ مجھے جان سے مار ڈالیں۔ جب میں نے دیکھا کہ مسیح کی تعلیم آڑے وقت پر میرے کام نہیں آسکتی۔ اور وہ مجھے دشمنوں کے نرغہ سے نہیں بچا سکتی۔ تو میں نے قرآن مجید کی اُس تعلیم پر جس پر کہ میں سالہا سال سے اعتراض کرتا چلا آرہا تھا۔ عمل کرنے کی ٹھانی۔ چنانچہ میں کلہاڑا ہاتھ میں لیکر دشمنوں کی طرف لپکا۔ دشمنوں نے جب دیکھا کہ میں نے کلہاڑا اُٹھا لیا ہے۔ تو کہاں تو یہ حالت تھی۔ کہ وہ مجھے بھیڑیوں کی طرح کاٹ رہے تھے۔ اور کہاں اب کلہاڑے کو دیکھ کر اُن کی یہ حالت ہوگئی۔ کہ وہ بھیڑوں کی طرح پیچھے لوٹ کر بھاگے۔ اگرچہ میں زخموں سے نڈھال تھا۔ اور خون جاری تھا۔ مگر جب میں نے منکرین اسلام کو بھیڑوں کی طرح بھاگتے دیکھا تو میں اسلام کی تعلیم کے فوری اثر اور صحیح نتیجہ کو دیکھ کر مسکرانے کے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے اپنے اِس ایک ہی تجربہ اور مشاہدہ سے اپنے لئے یہ نتیجہ نکال لیا۔ کہ قرآن مجید نے جو سلف ڈیفنس یا مدافعت کی تعلیم دی ہے۔ وہ بالکل برحق ہے۔ اور کہ اِس کے بغیر دنیا کا گزارہ ہونا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ اِسی طرح قرآن مجید کی باقی تمام تعلیم تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر برحق ثابت ہوتی ہے +

تریپنویں فصل

دستور العمل

بطور ایک رشنلسٹ کے میرا یہ مطالبہ تھا۔ کہ مذہب وہی ٹھیک ہو سکتا ہے۔ جو لکیر کا فقیر ہونے کی تعلیم نہ دیتا ہو۔ بلکہ وہ اپنے تمام مسائل کو درست ثابت کرنے کے لئے انسانوں کو علم و عقل۔ دلیل و برہان۔ اور تجربہ و مشاہدہ سے کام لینے کی اجازت دیتا ہو یا ایک لفظ میں اُس کا بنیادی اصول رشنلزم ہو۔ قرآن مجید نے اس مطالبہ کو کماحقہ پورا کر دیا اور بتا دیا۔ کہ وہ اپنے ماننے والوں سے کسی قسم کا دماغی ٹیکس نہیں مانگتا۔ نہ ہی وہ دماغی غلامی کی تعلیم دیتا ہے۔ بلکہ وہ انسانوں کو اس قسم کی ہر ایک دماغی غلامی سے آزاد ہونے کی تعلیم دیتا اور تمام باتوں میں علم و عقل۔ دلیل و برہان سے کام لینے اور تجربہ و مشاہدہ کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ جن دینی و دنیوی مسائل کی وہ خود تعلیم دیتا ہے وہ اُن کی حقانیت کے متعلق دلائل۔ براہین قاطع پیش کرتا اور اُن کو پرکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ اور جن مسائل کی دیگر مذاہب تعلیم دیتے ہوں۔ اُن سے وہ اُن مسائل کی حقانیت کے بارے میں دلائل و براہین کا مطالبہ کرتا اور اُن کو پرکھنے کی اجازت چاہتا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی عالمانہ۔ عاقلانہ۔ عادلانہ اور منصفانہ طریقہ ہے۔ جو قرآن پاک حق و باطل کے فیصلہ کے لئے دُنیا کے سامنے پیش کرتا ہے۔ حق و باطل کے فیصلے کے لئے اس سے بہتر معیار۔ یا اس سے بہتر کسوٹی دنیا میں اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ مگر رشنلسٹ ایک اور مطالبہ بھی پیش کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ دنیا کو ایسے مذہب کی ضرورت ہے جو اپنی ذات میں مکمل اور جو انسان کی روزمرہ کی زندگی میں کام آنے والا ہو۔ وہ ایسے مسائل پیش نہ کرتا ہو۔ جن کا انسان کی عملی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو یا جن پر عمل نہ کیا جا سکتا ہو۔ یا اگر اُن پر عمل کیا جاوے تو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ اگر کوئی مذہب علم و عقل۔ دلیل و برہان کی کسوٹی پر تو ٹھیک اُترتا ہو۔ مگر وہ دستور العمل نہ بنایا جا سکتا ہو۔

تو پروٹسٹنٹ ایسے مذہب کو بھی پرے پھینک دیگا۔ کیونکہ ایسے مذہب کو قبول کرنا اپنے دماغ پر فضول بوجھ ڈالنا ہے مثلاً مسیح نے کہا ہے:-

"میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ اگر کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے۔ تو دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دینا۔ اگر کوئی تجھ پر نالش کرکے تیرا کرتہ لینا چاہے تو چوغہ بھی اس کو لے لینے دینا۔ اور اگر کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لیجاوے تو تو اس کے ساتھ دو کوس چلا جا" (متی ۵/۳۹-۴۲)

مسیح کے یہ الفاظ اور انجیل کی یہ تعلیم سفید کاغذ پر خواہ کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ دکھائی دیتی ہو۔ لیکن جب ہی اسکو کاغذ سے الگ کرکے عملی زندگی میں لانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تو یہ قطعی ناکامیاب ثابت ہوتی ہے۔ مسیحی دنیا کی ۱۹ سو سال کی تواریخ شہادت دیتی ہے۔ کہ نہ اس تعلیم کو مسیحی دنیا نے کبھی اپنا دستورالعمل بنایا۔ اور نہ ہی وہ اب اس پر عمل کرتے ہیں۔ بلکہ انکا طرز عمل اس تعلیم سے قطعی مختلف رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ آیا قرآن مجید بھی اس قسم کی ناقابل عمل تعلیم تو ہمارے سامنے پیش نہیں کرتا۔ جب ہم قرآن مجید کو کھولتے ہیں۔ تو ہم اس کو یہ کہتا ہوا سنتے ہیں کہ:-

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۝ وَلَا تُقَاتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْہِ ط فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ ۝ وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ط فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۝ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ (پ۲ - البقر - ع۲۴)

اگر بت پرست اپنے بتوں کی خاطر تم سے جنگ کرتے ہیں۔ تو تم اپنے خدا کی خاطر ان سے اسی قسم کا جنگ کرو۔ یعنی تلوار کے مقابلہ میں تلوار۔ تحریری جنگ کے مقابلہ پر تحریری جنگ اور تقریری جنگ کے مقابلہ پر تقریری جنگ کرو۔ مگر زیادتی مت کرو۔ کیونکہ خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور اگر جنگ چھڑ جائے تو پھر جہاں کہیں اپنے دشمنوں کو پاؤ نیچا دکھاؤ۔ اور جہاں

جہاں سے اُنہوں نے تم کو بیدخل کر دیا تھا۔ تم وہاں وہاں سے اُن کو بیدخل کر دو۔ مگر بیفائدہ فساد مت کرو۔ کیونکہ فساد کرنا قتل سے بڑھ کر بُرا ہے۔ مسجد حرام یا کسی مقدس جگہ یا عبادتگاہ کے نزدیک جنگ مت کرو۔ تا وقتیکہ فریق ثانی ایسا نہ کرے۔ اگر فریق ثانی مسجد حرام یا کسی عبادتگاہ کے نزدیک تم سے جنگ شروع کر دیتا ہے۔ تو پھر تم کو بھی اجازت ہے کہ تم بھی اسی جگہ اُن کا ستھراؤ کر دو۔ کیونکہ ایسے بدذاتوں کو جو کسی مقدس جگہ کی بھی عزت نہ کرتے ہوں۔ ایسی ہی سزا ملنی چاہئے۔ ایسے مفسدہ پردازوں کو اسوقت تک مارتے جاؤ۔ جب تک کہ وہ فساد سے باز نہ آجائیں۔ اور جو لوگ خدا کی پُوجا کرتے ہیں۔ اُن کو تنگ کرنے سے باز آجائیں۔ اگر وہ فساد کرنے سے اور خدا کے پرستاروں کو تنگ کرنے سے باز آجائیں۔ تو پھر تم اُن پر ہاتھ مت اُٹھاؤ۔ کیونکہ بلاوجہ کسی پر ہاتھ اُٹھانا ظالموں کا شیوہ ہے۔ الغرض جو شخص تم پر جس قسم کا ہتھیار اُٹھاتا ہے۔ تم بھی اس پر اسی قسم کا ہتھیار اُٹھاؤ مگر خدا کو حاضر و ناظر سمجھو۔ زیادتی کرنے سے بچو۔ اور خوب جان لو۔ کہ جو لوگ زیادتی کرنے سے بچتے ہیں خدا ان کا ہی ساتھ دیتا ہے۔ قرآن مجید نے ان آیتوں میں نہایت ہی صاف الفاظ میں مدافعت یا سلف ڈیفنس کی جو تعلیم دی ہے وہ ہر ایک پہلو سے قابل تعریف و قابل تسلیم ہے۔ یہی قانون قدرت ہے۔ یہی وہ قانون ہے۔ جس پر تمام دنیا عمل کر رہی ہے۔ یہاں تک کہ مسیحی دنیا بھی اسی قانون پر عمل کرنے کے لئے مجبور رہے۔ اسی طرح مسیح نے کہا ہے کہ:۔

"میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ نہ اپنی جان کے لئے فکر کرو۔ کہ ہم کیا کھائینگے یا کیا پیئینگے۔ یا اپنے بدن کے لئے کہ کیا پہنینگے۔ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بہتر نہیں ہے؟ ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں۔ نہ کاٹتے ہیں۔ نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں۔ تو بھی تمہارا آسمانی باپ اُن کو کھلاتا ہے۔ کیا تم اُن سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ تم میں ایسا کون ہے۔ جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے اور لباس کے لئے کیوں فکر کرتے ہو۔ جنگلی سوسن کے درختوں کو دیکھو کہ وہ کیسے بڑھتے ہیں۔ نہ محنت کرتے ہیں۔ نہ کاتتے ہیں۔ تو بھی میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان و شوکت کے

ان میں سے کسی کی مانند پوشاک پہنے ہوئے نہ تھا پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائیگی۔ ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو۔ تم کو تو ضرور ہی پہناویگا۔ اس لئے فکرمند ہوکر یہہ نہ کہو۔ کہ ہم کیا کھائینگے۔ یا کیا پئینگے۔ یا کیا پہنینگے۔ کیونکہ ان سب چیزوں کی تلاش میں غیر قومیں رہتی ہیں۔ اور تمہارے آسمانی باپ کو معلوم ہی ہے۔ کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو۔ بلکہ تم پہلے اس کی بادشاہت اور راستبازی کی تلاش کرو۔ تو یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائینگی۔ پس کل کے لئے فکر نہ کرو کیونکہ کل کا دن اپنے لئے آپ فکر کرلیگا۔ آج کا دکھ آج کے لئے کافی ہے۔" (متی ٦/ ٢٥-٣٤) +

مسیح کی اس تعلیم کا بھی محض دماغ سے ہی تعلق ہے۔ انسان کی روزمرہ کی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ ہی مسیحی دنیا نے بطور تجربہ اور مشاہدہ کے اس تعلیم پر کبھی عمل کیا۔ نہ ہی مسیحی دنیا اس پر اس وقت عمل کر رہی ہے۔ اس لئے کہ یہ تعلیم محض خیالی ہے۔ دستور العمل بنانے کے لئے نہیں۔ دیکھنا چاہیئے۔ کہ کیا قرآن مجید بھی اسی طریقہ پر ہمیں خدا کی بادشاہت کو تلاش کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ جب ہم قرآن مجید کو کھولتے ہیں۔ تو ہم اس کو یہہ کہتا ہوا پاتے ہیں کہ:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (پ ٢٨ - الجمعہ - ع ٢) +

اے خدا کے پرستارو! جب تم کو ساتویں روز اکٹھے مل کر خدا کی عبادت کرنے کے لئے ندا کی جاوے تو فوراً خرید و فروخت کا کام چھوڑ کر خدا کی عبادت میں شامل ہونے کے لئے بھاگ کر چلے جاؤ۔ اگر تم غور کروگے۔ تو تم کو معلوم ہوجائیگا کہ اس میں تمہارے لئے بہت سے فوائد ہیں۔ مگر جب تم خدا کی عبادت سے فارغ ہوجاؤ۔ تو پھر بدستور سابق اپنے اپنے کاروبار پر چلے جاؤ اور اپنی روزی کمانے کے لئے تم کو جو وسائل دئے ہیں ان وسائل

سے کام لو۔ مگر کاروبار کرتے وقت بھی تم خدا کا ہی ذکر کرتے رہا کرو۔ تاکہ تم خدا کی بادشاہت میں داخل ہو سکو۔ قرآن مجید خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کا جو طریقہ بتاتا ہے۔ وہ نہایت ہی معقول اور قابل عمل ہے۔ چنانچہ مسیحی دنیا بھی بجائے مسیح کے قول پر عمل کرنے کے قرآن مجید کی ہی تعلیم پر عمل کر رہی ہے۔ اسی طرح مسیح سے پوچھا گیا کہ:-

"کیا ہر ایک سبب سے اپنی بیوی کو چھوڑ دینا روا ہے۔ اس نے جواب میں کہا۔ کیا تم نے نہیں پڑھا۔ کہ جس نے انہیں بنایا۔ اس نے ابتدا ہی سے انہیں مرد اور عورت بنا کر کہا۔ کہ اس سبب سے مرد اپنے ماں باپ سے جدا ہو جائیگا۔ اور اپنی بیوی کے ساتھ رہیگا۔ اور وہ دونوں ایک جسم ہو جائیں گے۔ پھر وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔ پس جسے خدا نے جوڑا ہے۔ اسے آدمی جدا نہ کرے۔ انہوں نے اس سے کہا۔ کہ پھر موسیٰ نے کیوں حکم دیا ہے کہ طلاقنامہ دیکر اسے چھوڑ دے۔ اس نے ان سے کہا کہ موسیٰ نے تمہاری سخت دلی کے سبب تمہیں اپنی بیویوں کے چھوڑ دینے کی اجازت دی تھی مگر ابتدا سے ایسا نہ تھا۔ اور میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ جو کوئی اپنی بیوی کو زناکاری کے سوائے کسی اور سبب سے چھوڑ دے۔ اور دوسری سے بیاہ کرے۔ وہ زنا کرتا ہے۔ اور جو کوئی چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے۔ وہ بھی زنا کرتا ہے۔ شاگردوں نے اس سے کہا۔ کہ اگر مرد کا بیوی کے ساتھ ایسا ہی حال ہے۔ تو بیاہ کرنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ اس نے ان سے کہا۔ کہ سب اس بات کو قبول نہیں کر سکتے۔ مگر وہی جنہیں یہ قدرت دی گئی ہے۔ کیونکہ بعض خوجے ایسے ہیں جو ماں کے پیٹ ہی سے ایسے پیدا ہوئے۔ اور بعض خوجے ایسے ہیں جنہیں آدمیوں نے خوجہ بنایا۔ اور بعض خوجے ایسے ہیں جنہوں نے آسمان کی بادشاہت کے لئے اپنے آپ کو خوجہ بنایا۔ جو قبول کر سکتا ہے۔ وہ قبول کرے" (متی ۱۹/۳-۱۲)+

مسیح کی اس تعلیم کا جہاں تک کاغذ سے تعلق ہے۔ یہ چنداں قابل اعتراض معلوم نہیں ہوگی۔ لیکن جب اس تعلیم کو کاغذ سے الگ کر کے انسان کی زندگی کے لئے دستورالعمل

بنانے کا تجربہ کیا جاتا ہے۔ تو اس میں ناکامیابی ہوتی ہے۔ خود مسیحی دنیا اس بات کی شاہد ہے۔ کہ مسیح کی یہ تعلیم بطور تجربہ اور مشاہدہ کے قطعی ناکامیاب رہی ہے۔ جس طلاق کے برخلاف مسیح نے آواز اُٹھائی تھی۔ آج اسی طلاق کے مسئلہ پر مسیحی دنیا میں زور شور سے عمل ہو رہا ہے۔ اور اس کے بغیر مسیحی دنیا کا گذارہ محال ہے۔ آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لئے مسیح نے جو خوجہ ہونے کے حق میں آواز بلند کی تھی۔ مسیحی دنیا نے اس خوجہ سسٹم کو بھی اپنا دستور العمل بنانے سے انکار کر دیا۔ مگر کیا قرآن مجید بھی خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے کے لئے کوئی اسی قسم کی شرط پیش کرتا ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ وہ کہتا ہے کہ:۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۔ (پ۲۔ البقرہ۔ ع۲۳)۔

بیوی کیا ہے؟ وہ خاوند کو دنیا کے سرد گرم سے بچانے والی ہے خاوند کیا ہے؟ وہ بیوی کو دنیا کے سرد و گرم سے بچانے والا ہے دونوں ایک دوسرے کے محافظ ہیں۔ اسی حفاظت کی خاطر قرآن مجید حکم دیتا ہے کہ:۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَائِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

(پ۱۸۔ النور۔ ع۴)۔

اگر تم میں کوئی مرد رنڈوا ہو جائے یا کوئی عورت بیوہ ہو جائے۔ تو اُن کا عقد ثانی کر دو بلکہ تمہارے غلاموں اور لونڈیوں میں سے بھی جو نیک ہوں۔ اُن کا بھی نکاح کر دو۔ اگر وہ محتاج ہونگے۔ تو خدا اپنے فضل و کرم سے اُن کو دولت کمانے کی توفیق دے دیگا۔ خدا ان کی ضرورتوں اور تقاضاؤں سے بہت زیادہ واقف ہے۔ مگر انسان خود بھی تو اس بات سے واقف ہے۔ کہ اس کی فطرت کا تقاضا کیا ہے۔ مسیح نے طلاق کے برخلاف آواز اٹھائی۔ اور طلاق دی ہوئی عورت یا طلاق دیئے گئے مرد کا عقد ثانی زناکاری بتلایا۔ لیکن انسان کی فطرت نے اس کو قبول نہ کیا۔ اسی طرح سوامی دیانند نے طلاق اور عقد ثانی کے برخلاف آواز اٹھاتے ہوئے عقد ثانی کے مفصلہ ذیل نقائص بیان کئے ہیں۔

(۱) عورت اور مرد میں محبت کا کم ہونا جب چاہے تب مرد کو عورت۔ اور عورت کو مرد چھوڑ کر دوسرے کے ساتھ تعلق کر لے۔

(۲) جب عورت اپنے خاوند کے مرنے یا مرد اپنی عورت کے مرنے پر دوسرا

بیاہ کرنا چاہیں۔ تب پہلی عورت کی یا پہلے خاوند کی جائداد کو اڑا لیجانا اور ان کے کنبہ والوں کا اُن سے جھگڑا کرنا۔

(۳) بہت سے اچھے خاندانوں کا نام و نشان بھی مٹ کر ان کی جائیداد کا برباد ہو جانا۔

(۴) پتی برت اور استری برت دھرموں کا برباد ہو جانا۔ اس قسم کے نقصوں کے سبب دو یجوں میں پنر وواہ (عقد ثانی) یا ایک سے زیادہ وواہ کبھی نہیں ہونے چاہئیں۔ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۴۶"۔

سوامی دیانند نے عقد ثانی کے مذکورہ بالا عیوب بتا کر دو یجوں یعنی برہمن کھشتری ویش کے ورن کے رنڈوے مردوں اور رنڈوی عورتوں کو عقد ثانی سے منع کر دیا لیکن اگر عقد ثانی کے بغیر خاندان کے معدوم ہو جانے یا زناکاری وغیرہ کا اندیشہ ہو۔ تو اس کا جواب سوامی دیانند نے یہ دیا کہ:۔

"اگر عورت اور مرد برہمچرج میں قایم رہنا چاہیں۔ تو کوئی بھی خرابی برپا نہ ہو گی۔ اور اگر خاندان کے سلسلہ کو جاری رکھنے کے لئے کسی اپنے ذات والے کا لڑکا گود لے لینگے۔ تو اس سے خاندان چلیگا۔ اور زنا کاری بھی نہ ہو گی۔ اور اگر برہمچرج نہ رکھ سکیں۔ تو نیوگ کر لیں۔ ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۴۷"

سوامی دیانند نے طلاق اور عقد ثانی کی تو مخالفت کر دی۔ مگر اس کا بدل نیوگ بتایا نیوگ کیا ہے؟ اور طلاق۔ نیوگ اور عقد ثانی میں کیا فرق ہے۔ اس کے متعلق سوامی دیانند لکھتا ہے:۔

"بیاہ کرنے میں لڑکی اپنے باپ کا گھر چھوڑ خاوند کے گھر جاتی ہے۔ مگر بیوہ عورت اُس بیاہے خاوند کے گھر میں رہتی ہے گو نیوگ ہو جاوے تو بھی اُس بیاہی عورت کے لڑکے اسی بیاہے خاوند کے وارث ہوتے ہیں۔ مگر نیکتا (جس نے نیوگ کیا ہو) عورت کے لڑکے ویرج داتا کے نہ بیٹے کہلاتے ہیں نہ اُس کا گوتر ہوتا ہے اور نہ اُس کا اختیار اُن لڑکوں پر رہتا ہے۔ بلکہ وے متوفی خاوند کے بیٹے کہلاتے ہیں اُسی کا گوتر رہتا ہے اور اُسی کی جائداد کے وارث ہو کر اُس کے گھر میں رہتے

ہیں + ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۴۷"

"اگر مرد اپنے لئے نیوگ کرے۔ تو بھی دوسرے حمل کے ٹھہرنے سے تعلق قطع ہو جاتا ہے۔ لیکن وہی نیوگ شدہ عورت دو تین برس اُن لڑکوں کی پرورش کرکے نیوگ شدہ مرد کو دیدے" ستیارتھ پرکاش صفحہ ۱۴۸

"بیاہی عورت اور مرد کو باہم خدمت اور پرورش کرنی لازمی ہے مگر نیوگ شدہ عورت مرد کا اس قسم کا کوئی تعلق نہیں رہتا" ستیارتھ صفحہ ۱۴۷+

"اگر بیاہا خاوند دھرم کی غرض سے غیر ملک میں گیا ہو تو بیاہی عورت آٹھ برس اور اگر علم و نیکنامی کے لئے گیا ہو تو چھ برس اور دولت وغیرہ بھوگ کے لئے گیا ہو تو تین برس تک انتظار کرکے پھر نیوگ کرکے اولاد پیدا کرے۔ جب شادی شدہ خاوند آوے۔ تب نیوگ شدہ خاوند سے قطع تعلق ہو جائے۔ ویسے ہی مرد کے لئے بھی قاعدہ ہے" ستیارتھ صفحہ ۱۵۵

"بیاہی عورت مرد کا تعلق دونوں کی موت تک رہتا ہے مگر نیوگ شدہ عورت مرد کا تعلق کاریہ کے بعد چھوٹ جاتا ہے" ستیارتھ صفحہ ۱۴۷۔

"بیاہے مرد اور عورت باہم گھر کے کاموں کو سرانجام دینے میں کوشش کیا کرتے ہیں اور نیوگ شدہ عورت مرد اپنے اپنے گھر کا کام کیا کرتے ہیں" ستیارتھ صفحہ ۱۴۷+

"بیاہی عورت مرد مل کر دس اولاد پیدا کر سکتے ہیں مگر نیوگ شدہ عورت مرد دو یا چار سے زیادہ اولاد پیدا نہیں کر سکتے" ستیارتھ صفحہ ۱۴۷

"ایک بیوہ عورت دو اولاد اپنے لئے اور دو دو دیگر چار نیوگ شدہ مردوں کے لئے پیدا کر سکتی ہے۔ اور ایک رنڈوا مرد بھی دو اولاد اپنے لئے اور دو دو دیگر چار بیوگان کے لئے پیدا کر سکتا ہے۔ اسی طرح مل کر دس دس اولاد پیدا کرنے کی اجازت وید میں ہے" ستیارتھ صفحہ ۱۴۸+

"جیسے کنوارے اور کنواری کا بیاہ ہوتا ہے۔ ویسے جس کی عورت یا مرد مر جاتا ہے۔ ان ہی کا نیوگ ہوتا ہے۔ کنواری کنوارے کا نہیں"+

"عورت بانجھ ہو تو آٹھویں برس اولاد ہو کر مر جائے تو دسویں برس جب

جب اولاد ہو۔ تب تب لڑکیاں ہی ہوں۔ لڑکے نہ ہوں۔ تو گیارھویں برس تک اور جو بدکلام بولنے والی ہو تو جلدی ہی اُس عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت سے نیوگ کرکے اولاد پیدا کرے۔ ویسے ہی اگر مرد نہایت تکلیف دہندہ ہو۔ تو عورت کو چاہیئے کہ اُس کو چھوڑ کر دوسرے مرد سے نیوگ کرا اولاد پیدا کرکے اُس بیاہے خاوند کی وارث پیدا کرے" ستیارتھ صفحہ ۱۵۵

"سوال۔ یہ نیوگ کی بات زناکاری کی مانند نظر آتی ہے۔ جواب۔ جیسے بیاہے لوگوں کی مجامعت زناکاری ہوتی ہے۔ ویسے جو نیوگ شدہ نہیں اُن کی زناکاری کہلاتی ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا۔ کہ جیسے قواعد کے مطابق بیاہ ہونے پر زناکاری نہیں کہلاتی۔ تو باقاعدہ نیوگ ہونے پر زناکاری نہ کہلائیگی جیسے ایک کی لڑکی کا دوسرے کے کمار کے ساتھ شاستر کے فرمودہ طریقہ کے مطابق بیاہ ہونے پر مجامعت میں زناکاری یا گناہ یا شرم نہیں ہوتا۔ ویسے ہی وید شاستروں کے فرمان کے مطابق نیوگ میں گناہ اور زناکاری نہ ماننا چاہیئے" ستیارتھ صفحہ ۱۴۹۔

"یہ ہے تو ٹھیک لیکن یہ بیسوا کا سا کام نظر آتا ہے۔ جواب۔ نہیں کیونکہ رنڈی بازی میں کوئی مقرر آدمی یا کوئی قاعدہ نہیں ہے۔ اور نیوگ میں بیاہ کی مانند قواعد ہیں" ستیارتھ صفحہ ۱۴۹

"اے عورت تجھ کو جو تیرا پہلا بیاہا خاوند ملتا ہے۔ اُس کا نام کنوار پن وغیرہ اوصاف والا ہونے سے سوم ہے۔ جو دوسرا نیوگ سے حاصل ہوتا ہے وہ ایک عورت سے ہمبستری ہو چکنے سے گندھرو ہے۔ جو دو کے پیچھے تیسرا خاوند ہوتا ہے وہ بہت حرارت رکھنے سے اگنی نام والا اور جو تیسرے چوتھے سے لیکر گیارھویں تک نیوگ سے خاوند ہوتے ہیں وے منش نام سے موسوم ہوتے ہیں۔ جیسے دو امام قومندر ااستر سے گیارھویں مرد تک عورت نیوگ کرسکتی ہے۔ ویسے مرد بھی گیارھویں عورت تک نیوگ کرسکتا ہے" ستیارتھ صفحہ ۱۵۳۔

"سوال۔ ہم کو نیوگ کی بات میں گناہ معلوم ہوتا ہے۔ جواب اگر نیوگ

کی بات میں گناہ مانتے ہو۔ تو بیاہ میں کیوں گناہ نہیں مانتے ہو۔ گناہ تو نیوگ کے رد کرنے میں ہے۔ کیونکہ ایشور کے سلسلہ کائنات کے مطابق عورت و مرد کا فطرتی عمل رک ہی نہیں سکتا۔ بجز تارک الدنیا۔ عالم باکمال اور یوگیوں کے" ستیارتھ ص ۱۴۹ ۔

"اب اس پر عورت اور مرد کو دھیان رکھنا چاہیئے کہ ویرج اور رج کو بے بہا سمجھیں۔ جو کوئی اس بیش قیمت چیز کو بیگانی عورت۔ رنڈی یا برے مردوں کی صحبت میں کھوتے ہیں۔ وے بڑے بے عقل ہوتے ہیں کیونکہ کسان یا مالی جاہل ہو کر بھی اپنے کھیت یا باغیچہ کے سوائے اور کہیں بیج نہیں بوتے۔ جبکہ معمولی بیج اور جاہل کا ایسا دستور ہے تو جو شخص سب سے اعلیٰ انسانی درخت کے بیج کو برے کھیت میں کھوتا ہے۔ وہ بھاری بیوقوف کہلاتا ہے کیونکہ اس کا پھل اس کو نہیں ملتا" ستیارتھ ص ۱۵۱ ۔

"نیوگتا عورت کے اچھے ویرج داتا کے نہ بیٹے کہلاتے ہیں نہ اس کا گوتر ہوتا ہے۔ اور نہ اس کا اختیار ان لڑکوں پر رہتا ہے" ستیارتھ ص ۱۴۰

"اگر عورت حاملہ ہو۔ دائم المریض یا مرد دائم المریض ہو جائے۔ اور دونوں کا عالم شباب ہو۔ اور رہا نہ جائے۔ تو پھر کیا کریں" ستیارتھ ص ۱۵۰

نیوگ کی یہ تصویر جو سوامی دیانند کھینچتا ہے۔ وہ خواہ دیکھنے میں خوبصورت نہ ہو۔ لیکن اگر وہ عملی دنیا میں کام کر کے دکھا دے۔ تو اس کی بدصورتی عمل کے جامہ میں چھپائی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر یہ تصویر عمل کی دنیا میں چلنے پھرنے کے قطعی ناقابل ثابت ہو۔ تو سمجھنا چاہیئے۔ کہ یہ نیوگ۔ محض خیالی تصویر ہے۔ جو سوامی دیانند نے اتاری۔ اور وہ بھی کوئی خوبصورت تصویر نہیں۔ جب اس سوال کے جواب کی تلاش کی جاتی ہے۔ کہ آیا نیوگ بتجربہ اور مشاہدہ کے طور پر آریہ سماج میں کام کر رہا ہے یا نہیں۔ تو ہمیں اس کا جواب بالکل نفی میں ملتا ہے۔ صرف یہی نہیں کہ آریہ سماج اس مسئلہ پر عمل نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اس مسئلہ کے قطعی برخلاف عقد ثانی پر عمل کر رہا ہے۔ چنانچہ اس وقت تک وہ اپنے کثرت سے رنڈوے مردوں اور رنڈوی عورتوں کا عقد ثانی کر چکا ہے۔ گو عقد ثانی قرآن مجید کی تعلیم ہے۔ اس سے

ثابت ہوتا ہے۔ کہ قرآن مجید کا یہ دعویٰ بالکل درست ہے کہ :-

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (پ۱۸ - ع۱)

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن مجید نازل کیا۔ تاکہ وہ ہر ایک دنیا کے انسانوں کے لیئے بطور نذیر کے ہو۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (پ۲۲ - ع۹)

ہم نے تجھ کو کسی خاص گروہ یا قوم یا ملک کی طرف ہی نہیں بھیجا۔ بلکہ زمین و آسمان میں جس وجود پر بھی انسان کا لفظ عائد ہو سکتا ہے۔ اُن سب انسانوں کے لیے ہم نے تجھ کو صراط مستقیم کی خوش خبری دینے والا۔ اور بُرے راستوں کے خطرات سے آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ کثرت سے انسان قرآن شریف کے اس احسان کو نہیں جانتے۔ مسیحی دنیا نے مسیح کی تعلیم کے قطعی برخلاف طلاق کے مسئلہ کی ضرورت کو محسوس کیا انہوں نے قرآن مجید کی نقل تو کی۔ مگر پوری طرح نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آج مسیحی دُنیا نے طلاق کے مسئلہ کو محض ایک کھلونا بنا رکھا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر طلاق دی جاتی ہے۔ اسی طرح سوامی دیانند نے عقد ثانی اور طلاق کا قایم مقام نیوگ کو بنایا۔ مگر انسانی فطرت نے نیوگ کو قبول نہ کیا۔ اب دیکھنا چاہیے۔ کہ آیا قرآن مجید طلاق کے بارے میں یہی تعلیم دیتا ہے۔ جسکو کہ مسیحی اور آریہ سماجی اصحاب نے اپنے لئے دستور العمل بنایا ہے یا کچھ اور؟ قرآن مجید کہتا ہے:-

وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ (پ۵ - النساء - ع۳)

اوّل - اگر تمہیں اندیشہ ہے۔ کہ عورت بگڑ رہی ہے۔ تو پہلے اس کو نرمی سے سمجھاؤ۔

دوئم - لیکن اگر وہ تمہارے پند و نصائح پر کان نہ دھرے۔ اور بگڑتی ہی چلی جاوے

تو اس کو دوسری سزا یہ دو۔ کہ اس کے ساتھ بولنا چلنا اور لیٹنا سونا بند کر دو۔

سوئم۔ اگر وہ اس سے بھی سیدھی نہ ہو۔ تو زجر و توبیخ سے کام لو۔ اگر وہ سیدھی ہو جائے۔ تو اس کی گذشتہ لغزشوں کو بھول جاؤ اور اُن لغزشوں کا اس کے سامنے محض اس کو چڑانے کے لئے ذکر مت کرو۔

چہارم۔ لیکن اگر وہ زجر و توبیخ سے بھی سیدھی نہ ہو۔ تو پھر اپنے جھگڑے کا فیصلہ کرنے کے لئے عورت کے رشتے داروں میں سے اور اپنے رشتہ داروں میں سے اور ایسے عقلمند اور ہمدرد صحاب کو جو بزرگ ہوں۔ اُن کو اپنا ثالث بناؤ۔ امید ہے وہ میاں بیوی کے جھگڑے کا بخوبی فیصلہ کر دینگے۔ اگر ان تمام کوششوں کے باوجود میاں بیوی کی صلح نہیں ہوتی۔ تو پھر طلاق کے ذریعہ علاج کرو۔ وہ کیا؟ وہ یہ کہ:۔

اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ (پ۲۸۔ الطلاق۔ ۱)۔

اگر اپنی بیوی کو طلاق ہی دینا ہو۔ تو اسکو اسوقت طلاق دو۔ جبکہ وہ ماہواری ایام سے پاک ہو اس کے بعد تم دوسرے ماہواری ایام تک انتظاری کرو۔ مگر خبردار۔ پہلی ہی دفعہ طلاق کا لفظ ادا کرنے پر اُن کو گھر سے خارج نہ کر دو۔ نہ ہی وہ گھر سے باہر جائیں۔ سوائے اس صورت کے کہ وہ کھلم کھلا بدکاری کرنے لگ جائیں۔

لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا (ایضاً)

انکو پہلے ہی ماہ میں گھر سے باہر نہ نکال دینے یا اُن کے خود بخود گھر سے نہ نکل جانے میں بڑی بھاری مصلحت یہ ہے۔ کہ ممکن ہے۔ دوسرے ایام ماہواری کے ہونے تک میاں بیوی میں صلح ہو جائے۔ یا ممکن ہے۔ خدا کی قدرت ایسی ہو کہ عورت حاملہ ہو تو بھی اس کو گھر سے نہیں نکالنا چاہئے۔ لیکن اگر اس اثناء میں میاں بیوی کی صلح نہ ہو۔ تو پھر دوسرا چانس دیا جاوے۔ اگر دوسرا چانس بھی بیفائدہ جائے۔ تو پھر تیسرا چانس ہے۔

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ۔ (ایضاً)

یہ آخری چانس ہے۔ اگر اس چانس کے گذرنے سے پہلے پہلے صلح صفائی ہو جائے۔ تو خاوند کو چاہیئے۔ کہ بیوی کو اچھی طرح گھر میں بسائے رکھے۔ لیکن اگر اب بھی صلح صفائی نہیں ہوتی۔ تو مرد کو چاہیئے۔ کہ وہ عورت کو بے عزتی کر کے نہیں بلکہ بطور شریف آدمی کے نہایت ہی شرافت کے ساتھ دو گواہوں کی موجودگی میں گھر سے رخصت کر دے ؂

وَلَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْھُنَّ شَیْئًا (پ۲۔ البقرہ ع۲۹)

طلاق سے پیشتر عورت کو جسقدر زیور یا کپڑے وغیرہ دیئے گئے ہوں۔ مرد کو کوئی حق نہیں ہے۔ کہ وہ اُن کو عورت سے چھین لے۔ نہ ہی عورت کو حق ہے۔ کہ اس نے مرد کو اگر کچھ روپیہ وغیرہ دیا ہو۔ وہ اُس کو واپس لے۔ ہاں اگر ایسا کرنا ہو تو باہمی رضامندی سے کر سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں طلاق کے متعلق جن دیگر احتیاطوں اور پابندیوں کی ضرورت ہے۔ قرآن مجید نے اُن کو بھی بوضاحت بیان کر دیا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ گو قرآن مجید نے مرد اور عورت کی جدائی کی نہایت ہی مجبوری اور لاچاری کی حالت میں اجازت دے تو دی ہے۔ مگر اس کے ساتھ جن شرائط کو مدنظر رکھنے کی تاکید کی ہے۔ اگر اُن کو کماحقہ مدنظر رکھا جائے۔ تو اس علیحدگی سے جو باہمی رنجش و بدمزگی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس میں بہت کچھ کمی آ سکتی ہے اور تعجب نہیں۔ کہ میاں بیوی کو بدستور سابق مل جل کر رہنے کا موقع مل سکے۔ اس کے برعکس بیچی دنیا میں طلاق کے مسئلہ پر جس طریقہ سے آجکل عمل ہو رہا ہے۔ قرآن مجید کے نزدیک وہ پسندیدہ نہیں ہے۔

اسی طرح سوامی دیانند نے جو نیوگ کے مسئلہ میں یہ تعلیم دی ہے کہ عورت کو نہ باقاعدہ طلاق دی جاوے نہ اُس کو گھر میں بسایا جاوے۔ بلکہ مرد دوسری عورت سے نیوگ کرے قرآن مجید اس کے متعلق فرماتا ہے کہ :۔

وَلَا تُمْسِکُوْھُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ (پ۲۔ البقرہ ع۲۹)

عورت کو نہ طلاق دینا۔ نہ اُس کو باقاعدہ گھر میں بسانا۔ بلکہ اُس کو بیچ میں ہی لٹکتے رہنے دینا بڑا بھاری ظلم ہے۔ تم کو ایسا ظلم نہیں کرنا چاہیئے۔ اسی طرح عورت کا باقاعدہ طلاق لینے کے بغیر اپنے پہلے خاوند کو چھوڑ کر دوسرے مرد کے پاس چلے جانا بھی

قرآن مجید نے بہت معیوب بتایا ہے۔ اور ایسی عورتوں کو

مُسٰفِحٰتٍ۔ مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ۔ (پ۵۔ ع)

کے نام سے پکارا ہے۔ یعنی محض مستی نکالنے کے لئے غیر مردوں کے ساتھ یارانہ گانٹھنے والی عورتیں اسی طرح مردوں کے حق میں فرمایا ہے۔ کہ:

تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ (پ۵۔ النساء ع)

تم اپنے مال و دولت کو شہوت رانی میں خراب مت کرو کرو۔ بلکہ جس طرح تم شریف ہو اسی طرح تم شریف عورتوں کے ساتھ باقاعدہ نکاح کرو۔ لیکن

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ (پ۵۔ النساء ع)

اگر تمہاری حالت ایسی ہے۔ کہ تم کسی شریف خاندانی عورت سے شادی نہیں کر سکتے ہو۔ تو تم کسی مومنہ لونڈی سے ہی شادی کر لو۔ خدا تمہارے دل کی حالت کو بخوبی جانتا ہے بس لونڈیوں کے ساتھ جو تمہاری ہی جنس سے ہیں۔ اُن کے آقاؤں کی اجازت لیکر باقاعدہ شادی کر لو۔ اور دستور کے مطابق مہر ادا کر دو۔ مگر شرط یہ ہے۔ کہ وہ تمہاری بیاہتا بیوی ہو کر رہنا پسند کریں۔ یہ نہ ہو۔ کہ وہ محض مستی نکالنے کے لئے تمہارے ساتھ یارانہ گانٹھنا چاہتی ہوں۔ اگر اُن میں سے کوئی باقاعدہ شادی ہو جانے کے بعد بدکاری کریں تو جو سزا شریف عورتوں کو اسی قسم کے فعل بد کے لئے دی جاتی ہے۔ اس سے آدھی اُن کو دی جاوے۔ قرآن مجید کی یہ آیتیں اس قسم کے تعلقات کی جن کو کہ سوامی دیانند نے نیوگ کے نام سے پکارا ہے۔ اجازت نہیں دیتیں۔ بلکہ وہ معاملہ کو بالکل صاف کرنے کی تعلیم دیتی ہیں۔ یعنی یا تو کھلم کھلا نکاح کر کے دونوں بطور میاں بیوی کے رہو۔ اگر نہیں رہ سکتے۔ تو طلاق کے ذریعہ الگ ہو جاؤ۔ یہ نہیں کہ

" اگر عورت حاملہ ہو یا دائم المریض یا مرد دائم المریض ہو۔ اور دونوں کا عالم

مشتاب ہو۔ اور رہا نہ جائے۔ ستیارتھ صفحہ ۱۵۲

تو وہ نیوگ کر لیں۔ قرآن مجید اس کی اجازت نہیں دیتا۔ مذکورہ بالا بیان سے یہ بات ثابت ہو گئی۔ کہ قرآن مجید انسان کی مجلسی اور مذہبی مشکلات کو حل کرنے کے لئے کسی دوسری کتاب یا کسی دوسرے قانون کا محتاج نہیں ہے۔ بلکہ دیگر مذاہب بھی باوجود اپنی دینی کتب کے قرآن مجید کے بیان کردہ مسائل سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس کی ایک مثال اور لیجئے قرآن مجید فرماتا ہے کہ:۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ
وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ
وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ
اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ
تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ
مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ۔ (پ ۴ - النساء ع ۴)

تمہارے لئے مفصلہ ذیل عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے (۱) تمہاری مائیں۔ (۲) تمہاری بیٹیاں (۳) تمہاری بہنیں۔ (۴) تمہاری پھوپھیاں (۵) تمہاری خالائیں (۶) بھتیجیاں۔ (۷) بھانجیاں (۸) تمہاری رضاعی مائیں۔ (۹) اور تمہاری دودھ شریکی بہنیں۔ (۱۰) تمہاری ساسیں (۱۱) اور جن بیویوں کے ساتھ تم صحبت کر چکے ہو۔ ان کی پہلے خاوندوں کی لڑکیاں جو تمہاری گود میں پرورش پا رہی ہیں۔ اگر تم نے ان بیویوں کے ساتھ صحبت نہیں کی تو امر دیگر ہے (۱۲) تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں (۱۳) اور ایک ہی وقت میں دو بہنوں سے شادی کرنا بھی تمہارے لئے حرام ہے۔ اگر وید یا اناجیل اربعہ سے اس سوال کا جواب مانگا جاوے۔ کہ کن کن عورتوں سے شادی کرنی حرام ہے۔ تو وہ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکینگے۔ وید و اناجیل کو یا تو قرآن مجید سے اپنی اس مشکل کو حل کروانا ہوگا۔ یا اُن کو اپنے سے باہر جا کر کسی دوسری کتاب سے مدد لینی پڑیگی جس طرح مسیحی لوگوں کو اپنی شادی یا طلاق کے لئے گورنمنٹ سے قانون بنوانا پڑا ہے اسی طرح ہندوؤں کو بیوگان کی شادی کے لئے گورنمنٹ سے قانون پاس کروانا پڑا۔ برہمو لوگوں کو سول میرج ایکٹ سے مدد لینی پڑی۔ سکھوں کو آنند میرج ایکٹ بنوانا پڑا۔ مگر قرآن مجید

اس قسم کے کسی مسئلہ کے حل کے لئے دنیا کی کسی گورنمنٹ کے دروازہ پر قانون بنوانے کے لئے نہیں جاتا۔ اِس لئے کہ وہ اپنی ذات میں ایک مکمل قانون ہے اور وہ بیرونی مدد کا محتاج نہیں ہے۔ جن کتابوں کی تعلیم روزمرہ کی زندگی میں کام آنے والی نہ ہو۔ یا لوگ اُن کی تعلیم پر عمل نہ کرتے یا نہ کر سکتے ہوں۔ قرآن مجید نے ایسے مذہب اور ایسی مذہبی کتاب اور اُس کے ماننے والوں کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:-

مَثَلُ الَّذِیۡنَ حُمِّلُوا التَّوۡرٰىۃَ ثُمَّ لَمۡ یَحۡمِلُوۡہَا کَمَثَلِ الۡحِمَارِ یَحۡمِلُ اَسۡفَارًا (الجمعة - ۵)

ہر ایک ایسی کتاب جس کو لوگ سروں پر تو اُٹھائے پھرتے ہوں مگر وہ نہ تو اس کے احکام پر عمل کرتے ہوں نہ ہی اس کے احکام دستور العمل بنائے جانیکے لائق ہوں وہ کتاب اُٹھانے والوں کو کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔ بلکہ اُن لوگوں پر چارپایہ بر وکتابے چند کی مثال صادق آتی ہے یہی وہ بات ہے۔ جو رشیئنلسٹ کہتا ہے۔ قرآن مجید رشینلسٹ کے اس مطالبہ کو کماحقہٗ پورا کرتا ہے۔

چونویں فصل

آخری مطالبہ

قرآن مجید رشینلسٹ کے تمام مطالبات کو پورا کر چکا ہے۔ اب صرف اس کا آخری مطالبہ باقی ہے۔ چونکہ رشینلزم انسان کو قدرتاً تنگ دلی۔ تنگ ظرفی۔ مذہبی۔ ملکی۔ قومی۔ نسلی۔ یا پیدائشی تعصبات سے آزاد کر کے اسکو اس قدر وسیع النظر اور وسیع الخیال بنا دیتا ہے کہ وہ دنیا کے ہر ایک ملک ہر ایک قوم۔ ہر ایک طبقہ اور ہر ایک مذہب کی اُن صداقتوں کے سامنے جو کہ عالمگیر صداقتیں ثابت ہو چکی ہوں۔ سر جھکانے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے۔ نہ صرف صداقتوں کے سامنے بلکہ وہ دُنیا کے اُن مقدس انسانوں کو بھی جنہوں نے بنی نوع انسان کی بڑی بھاری خدمات کی ہیں نہایت ہی عزت کی نگاہ سے دیکھنے اور اُن کو سر آنکھوں پر جگہ دینے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔ بنا بریں وہ یہ مطالبہ کرتا ہے کہ مذہب وہی عالمگیر ہو سکتا یا ہونے کا حق رکھتا ہے۔ جو بنی نوع انسان کو بطور عالمگیر برادری کے اپنی آغوش محبت میں لینے کا نہ صرف مدعی ہو۔ بلکہ اس نے ایسا کر دکھا دیا ہو۔ اگر کوئی مذہب اصولوں کے لحاظ سے عالمگیر ہونے کا تو دم بھرتا ہو۔ مگر وہ عملی طور پر بنی نوع انسان کی عالمگیر برادری نہ بناتا ہو۔ تو ایسا مذہب رشینلسٹ کے نزدیک کسی صورت میں قابل تسلیم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ دنیا کو خشک فلاسفی یا مُلّا ازم کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ دُنیا مُلّا ازم سے تنگ آ چکی ہے۔ اس لئے کہ مُلّا ازم نے آج تک انسان کو انسان کا دشمن بنانے اور مذہبی تفرقات کو بڑھانے کے سوائے کوئی عملی کام کر کے نہیں دکھایا۔ ایسی تمام خشک فلاسفی جو ہماری روزمرہ کی ضرورتوں میں کام آنے کے ناقابل ہو خشک گھاس کی طرح بھاڑ میں جھونکنے کے لائق ہے۔ نہ کہ بطور مذہب کے قبول کئے جانے کے قابل ہے۔ اس لئے کہ مذہب کو مدعا انسان کی مشکلات کو حل کرنا یا اس کی مصائب کو ہلکا کرنا ہے۔ لیکن اگر کوئی مذہب انسان کی

مشکلات کو حل کرنے کی بجائے اُسکو نئی الجھنوں۔ گورکھ دھندوں اور نئی مشکلات میں پھنسا
دیتا ہے۔ تو وہ مذہب مذہب نہیں ہے۔ بلکہ آفت ہے۔ رشینلزم کی دُنیا اس قسم کی آفات
سے تنگ آچکی ہے۔ مذہبی دنیا کی بڑی بھاری خرابی جس کے برخلاف رشینلزم پروٹسٹ
کرتا ہے۔ تنگ دلی۔ تنگ نظری و تنگ ظرفی ہے۔ ایک مذہب کے ماننے والے دوسرے
مذاہب کی صداقتوں اور اُس کے صادق انسانوں کو مذہبی جنون سے متحرک ہو کر روند ڈالنا
اپنے مذہب کی خدمت سمجھتے ہیں۔ ویدوں کے ماننے والے کو ویدک رشیوں کے سوائے
دُنیا میں اور کوئی رشی نظر نہیں آئیگا۔ وہ نہ مسیح کو رشی مانیں۔ نہ محمدؐ کو۔ نہ یہودیوں اور پارسیوں
کے نبیوں کو رشی تسلیم کریں۔ انجیل کے ماننے والوں کو مسیح کے سوائے باقی تمام دُنیا
"بٹ ماروں" سے بھری ہوئی معلوم ہوگی۔ وہ نہ ویدوں کے رشیوں کو رشی تسلیم کریں۔ نہ
پارسیوں کے نہ اسلام کے نبی کو نبی مانیں۔ یہودیوں کے نزدیک نہ مسیح ماننے کے لائق
نہ انجیل نہ محمدؐ نہ انجیل نہ قرآن مجید قابل تسلیم۔ نہ ویدوں کے رشی۔ نہ پارسیوں کے نبی۔
جب ان مذاہب کی طرف سے ایک دوسرے کے نبیوں۔ رسولوں۔ رشیوں۔ منیوں تک
کو روندا جارہا ہو۔ اس صورت میں بنی نوع انسان کی عالمگیر برادری کا پیدا ہونا کیونکر ممکن
ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا قرآن مجید اور اسلام بھی ہمیں اسی قسم کی لٹھ بازی سکھاتا ہے
یا وہ بہتر تعلیم دیتا ہے۔ اگر وہ اسی قسم کی لٹھ بازی سکھاتا ہو۔ تو خواہ اس کے مسائل علم
وعقل۔ دلیل و برہان۔ تجربہ و مشاہدہ۔ دستور العمل وغیرہ اوصاف سے متصف بھی کیوں
نہ ہوں مگر رشینلسٹ اُسکو پرے پھینک دیگا۔ جب ہم اس بات کا فیصلہ کرنے کے لئے
قرآن مجید کو کھولتے ہیں۔ تو ہم اس کو یہ کہتا ہوا سُنتے ہیں کہ:۔

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ
لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا
رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ
صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ
وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ (پ۱۷ الحج)

جو لوگ کسی قسم کا فساد نہیں کرتے۔ جو بے ایذا طریقہ پر خدا کی پوجا کرنے والے ہیں
اگر ان کی خدا پرستی ہی جرم سمجھی جاتی ہو اور اسی بنا پر مخالفین ان کے ساتھ دنگہ فساد جنگ و جدل

کرتے اور ان پر ظلم ڈھاتے ہوں۔ تو انصاف اجازت دیتا ہے۔ کہ ایسے ظالموں کے ساتھ جنگ کرو۔ کیونکہ اگر ایسے ظالموں کے ہاتھ کو پکڑا نہیں جائیگا۔ تو یہ لوگ مندروں کو۔ گرجاؤں کو۔ عبادتخانوں کو۔ اور مسجدوں کو جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے۔ تباہ کر ڈالیں گے جو لوگ ظالموں کو ظلم سے باز رکھنے۔ اور مقدس جگہوں کو بچانے میں مدد کرینگے۔ خدا بھی اُن کی مدد کریگا۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ قرآن مجید نہ صرف مسجدوں کی حفاظت کی تعلیم دیتا ہے بلکہ وہ دیگر مذاہب کی عبادتگاہوں کو بھی ظالموں کے ہاتھ سے بچانے کی تاکید کرتا ہے جب غیر مذاہب کے اینٹ پتھروں کے ڈھیروں کو قرآن مجید محفوظ رکھنے کی تعلیم دیتا ہو۔ تو کیونکر ممکن ہے۔ کہ وہ اُن کے رشیوں۔ منیوں۔ نبیوں۔ رسولوں یا اُن کے برگزیدہ انسانوں کو برا کہکر دلوں کی عمارت کو چکنا چور کرنے کا حکم دے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کہتا ہے کہ

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (پ۷۔ الانعام۔ ع۱۳)

جو لوگ خداوند قدوس کو چھوڑ کر انسانوں یا بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ تم اُن کو ہرگز ہرگز کوئی دل آزار کلمہ نہ کہو۔ کیونکہ اگر تم نے اُن کے یا اُن کے بتوں کے حق میں کوئی دل آزار بات کہی۔ تو وہ خداوند قدوس کو گالیاں دینگے۔ حالانکہ خدا کو اُن کی گالیوں کی پرواہ نہیں ہے۔ مگر چونکہ وہ ان باتوں سے بے خبر ہیں۔ اِس لئے وہ چڑکر یا ضد اور ہٹ سے برا بھلا کہ اٹھینگے۔ اور خدا نے انسان کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے۔ کہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے۔ خواہ درست ہو۔ خواہ غلط۔ وہ اسکو درست ہی سمجھتا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ قرآن مجید نے نہ صرف دیگر مذاہب کے مندروں یا عبادتگاہوں کی حفاظت کی تعلیم دی ہے۔ بلکہ وہ دیگر مذاہب کے دلی احساس یا جذبات کی یہاں تک پرواہ کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ کہ بت پرستوں یا اُن کے بتوں کے حق میں بھی کوئی دل آزار کلمہ نہ کہنا چاہیے اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید بت پرستی کو صحیح تسلیم کرتا ہے۔ یا بت پرستی کے برخلاف آواز اٹھانے سے روکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ:

اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (پ۱۴۔ بنی اسرائیل۔ ع۱۶)

جب تم بت پرستوں کو بت پرستی سے بچنے اور خدا کی طرف آنے کی دعوت دو۔

توخبردار رہو۔ کہ تمہارا یہ کام انگھڑپن یا لٹھ مار طریقہ سے نہ ہو۔ بلکہ نہایت احتیاط۔ دانائی اور عقلمندی سے کام کرو۔ اور کوئی دل آزار کلمہ منہ سے نہ نکالو۔ بلکہ ایسے طریقہ پر بحث کرو جو نہایت ہی عمدہ ہو۔ یہانتک کہ مخالف بھی اُس کو بُرا نہ منائیں۔ اگر تم دیکھو۔ کہ فریق ثانی محض انگھڑ اور لٹھ مار ہے۔ وہ کوئی علمی یا عقلی بحث نہیں کرتا۔ تو تم کو چاہیے کہ:۔

وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ہ (پ ۱۹۔ الفرقان ع ۶)

ایسے جاہلوں کو مخاطب کرتے وقت نہایت ہی بردباری اور سلامت روی سے کام لو۔ یہاں تک کہ

وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ہ (پ ۱۹۔ الفرقان ۔ ع ۶)

اگر فریق ثانی لغویات سے کام لیتا ہے۔ تو تم اُس کی لغویات کا جواب دینے کے لئے خود بھی لغو باتوں پر نہ اُتر آؤ۔ بلکہ اس کی لغویات کو نظر انداز کر دو اور اپنے وقار کو قایم رکھو۔ اور

وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ہ (پ ۲۰ القصص۔ ع ۶)

اگر فریق مخالف دیدہ و دانستہ تم کو سنانے کے لئے گالیاں دے رہا ہے۔ تو تم بھی اُس کو گالی نہ دینے لگ جاؤ۔ بلکہ اس سے درگذر کرو۔ اور اگر تم جواب ہی دینا چاہو۔ تو صرف اتنا کافی ہے۔ کہ میاں جاؤ۔ تم اپنا کام کرو۔ ہم اپنا کام کرتے ہیں خدا تمہارا بھلا کرے۔ ہم تمہاری طرح گالیاں نہیں دے سکتے۔ اس لئے کہ گالی دینا جاہلوں کا کام ہے۔ جب قرآن مجید بت پرستوں اور اُن کے بتوں کے ساتھ اس قسم کے مدارات اور کشادہ دلی کی تعلیم دیتا ہے۔ تو ضرور ہے۔ کہ وہ خدا پرستوں اور خدا پرستوں کے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں کے بارے میں بھی خواہ وہ کسی ملک اور کسی قوم کے ہوں۔ اس سے بڑھ کر کشادہ دلی اور وسیع الخیالی کی تعلیم دے۔ اِس بات کا پتہ لگانے کے لئے جب ہم قرآن مجید کو کھولتے ہیں۔ تو ہماری خوشی کی کوئی حد نہیں رہتی۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے پہلے ایک معیار قائم کیا اور اس کے بعد جو شخص بھی اس معیار کے مطابق نکلا۔ اس نے اس کو ایک سلسلہ میں پرو لیا۔ اور اس سلسلہ کا نام کسی خاص شخص یا خاص کتاب کے نام پر

نہیں رکھا۔ بلکہ ان دونوں باتوں سے الگ کرکے اس نے اس کا نام اسلام بتایا
اس سلسلہ کو قائم کرنے کے لئے قرآن مجید نے جس معیار سے کام لیا وہ یہ ہے

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْ اِلَيْهِ
اَنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (پ۱۷- الانبیاء ر۲)

دنیا میں جس قدر رسول آئے۔ یا تمام وہ مقدس انسان جو رسول کے نام سے مشہور ہوئے۔ ان سب نے یہی تعلیم دی کہ خداوند قدوس کی ذات ہی پوجا و عبادت کے لائق ہے۔ اس کے سوائے کوئی وجود عبادت کے لائق نہیں ہے۔ یہ معیار قائم کرکے قرآن مجید نے روئے زمین کے ایسے تمام مقدس انسانوں کو جنہوں نے خدائے واحد کی پوجا کی تعلیم دی۔ ایک سلسلہ میں پروکر عالمگیر برادری کی بنیاد ڈال دی۔ قرآن پاک نے اسلام کا جامہ تمام مذاہب کے جاموں سے بڑا بنایا۔ اتنا بڑا کہ روئے زمین پر جس قدر مذاہب اور مذہبی کتب اور ان مذاہب کے مقدس انسان خدائے واحدہ لاشریک کی پوجا کی تعلیم دینے والے ہیں۔ وہ سب اس میں آگئے۔ اسلام نے ان سب کو اپنا بنالیا۔ اور دیگر مذاہب کی طرح تنگ و تاریک دائرہ بنانے کی بجائے اس نے چھوٹتے کے ساتھ ہی روئے زمین پر اپنی عالمگیر برادری کا جال پھیلا دیا۔ اور یہودیوں۔ عیسائیوں۔ پارسیوں۔ ویدک دھرمیوں۔ غرض روئے زمین کے تمام مذاہب کے مقدس بزرگوں۔ رسولوں۔ نبیوں۔ رشیوں۔ منیوں کو جو خدائے واحد کے پرستار تھے۔ اس عالمگیر برادری کے جال میں لپیٹ کر اپنا بنالیا۔ اور حکم دیدیا۔ کہ:۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرٰهِيْمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِيَ
مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ
اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ
دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

(پ۳- آل عمران - ع۹)

سب سے پہلے خدا کو وحدہ لاشریک جان کر اس کی عبادت کرو۔ اس کے بعد

خدا کے جو مقدس اور برگزیدہ بندے خدا کو وحدہٗ لاشریک مان کر اس کی عبادت کرنے کی تعلیم دے گئے ہیں۔ اُن سب کو بغیر کسی قسم کے ملکی یا قومی امتیاز کے خدا کے رسول یا نبی تسلیم کرو۔ یہودی لوگ ابراہیم۔ اسمٰعیل۔ اسحاق۔ یعقوب۔ اولاد یعقوب اور موسیٰ کو اپنا نبی مانتے ہیں۔ تم بھی اُن کو نبی تسلیم کرو۔ عیسائی عیسیٰ کو اپنا نبی مانتے ہیں۔ تم بھی عیسیٰ کو اپنا نبی مانو اِن کے سوائے باقی جس قدر نبی ہیں۔ یا جو دنیا کی دوسری قوموں کے نبی ہیں تم بھی اُن کو نبی تسلیم کرو۔ ان میں سے کسی کو ملکی۔ قومی۔ نسلی یا مذہبی تعصبات کی بنا پر نبی ماننے سے انکار مت کرو۔ کیونکہ اگر تم ان میں سے کسی ایک کو بھی نبی ماننے سے انکار کرو گے۔ تو تمہارا اسلام مکمل نہیں ہوگا۔ جس کا اسلام ہی نہ رہا اُس کا انجام بھی نیک نہیں ہوگا یاد رکھو جس طرح تمہیں اسلام کا نور دیا گیا ہے۔ اسی طرح اُن کو بھی اسلام کے نور سے منور کیا گیا تھا۔ اگرچہ قرآن مجید نے مذکورہ بالا آیت میں تمام نبیوں کا ماننا لازمی قرار دے دیا ہے۔ مگر کہا جا سکتا ہے۔ کہ اس میں دیگر قوموں کے نبیوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔ تو ہم دیگر قوموں کے نبیوں کو کیوں مانیں۔ اس کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے کہ:۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ (پ ۱۴۔ النحل۔ ع ۶)

یہ امر واقعہ ہے۔ جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ تم سے پہلے بھی دنیا میں جس قدر قومیں ہو گذری ہیں۔ اُن میں خدا کے فرستادہ یا رسول آئے تھے اور

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (پ ۱۴۔ النحل۔ ع ۵)

ہمارا یہ قاعدہ رہا ہے۔ کہ ہم ہر ایک اُمت میں کوئی نہ کوئی رسول بھیجتے ہی رہے ہیں۔ جو اپنی قوم کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ اور لوگوں کو ہر ایک قسم کے فسق و فجور۔ جور و ظلم اور بت پرستی سے روکتے تھے۔ مگر

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (پ ۲۴۔ المومن۔ ع ۸)

تم سے پیشتر دنیا میں جس قدر رسول ہو چکے ہیں۔ اُن میں سے بعض رسولوں کے نام و حالات تو ہم نے تم کو بتا دیئے ہیں۔ اور بعض کے نام و حالات ہم نے تم کو نہیں بتائے۔ اتنی چھوٹی سی کتاب میں دنیا بھر کے رسولوں کے ناموں کی فہرست کا آنا تھا بھی مشکل۔ مگر اس مشکل کو حل کرنے کے لئے قرآن مجید نے ہمیں ایک تو قاعدہ کلیہ یہ بتا دیا۔ کہ ہر ایک ملک میں اور ہر ایک قوم میں کوئی نہ کوئی نبی ضرور آتا رہا ہے۔ دوسرا قاعدہ کلیہ اُس نے یہ بتا دیا۔ کہ جو نبی خدا کی طرف سے آتا ہے۔ اُس کی بڑی بھاری پہچان یہ ہے۔ کہ

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (پ ۳ - آل عمران - ع ۸)

جو شخص خدا کا نبی ہوتا ہے اور جس کو خدا کی طرف سے کتاب اور عقل سلیم۔ اور نبوت عطا ہوتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ وہ لوگوں کو اپنا بندہ بنائے بلکہ وہ خدا کی پرستش کی تعلیم دیا کرتا ہے۔ اور اُن کو سکھایا کرتا ہے۔ کہ تم خدا کی کتاب پر عمل کرو۔ اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دو۔ وہ کبھی تم کو یہ تعلیم نہیں دیگا کہ فرشتوں اور نبیوں کو اپنا خدا بناؤ۔ کیا وہ اس قسم کے کفر کی تم کو تعلیم دے سکتا ہے۔ جبکہ تم تو اسلام پر ہو۔ اور وہ تم کو اس کے برعکس تعلیم دے۔ ہرگز نہیں۔ خدا کے مقدس اور برگزیدہ نبیوں کی شناخت کے لئے قرآن مجید نے یہ ایک ایسی کسوٹی مقرر کر دی ہے۔ کہ اس پر ہم ہر ایک نبی کا امتحان کر کے فوراً یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ کہ آیا وہ صادق ہے یا کاذب۔ آیا وہ خدا کا فرستادہ ہے۔ یا اپنے نفس کا۔ اگر وہ صادق ہے۔ اور اس کسوٹی پر ٹھیک اُترتا ہے۔ تو وہ خدا

کسی ملک کسی رنگ۔ کسی ذات کا ہو وہ ہمارے لئے ایسا ہی مقدس اور ماننے کے لائق ہے۔ جیساکہ وہ تمام انبیا جن کے نام و حالات سے قرآن مجید نے ہمیں آگاہ کر دیا ہے۔ اس طرح قرآن مجید نبوت کے معاملہ میں کنجوسی سے نہیں بلکہ نہایت ہی فیاضی اور دریا دلی سے کام لیتا ہے۔ اور وہ روئے زمین کے انبیاء کو ایک ہی برادری میں منسلک کر کے فیصلہ سنا دیتا ہے کہ

یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۝ (پ ۱۸۔ المومنون۔ ع ۳)

اے رسولو! نبیو۔ رشیو۔ منیو! پاک و صاف چیزیں کھاؤ پیو۔ اور نیک اعمال کرو۔ میں تمہارے تمام اعمال کو دیکھنے اور جاننے والا ہوں۔ اور خوب یاد رکھو۔ کہ تم تمام رسولوں۔ نبیوں۔ رشیوں منیوں کی ایک ہی برادری ہے اور میں تم سب کا خدا ہوں۔ پس میری ہی عبادت میری ہی پوجا پاٹھ کرتے۔ اور ہر ایک قسم کے کفر و شرک و بدعت سے بچتے رہو۔ یہ فیصلہ کر کے اور یہ قاعدہ کلیہ بنا کر قرآن مجید روئے زمین پہ جہاں کہیں بھی اس قسم کا کوئی برگزیدہ نبی دیکھتا ہے۔ جھٹ اس کو اسلام کی برادری میں شامل کر لیتا ہے۔ دوسرے مذاہب منہ تکتے رہجاتے ہیں۔ مثلاً یہودی اور عیسائی حضرت ابراہیم علیہ السلام پر جھگڑ رہے تھے۔ یہودی کہتے تھے۔ کہ وہ یہودی تھے۔ عیسائی کہتے تھے کہ وہ عیسائی تھے۔ مگر قرآن مجید فیصلہ کرتا ہے کہ:۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا وَّ لٰكِنْ كَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا۔ (پ ۳۔ ال عمران۔ ع ۷)

ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی۔ بلکہ وہ تو ایک خدا کی پوجا کرنے والا اور مسلم تھا۔ قرآن مجید نے دونوں جھگڑا کرنے والوں سے حضرت ابراہیم کو الگ کر کے فوراً اسلام کے سلسلہ میں رکھ کر اپنا بنا لیا۔ اسی طرح قرآن مجید دوسرے نبیوں اور رسولوں کو بدیں الفاظ اپنی مسلم برادری میں شامل کرتا جا رہا ہے:۔

وَ قَالَ مُوْسٰى یٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَیْهِ

تَوَکَّلُوٓا اِنْ کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ (یونس۔ ۶ ۱۳)+

"اور موسےٰ نے کہا۔ اے قوم اگر تم خدا پر ایمان رکھتے ہو۔ تو اسی پر بھروسا کرو۔ اگر تم مسلم ہو"+

اور پھر جب حضرت موسےٰ پر ایمان لانے والے بعض جادوگروں کو فرعون نے مارنا شروع کیا۔ تو انہوں نے یہ دعا کی:+

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ (اعراف۔ ۶ ۱۴)+

اے خدا تو ہم کو صبر کی توفیق زیادہ سے زیادہ دے۔ اور تو ہم کو اسلام کی حالت میں مار"+

اسی طرح حضرت نوح نے اپنی قوم کو مخاطب کر کے کہا:۔

فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ۔ فَمَا سَاَلْتُکُمْ مِّنْ اَجْرٍ۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ (یونس۔ ۶ ۱۲)+

"(اے میری قوم) اگر تم پیٹھ پھیر لوگے۔ تو میں تم سے کوئی صلہ نہیں چاہتا ہوں میری خدمات کا صلہ خدا کے پاس ہے+ اور مجھے یہی حکم دیا گیا ہے۔ کہ میں اسلام پر قائم رہوں+

اسی طرح حضرت سلیمان کے بارے میں قرآن شریف ہمیں بتاتا ہے۔ کہ وہ بھی مسلم تھے۔ اور انہوں نے بھی اسلام کی ہی منادی کی۔ چنانچہ ملکہ سبا کے نام جو انہوں نے پیغام بھیجا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَاْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ (نحل۔ ۶)+

"میرے سامنے سرکشی مت کرو۔ اور میرے پاس مسلم ہو کر چلے آؤ"+

اسی طرح حضرت لوط کے بارے میں قرآن شریف میں لکھا ہے۔ کہ وہ مسلم تھے چنانچہ خدا کے فرستادوں نے حضرت لوط کے متعلق حضرت ابراہیم سے کہا+

فَمَا وَجَدْنَا فِیْهَا غَیْرَ بَیْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ (الذریت ۶)+

"ہم نے اس بستی میں حضرت لوط کے گھر کے سوائے کوئی دوسرا گھر اہل اسلام کا نہ پایا"+

اسی طرح حضرت یعقوب نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی۔ کہ اے میرے بیٹو!

فَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ - (پ - ع)

"مت مرو۔ مگر اس صورت میں کہ تم مسلم ہو"

حضرت عیسیٰ مسیح کو بھی قرآن شریف میں مسلم اور اسلام کا واعظ لکھا ہے چنانچہ خود اُن کے حواریوں کی زبان سے یہ کلمات نکلوائے گئے ہیں:۔

قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ - اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ اشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ - (پ - ع)

"حواریوں نے کہا۔ کہ ہم خدا کے طرفدار ہیں۔ ہم اس پر ایمان لائے۔ اور تو گواہ رہ۔ کہ ہم مسلم ہیں"

دوسری جگہ لکھا ہے:۔

وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ (پ - ع)

اور جب ہم نے مسیح کے حواریوں کو ایما کیا۔ کہ ہم پر اور ہمارے رسول مسیح پر ایمان لاؤ۔ تو انہوں نے کہا۔ ہم ایمان لائے۔ اے خدا تو گواہ ہے۔ کہ ہم نے اسلام قبول کیا اور ہم مسلم ہیں۔

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیتوں سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے۔ کہ اس نے اسلام کے دائرہ کو ملکی۔ مذہبی۔ قومی۔ نسلی۔ یا پیدائشی تعصبات سے الگ کر کے دنیا بھر کے برگزیدہ انسانوں اور ان کی تعلیم کو اپنا بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح اس نے روئے زمین پر عالمگیر برادری کی بنیاد ڈال رکھی ہے۔ اسلام کے سوائے دوسرا کوئی مذہب نہیں ہو سکتا۔ جو اس قسم کی عالمگیر اخوت اور وسیع الخیالی کا ثبوت دے سکتا ہو۔ یہودی ہونیکے لئے لازمی ہے۔ کہ جناب مسیح علیہ السلام اور جناب محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت اور اناجیل و قرآن مجید سے انکار کر دیا جاوے مسیحی ہونے کے لئے لازمی ہے کہ جناب محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قرآن مجید سے انکار کر دیا جاوے۔ ویدک دھرمی بننے کے لئے ضروری ہے۔ کہ ہندوستان کے چند رشیوں کے سوائے باقی تمام یہودی۔ مسیحی۔ اسلامی۔ پارسی مذاہب کے برگزیدہ انسانوں سے انکار کیا جاوے۔ ان مذاہب میں سے کسی بھی مذہب میں

داخل ہو کر انسان باقی کے تمام مذاہب اور ان مذاہب کی خوبیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔ اور بجائے ایک وسیع سمندر پر جہاز رانی کرنے کے وہ ایک چھوٹے سے چھپڑ یا جوہڑ میں اپنی زندگی گذارنے کے لئے مجبور ہوتا ہے۔ مگر اسلام میں داخل ہو کر صرف یہی نہیں۔ کہ ان مذاہب کے برگزیدہ انسانوں یا رسولوں۔ نبیوں۔ رشیوں۔ منیوں سے انکار نہیں کرنا پڑتا۔ بلکہ اگر وہ رسالت کے معیار پر ٹھیک اُترتے ہوں۔ تو اُن کو لازمی طور پر برحق تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ ایسا تسلیم کرنے کے بغیر کسی بھی شخص کا اسلام مکمل نہیں ہو سکتا۔ اِن معنوں میں اسلام کی پوزیشن ایک وسیع سمندر کی پوزیشن ہے۔ جس میں تمام ندی نالے اور چھوٹے بڑے دریا مل کر ایک ہو گئے ہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے۔ کہ

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (المومنون)

اِسلام ایک ایسا دین ہے۔ جس میں کسی قسم کی تنگ دلی۔ تنگ نظری و تنگ ظرفی نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح اسلام یا مسلم برادری میں روئے زمین کے رسولوں نبیوں۔ رشیوں۔ منیوں کو لے لیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید نے اپنی ذات میں

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (پ۳۰۔ البینہ۔ ۶)

دُنیا بھر کی مذہبی کتب کی صداقتوں کو محفوظ کر لیا ہے۔ اُن کتب کی جو تعلیم محض مقامی یا شخصی یا ناقص یا مضر تھی۔ اس کو نظر انداز کر کے باقی جسقدر تعلیم محفوظ کئے جانے کے لائق تھی۔ قرآن مجید نے اس کو محفوظ کر کے صاف الفاظ میں کہا کہ

اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى۔

(پ۳۰۔ الاعلیٰ)

قرآن مجید کی جن صداقتوں کو تسلیم کرنے سے دنیا اسوقت انکار کر رہی ہے وہ کوئی نئی صداقتیں نہیں ہیں۔ بلکہ شروع دُنیا سے تمام انبیاء ان صداقتوں کی تعلیم دیتے چلے آئے ہیں اور یہی وہ تعلیم ہے۔ جس کی موسیٰ اور ابراہیم نے تعلیم دی۔ نہ کہ وہ تعلیم جو آج موسیٰ اور ابراہیم کے نام سے پیش کی جا رہی ہے۔ جو کسی صورت میں بھی قابل عمل نہیں ہے۔ اِن صحیفوں یا پرانی کتب کے متعلق قرآن مجید ایک سوال اٹھاتا ہے کہ

اَمْ لَمْ يُنَبَّاْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوْسٰى ٥ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ

وَفّٰی ٥ (پ۲۷ - النجم - ع۳)+

کیا تم کو معلوم ہے۔ کہ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں کسی قسم کی تعلیم تھی؟ آیا وہ اسی قسم کی تھی۔ جس قسم کی کہ موجودہ بائبل میں دیکھی جاتی ہے۔ یا اس سے کچھ مختلف تھی۔ اُن صحیفوں میں جس قسم کی تعلیم تھی اسکو نہ سنو!

اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى (پ۲۷ - النجم - ع۳)+

اُن صحیفوں میں یہ تعلیم نہیں دی گئی تھی۔ کہ ایک شخص دنیا بھر کے گناہوں کے لئے کفارہ ہو سکتا ہے۔ یا کفارہ ہو گا۔ بلکہ ان صحیفوں کی تعلیم یہ تھی۔ کہ جو کرتا ہے وہی بھرتا ہے۔ ایک کا گناہ دوسرا نہیں اُٹھا سکتا۔ اُن صحیفوں میں یہ بھی تعلیم نہیں دی گئی تھی۔ کہ تم ہاتھ پہ ہاتھ رکھ کر بیٹھے رہو۔ کوئی کام نہ کرو۔ کیونکہ جو خدا جنگل کی چڑیوں کو روزی دیتا ہے۔ وہ تم کو بھی دیگا۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ اُن صحیفوں میں یہ کہا گیا تھا۔ کہ

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى وَاَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى - وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى

(پ۲۷ - النجم - ع۳)

خدا نے تم کو روٹی کمانے کے لئے ہاتھ۔ پاؤں۔ آنکھ۔ کان۔ علم و عقل سب کچھ دے دیا ہے۔ کوشش کرو۔ کیونکہ کوشش کرنا تمہارا فرض ہے۔ کوشش کرکے نتیجہ کی انتظاری کرو۔ اور دیکھو تم کو تمہاری محنت کا کیا پھل ملتا ہے۔ تمہاری تمام دوڑ دھوپ اور کشمکش کا نتیجہ کھاؤ۔ پیو۔ موج کرو نہیں بلکہ خداوند قدوس کی رضا جوئی ہونا چاہیے۔ ان صحیفوں میں یہ ذکر نہیں تھا۔ کہ کوئی انسان بغیر باپ کے پیدا ہو کر خدا بن سکتا ہے۔ بلکہ اُن صحیفوں میں بتایا گیا تھا کہ:۔

وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ٥ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ٥ (ایضاً)

خداوند قدوس نے تمام جانداروں کو خواہ وہ درند۔ چرند ہوں۔ خواہ انسان خواہ وہ نر ہوں۔ خواہ مادہ نطفہ سے پیدا کیا ہے۔ یہ نطفہ کہاں سے آتا اور کہاں جاتا ہے:۔

إِذْ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنتُمْ أَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوا أَنفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ

(پ۲۷ - النجم - ع۶)

یہ نطفہ جس سے تمہاری پیدائش ہوئی ہے۔ زمین سے تعلق رکھتا ہے زمین سے نباتات پیدا ہوتی ہے نباتات کو انسان کھاتا ہے۔ اسی سے یہ نطفہ بنتا ہے۔ یہی نطفہ تمہاری ماؤں کے رحم میں جاکر جنین کی شکل اختیار کرتا ہے۔ جب تمہاری پیدائش ایسے طریقہ پر ہوتی ہے۔ تو پھر نہیں معلوم تم الوہیت کی کیسے ڈینگ مارتے ہو۔ یاد رکھو خدا تمہارے پوتڑوں سے خوب واقف ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے۔ کہ تم میں کون پاکیزہ ہے اور کون پاکیزہ نہیں۔ انسان جو اپنی پاکیزگی اور اپنی ذات پات پر گھمنڈ کرتا ہے۔ اس کے اس غرور کو توڑنے کے لئے اور اس کی اصلیت اس پر ظاہر کرنے کے لئے قرآن مجید دوسری جگہ حقیقت کے چہرہ پر سے نقاب اٹھاتا ہے۔ کہ:۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُم بَعْدَ ذَٰلِكَ لَمَيِّتُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ ۝ (پ۱۸ المومنون ع۱)

ہم بنی نوع انسان کو مٹی کے ست سے خلق کرتے ہیں۔ مٹی کے اس ست کو مختلف حالتوں کے اندر سے گذار کر ہم نطفہ کی شکل میں لاتے ہیں۔ وہ نطفہ ایک محفوظ جگہ میں قرار پکڑتا ہے۔ اور پھر ہم اسی نطفہ کو علقہ کی شکل میں لاتے ہیں۔ اور پھر اس علقہ کو مضغہ کی صورت دیتے ہیں اور پھر اسی مضغہ میں ہڈیاں پیدا کر دیتے ہیں۔ اور پھر ان ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں۔ جب وہ مکمل ہو جاتا ہے۔ تو ہم اس کو ایک نئی شکل میں پیدا کر دیتے ہیں۔ پاک ہے وہ ذات جو اس عجیب و غریب طریقہ سے انسان

کو پیدا کرتا ہے۔ دیکھو! یاد رکھو۔ کہ تم کو پیدا ہونے کے بعد مرنا بھی ضروری ہے مگر مرنے کے بعد بھی تم دائم و قائم رہو گے۔ بنی نوع انسان کی پیدائش کی اس حقیقت سے آگاہ ہو کر کون ہے۔ جو یہ ڈینگ مار سکتا ہے۔ کہ وہ خدائے مجسم ہے۔ کون ہے۔ جو یہ کہ سکتا ہے کہ وہ ماں کے پیٹ سے اسی طریقہ پر پیدا نہیں ہوا۔ کون ہے جو یہ کہ سکتا ہے۔ کہ وہ ہمیشہ اس جسم کے ساتھ زندہ رہیگا۔ کون ہے جو یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ وہ نیک ہے۔ آہ! کوئی نہیں مگر وہی ذات پاک۔ کوئی نہیں مگر وہی حی قیوم۔ جناب مسیح علیہ السلام کے پاس ایک شخص دوڑتا ہوا آتا ہے۔ اور اُن کے آگے گھٹنے ٹیک کر سوال کرتا ہے کہ:۔

"اے نیک اوستاد! میں کیا کروں۔ تاکہ ہمیشہ کی زندگی کو ورثہ میں پاؤں" مرقس ۱۰/۱۷ +

مسیح علیہ السلام جواب دیتے ہیں:۔

"تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں۔ مگر ایک یعنی خدا"۔ (مرقس ۱۰/۱۸-۱۹) +

اللہ اکبر! کہاں تو یہ عجز و انکساری اور عبودیت ولاچاری۔ اور

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (پ - المائدہ - ع)

کہاں لوگوں کا یہ کفر کہ مسیح ابن مریم خدا ہے۔ قرآن مجید نے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ لوگوں کے اس قسم کے بے بنیاد خیالات کی جڑ اکھاڑنے کے لئے تمام انسانوں کی پیدائش کی کیفیت پر سے پردہ اُٹھا دیا اور فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ کا حکم سُنا دیا۔ اور جو لوگ مسیح کو خدا کہتے تھے اُن کو بھی بتا دیا کہ:۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ط كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ط

(پ - المائدہ - ع)

مسیح ابن مریم خدا یا خدا کا بیٹا نہیں تھا۔ بلکہ وہ خدا کے دوسرے رسولوں کی طرح ایک رسول تھا۔ اور اُس کی ماں پاکدامنہ تھی۔ اور وہ دونوں دوسرے انسانوں کی طرح کھاتے پیتے تھے قرآن مجید نے نہایت ہی لطیف پیرایہ میں بتا دیا کہ مسیح علیہ السلام بھی تمام انسانوں اور رسولوں کی طرح پیدایش۔ زندگی۔ اور موت کے قوانین کے مطیع تھے۔ مگر خداوند قدوس +

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۝ وَلَمْ يُوْلَدْ
وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (پ ۳۰ - الاخلاص - ۶) +

اپنی ذات میں واحد ہے۔ وہ نہ کھاتا ہے۔ نہ پیتا۔ وہ نہ کسی کا باپ ہے نہ کسی کی ماں ہے نہ ہی اس کا کوئی باپ یا ماں ہے۔ اور نہ ہی اُس کا کوئی بھائی بہن ہے۔ مگر وہ لوگ جو مسیح کو خدا کہتے ہیں۔ اُن کی ہی اناجیل بتاتی ہیں۔ کہ مسیح کھاتا تھا۔ پیتا تھا۔ اس کا باپ بھی تھا۔ اور اس کی ماں بھی تھی۔ اس کے بھائی بھی تھے۔ جو اسی ماں سے پیدا ہوئے تھے۔ جس سے مسیح پیدا ہوا تھا۔ تو وہ خدا کیونکر ہوا۔ قرآن مجید نے دوسرے انسانوں اور رسولوں کی طرح مسیح علیہ السلام کو بھی پیدایش۔ زندگی اور موت کے قانون کے مطیع رکھا ہے۔ یہی صداقت ہے۔ جس کی تعلیم صحف الاولی نے دی۔ صحف الاولی کی اس قسم کی تمام عالمگیر صداقتوں کو قرآن مجید نے اپنی ذات میں محفوظ کر لیا ہے۔ اور جب ہم قرآن مجید کے صفحات کا زیادہ غور سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس طریقہ کا بھی پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ جس طریقہ سے یہ تمام صداقتیں شروع دنیا سے محفوظ ہوتی چلی آ رہی ہیں۔ قرآن مجید بتاتا ہے۔ کہ روئے زمین پر جس قدر نبی۔ رسول۔ رشی۔ منی ہوئے اِن سب کی ایک ہی برادری۔ اور ان سب کا ایک ہی مشن تھا۔ اور وہ حق و صداقت کی تعلیم و تلقین تھی۔ چنانچہ قرآن مجید ہمیں جتلاتا ہے کہ

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ
وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ
مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝ لِّيَسْــَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ

(پ ۲۱ - الاحزاب - ۶)

شروع دنیا سے لیکر اسوقت تک جس قدر نبی اور رسول ہوئے۔ اُن سب کا یہی مشن تھا۔ کہ وہ حق وحقانیت کی تعلیم وتلقین کرتے تھے۔ نوح۔ ابراہیم موسیٰ۔ عیسیٰ ابن مریم غرضیکہ کل نبیوں اور رسولوں کے ساتھ خدا نے یہی عہد باندھا تھا۔ کہ وہ صداقت کو کبھی ہاتھ سے نہیں جانے دینگے۔ نہ صرف یہ عہد باندھا تھا۔ بلکہ اس کے علاوہ ان کے ساتھ یہ بھی عہد باندھا تھا۔ کہ:-

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ (پ۳۔ آل عمران۔ ۹)

وہ اپنی برادری کے دوسرے کسی ممبر یعنی نبی یا رسول کی تکذیب نہیں کرینگے۔ نہ ہی وہ اُن کے برخلاف لب کشائی کرینگے۔ نہ ہی اُن کے کام پر پانی پھیر دینگے۔ نہیں۔ بلکہ وہ اس برادری کے دیگر تمام ممبروں کی عزت کرینگے۔ اُن پر ایمان لائینگے۔ ان کے کام کو مضبوط کرینگے۔ اور برابر جاری رکھیں گے۔ چنانچہ اسی سنت اللہ کے مطابق جب جب ہی دنیا میں کوئی نبی یا رسول آیا۔ تب تب ہی اُس نے اپنے سے پہلے نبی کی کتاب و نبوت کی تصدیق کی ہے۔ اور جب جب ہی اُن کی موجودگی میں کوئی ایسا نبی مبعوث ہوا ہے جس نے اُن کی کتاب و نبوت کی تصدیق کی ہو تب تب ہی اُنہوں نے اسکی مخالفت نہیں بلکہ اس کی موافقت کی ہے اور ہر طرح سے اُس کی مدد کی ہے۔ خداوند قدوس نے روئے زمین کے انبیاء کو ایک ہی برادری میں منسلک کر کے انکو اس برادری کے ہر ایک چھوٹے اور بڑے ممبر کی تصدیق کا حکم دیا۔ اسطرح انبیاء کی ذات کے متعلق یہ ایک صداقت ہے۔ جسکو قرآن مجید نے محفوظ رکھا۔ اسیطرح قرآن مجید نے دنیا بھر کی مقدس کتب کی صداقتوں کو اپنی ذات میں محفوظ کر لیا۔ اس لحاظ سے وہ تمام کتب مقدسہ کا عطر ہے وہ ہمیں دنیا بھر کی مذہبی کتب کا بوجھ اُٹھانے سے آزاد کر دیتا ہے۔ جبکہ وہ ان تمام کا نچوڑ نہایت ہی واضح اور شستہ الفاظ میں ہمارے سامنے رکھ دیتا ہے۔ چنانچہ اسکی اس عام فہم پوزیشن کے بارے میں اندرونی شہادت ہے کہ۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (پ۲۷۔ القمر ع۱) قرآن مجید ہر ایک پہلو سے عام فہم رکھا گیا ہے۔ تاکہ وہ ہماری روزمرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے میں آسانی پیدا کر سکے۔ اس کے تمام احکام اور اسکی تمام تعلیم خیالی و وہمی نہیں ہے بلکہ ہر وقت کام میں

لا نیکی چیز ہے۔ چنانچہ وہ ہماری روزانہ زندگی کا پروگرام مفصلہ ذیل مقرر کرتا ہے کہ:۔

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ وَ
قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ
عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ
وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا
جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ
صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ
فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۝ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ
الْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ
كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝
وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا
فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً
اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ ۔ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا
مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ
اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ
خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ
كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى ۔ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ
وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا
بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا
فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا
مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠
وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۔ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْــــُٔوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ
اِذَا كِلْتُمْ ۔ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ
وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ
اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ

مَسْئُوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا۔ (پ ۱۵۔ رکوع ۲-۳)

"تم خدا کے سوائے کسی کی پرستش مت کرو۔ کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو تم ذلیل اور خوار ہو جاؤ گے۔ تمہارے خدا کی مرضی یہی ہے کہ تم اُسی کے سامنے اپنے سر کو جھکاؤ۔ اور اُسی کی عبادت کرو۔ اور تم کو چاہیئے کہ اپنے ماں باپ سے نیک سلوک کرو۔ اگر تمہارے ماں باپ میں سے کوئی بوڑھا ہو جائے یا وہ دونوں بوڑھے ہو جائیں۔ تو تم کو چاہیئے کہ اُن کے آگے چون وچرا نہ کرو۔ اور نہ ہی اُن کو کسی قسم کی جھڑکی دو بلکہ اُن کے ساتھ نہایت ہی ادب اور نرمی سے بات کرو۔ اور اُن کے سامنے خاکساری اختیار کرو۔ اُن سے صدق دل سے محبت کرو۔ اور تم ہمیشہ اُن کے لئے خدا کے حضور میں یہ دُعا کرو۔ کہ اے خداوند جس طرح اُنہوں نے مجھ کو اُس وقت پرورش کیا تھا۔ جبکہ میں بالکل بےکس و بےبس تھا۔ اِسی طرح تو بھی اُن پر اپنے فضل اور رحم کی بارش کر۔ تمہارا خدا تمہاری اِس قسم کی دلی دُعاؤں کو سُنتا ہے۔ اگر تم نیک ہو تو تم کو خدا سے اِسی طرح دُعا کرنی چاہیئے۔ اور اگر تم سے کوئی لغزش ہو جائے۔ تو تم اُس کے لئے پشیمان ہو کر توبہ کرو۔ کیونکہ خداوند پشیمان ہو کر توبہ کرنے والوں پر اپنی رحمت نازل کرتا ہے تم کو چاہیئے کہ اپنے رشتہ داروں۔ غریبوں اور وطن سے دور افتادہ مسافروں کے حقوق کی کما حقہٗ نگرانی کرو۔ اور ہر ایک قسم کی فضول خرچی سے پرہیز کرتے رہو۔ کیونکہ فضول خرچ شیطان کے بھائی ہوتے ہیں۔ اور شیطان نہیں چاہتا کہ وہ خداوند کا اُس کی نعمتوں کے لئے شکریہ ادا کرے۔ اور اگر تم ایسی حالت میں ہو۔ کہ تم روپیہ کے ذریعہ رشتہ داروں غریبوں یا مسافروں کے ساتھ نیک سلوک نہیں کر سکتے ہو۔ تو بھی اُن کو کسی قسم کی جھڑکی مت دو۔ بلکہ اگر اور کچھ نہیں۔ تو شیریں کلامی سے ہی اُن کا آدر ستکار کرو۔ فضول خرچی سے پرہیز کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ تم کنجوس مکھی چوس بن جاؤ۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ تم اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلاؤ۔ کیونکہ اگر تم ایسا نہیں کرو گے

تو تم دنیا میں بدنام اور بھیک منگے ہو جاؤ گے۔ تمہارا خدا اس بات کی قدرت رکھتا ہے۔ کہ وہ جس کو چاہے اپنی نعمتوں سے مالا مال کر دے۔ اُس کو اپنے بندوں کی تمام نیکی بدی کا علم ہے۔ تم کو چاہیئے۔ کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل نہ کرو۔ کہ تم مفلسی کی حالت میں اُن کی پرورش نہیں کر سکو گے۔ کیونکہ خدا کہتا ہے کہ ہم تم کو اور تمہاری اولاد کو سب کو رزق دینے والے ہیں۔ اولاد کو قتل کر دینا بڑا بھاری جرم ہے۔ تم کو چاہیئے کہ تم ہرگز ہرگز زناکاری نہ کرو۔ کیونکہ یہ ایک قسم کی بے حیائی ہے۔ اور یہ بہت بُری بات ہے۔ اور تم کسی نفس کو بلا وجہ قتل مت کرو کیونکہ خدا نہیں چاہتا کہ تم ایسا جرم کرو۔ اور اگر کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے بے گناہ مارا جاتا ہے تو ہمارے نزدیک مقتول کے وارثوں کو قاتل سے بدلہ لینے کا پورا حق حاصل ہے۔ مگر تم کو چاہیئے کہ بدلہ لینے میں زیادتی مت کرو۔ کیونکہ اصلی بدلہ یہی ہے۔ کہ تم کو اُس پر غلبہ حاصل ہو گیا۔ تم کو چاہیئے کہ یتیم کے مال میں کسی قسم کی دست برد نہ کرو بلکہ جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔ اُس کے مال کی نہایت احتیاط اور ایمانداری سے حفاظت کرو۔ اگر تم کسی سے کسی قسم کا وعدہ کر لو تو تم کو چاہیئے کہ تم اُس وعدہ کو پورا کرو۔ کیونکہ وعدہ کا پورا نہ کرنا اخلاقی طور پر ایک قابلِ گرفت بات ہے۔ اور اگر تم کسی کو کوئی چیز ماپ کر دینے لگو۔ تو پورا ماپ کر دو۔ اور جب تم کسی چیز کو تول کر دینے لگو۔ تو ترازو کی ڈنڈی کو سیدھا رکھ کر تولا کرو۔ کیونکہ تمہارے حق میں یہ نہایت ہی عمدہ بات ہے اور اس کا نتیجہ تمہارے حق میں بہت اچھا نکلیگا۔ تم کو چاہیئے کہ جس بات کا تم کو پتہ نہیں ہے۔ تم اُس میں دخل در معقولات نہ کرو۔ کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے۔ تو تم اپنے کان اپنی آنکھ اور اپنے دِل کو قابل مواخذہ بناؤ گے۔ تم کو چاہیئے کہ زمین پر اکڑ کر نہ چلا کرو۔ کیونکہ اگر تم اکڑ کر چلو گے تو تم زمین کو پھاڑ کر دوسری طرف تو نکل نہیں جاؤ گے۔ نہ ہی گردن اکڑانے سے تم پہاڑ کی چوٹی کا لمبائی میں مقابلہ کر سکو گے اگر تم چاہتے ہو کہ اپنے خداؐ کی نزدیکی حاصل کرو۔ تو تم اِن تمام بُری باتوں سے پرہیز کرتے رہو۔

قرآن مجید کی اِس تعلیم سے صاف ثابت ہو رہا ہے۔ کہ وہ روزمرہ کی عملی زندگی پر زیادہ زور دے رہا ہے۔ اور زندگی کی جن روزانہ باتوں کو عوام الناس معمولی سمجھ کر نظر انداز کر جاتے ہیں۔ وہ اُن کو زیادہ زور سے بیان کرتا ہے۔ وہ اِس بات کے حق میں نہیں ہے۔ کہ لوگوں کو کوئی معجزہ۔ یا جادو۔ یا مداری کا سا کوئی کرتب دکھا کر اُن کی واہ واہ کو حاصل کرے۔ بلکہ جب کبھی عجوبہ پسند سامعین نے اُس کی سادہ مگر نہایت ہی ضروری باتوں کو نظر انداز کر کے رسولؐ سے یہ درخواست کی۔ کہ وہ اُن کو کوئی عجوبہ یا معجزہ یا جادو یا مداری کا سا کھیل کر کے دکھائیں۔ تو قرآن مجید نے ہمیشہ سامعین کے ایسے سوال کو لغو کہکر رد کر دیا۔ چنانچہ لوگوں کے اِسی قسم کے سوال کے جواب میں قرآن مجید فرماتا ہے کہ :-

لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًاۙ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًاۙ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًاۙ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (پ ۱۵۔ رکوع ۱۰)

"ہم اُس وقت تک تمہاری باتوں کو نہیں مانیں گے۔ جب تک کہ تم ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہیں پیدا کر دو گے۔ یا تمہارا کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو۔ اور تم بطور معجزہ کے اُس میں نہریں جاری کر کے دکھا دو۔ یا تم اپنے خیال کے مطابق ہم پر آسمان کا ٹکڑا لا کر گرا دو۔ یا ہمارے سامنے خدا اور فرشتوں کو لے آؤ۔ یا تم اپنے لئے سونے کا مکان بنا کر دکھا دو یا تم آسمان پر اڑ جاؤ۔ مگر ہم تمہارے آسمان پر اُڑ کر چلے جانے کو بھی اُس وقت تک سچ نہیں مانیں گے۔ جب تک کہ تم وہاں سے ہم پر کوئی ایسی کتاب نہ پھینکو گے۔ جس کو ہم بخوبی پڑھ سکیں۔ اے رسولؐ تو اُن کو سنا دے کہ میرا خدا اِس قسم کی درخواستوں کو لغو قرار دیتا ہے۔ میں تمہارے سامنے اِس قسم کے لغو دعاوی نہیں کرتا ہوں۔ بلکہ

میرا دعوی تو صرف اسی قدر ہے۔ کہ میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں اور خدا کا فرستادہ ہوں۔ میرا مدعا تو صرف اسی قدر ہے کہ تم کو انسانیت کی تعلیم دوں۔ یہ ایسا برحق جواب ہے۔ جو صرف یہی نہیں کہ رسول کی پوزیشن کو صاف کر دیتا ہے۔ بلکہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ رسول وہی ہو سکتا ہے۔ جو الف لیلہ کے علاؤالدین کے لیمپ کی طرح لوگوں کی دلچسپی کا معجزانہ رنگ میں سامان مہیا کرے۔ اس کی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید جس طرح نہایت ہی سادہ اور روزانہ زندگی میں کام آنے والی تعلیم دیتا ہے۔ اُسی طرح اُس کی عبارت بھی سلیس۔ صاف اور شستہ ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے کہ:۔

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَ تُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ۔ (پ۔ طٰہٰ۔ ۶ع) +

اس کی عبارت بھی بالکل سادہ اور سلیس زبان میں ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اس کی تعلیم سے جہاں ایک طرف خدا پرست۔ خداترس عالم و فاضل محظوظ ہو سکتے ہیں۔ اور ہوتے ہیں۔ وہاں دوسری طرف معمولی پینڈو یا انگھڑ لوگ بھی اُس کے پند و نصائح کو سُن کر سبق حاصل کرتے ہیں۔ وہ مذہبی دنیا کی تُو تُو مَیں مَیں کا بدیں الفاظ فیصلہ کر دیتا ہے کہ:۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَ الصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۔ (پ۔ البقرۃ۔ ۸ع) +

مسلمان کہتے ہیں۔ کہ ہمارے سوائے باقی کوئی نجات نہیں پائیگا۔ یہودی کہتے ہیں۔ کہ یہودیوں کے سوائے کوئی دوسرا نجات نہیں پائیگا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ نجات کے دعویدار ہم ہی ہیں۔ آریہ۔ برہمو وغیرہ کہتے ہیں۔ کہ نجات کا راستہ ہمارا ہی ہے۔ مگر امر واقعہ یہ ہے۔ کہ خواہ مسلم ہو۔ خواہ یہودی عیسائی ہو۔ خواہ سکھ۔ آریہ۔ برہمو۔ جو شخص بھی خدا کو وحدہٗ لاشریک مان کر اُس کی عبادت کرتا۔ اور حیات بعد ممات کو مد نظر رکھ کر نیک اعمال کرتا رہتا

ہے۔ خدا اُسی کو اُس کے نیک اعمال کا بدلہ دیگا۔ اور ایسے لوگوں کو مرنے کے بعد نہ کسی قسم کا خوف ہوگا۔ نہ رنج والم۔ قرآن مجید کا یہ فیصلہ بالکل اکٹ اور بغیر کسی قسم کی رو رعایت کے ہے۔ وہ نہ تو دنیا کے کسی مذہب کی صداقت پر پانی پھیرتا ہے نہ ہی وہ کسی مذہب کے حقوق کو ضائع کرتا ہے۔ بلکہ وہ ہر ایک مذہب اور ہر ایک قوم کے خدا پرست نبیوں۔ رسولوں۔ رشیوں مُنیوں کے حقوق کی نگہداشت اور اُن کی عزت کرنے اور ہر ایک مقدس کتاب کی صداقتوں کی تصدیق کرنیکی تعلیم دیتا ہے۔ اور خود بھی تصدیق کرتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے کہ :۔

(۱)

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ

(پ۱۔ البقرۃ۔ ۱۲ع) +

قرآن مجید اُن تمام صداقتوں کا جو کہ اُن مقدس کتابوں میں موجود تھیں۔ جو اُس سے پہلے آچکی ہیں مصدق و محافظ ہے۔ وہ اُن لوگوں کے لئے جو اُس کی صداقتوں کو تسلیم کرنے والے ہیں رہبر ہے۔ اور اُن کو خوش خبری دینے والا ہے +

(۲)

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ۔

(پ۳۔ آل عمران۔ ۱ع) +

اُس خداوند قدوس نے جو وحدہٗ لاشریک ہے۔ جو حی و قیوم ہے۔ قرآن برحق تم پر نازل کیا جو پہلی کتابوں کی تمام صداقتوں کا مصدق و محافظ ہے +

(۳)

اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ۔

(پ۵۔ النساء۔ ۷ع) +

اے عیسائیو اور اے یہودیو! قرآن مجید کی مخالفت کیوں کرتے ہو۔ جب کہ وہ اُن صداقتوں کا جو تمہاری کتب میں موجود ہیں مصدق و محافظ ہے۔ تم کو

چاہئے کہ اُس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو۔ نہ کہ اُس کی مخالفت کرو +

(۴)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ۔

(پ ۷۔ الانعام۔ ۱۱ع) +

قرآن مجید ایک مبارک کتاب ہے۔ جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ وہ پہلی کتابوں کی صداقتوں کا مصدق و محافظ ہے +

(۵)

وَالَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ ۔ (پ ۲۲۔ فاطر۔ ۴ع) +

وہ قرآن مجید جو تم پر بذریعہ وحی نازل ہوا۔ بالکل برحق ہے۔ وہ پہلی کتابوں کی صداقتوں کا بھی مصدق و محافظ ہے +

(۶)

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا۔ (پ ۲۶۔ الاحقاف۔ ۲ع) +

قرآن مجید سے پیشتر موسیٰ کی کتاب بطور شریعت کے امام تھی۔ اور وہ بنی اسرائیل کے لئے رحمت تھی۔ اور یہ کتاب یعنی قرآن مجید عربی زبان میں ہے۔ موسیٰ کی کتاب کی صداقتوں کا مصدق و محافظ ہے۔ جب قرآن مجید کی اس تعلیم پر نظر ڈالی جاتی ہے تو فوراً معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ وہ ہمارے سامنے صرف یہی نہیں کہ دنیا بھر کے مقدس انسانوں کو بطور ایک ہی برادری کے ممبروں کے پیش کر کے اُن کی عزت کرنا ہم پر لازم کرتا ہے۔ بلکہ اُس کے ساتھ ہی وہ ہر ایک ملک۔ ہر ایک قوم۔ ہر ایک مذہب۔ ہر ایک فرقہ کی مقدس کتب میں جو بھی صداقتیں ہیں۔ اُن کا خود بھی مصدق و محافظ ہونیکا دم بھرتا ہے۔ اور ہمیں بھی ہدایت کرتا ہے کہ ہم بھی ایسا ہی کریں۔ یہی وہ طریقہ ہے۔ اور یہی وہ تعلیم ہے جو ایک رشینلسٹ کے سب سے آخری مطالبہ کو پورا کر سکتی اور پورا کرتی ہے +

پچپن ویں فصل

داخلہ

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

(پ۳ - ال عمران - ۲ ع)

میں سُلّم الاسلام کے شروع میں لکھ آیا ہوں - کہ اسلام ہر ایک آب و ہوا میں بتدریج ترقی کرنے والی چیز ہے - وہ اپنے آپ میں ترقی کرتا ہے - اور وہ انسانوں کی ذات میں ارتقا حاصل کرتا ہے - اسلام انسانوں کی ذات میں کیونکر بتدریج ارتقا حاصل کرتا ہے - اُس کو ثابت کرنے کے لئے میں نے گذشتہ چون فصلوں میں مختلف خیالات و حالات و واقعات و مطالبات کو قلم بند کیا ہے - یہ خیالات و حالات و واقعات و مطالبات اگرچہ ایک خاص شخص کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں - لیکن اگر ریشنلزم کی دنیا کا بغور مطالعہ کیا جاوے - تو معلوم ہو جاویگا کہ صرف ایک ہی شخص مذہب کے متعلق مذکورہ بالا مطالبات نہیں رکھتا ہے - بلکہ ریشنلزم کی تمام دنیا اسی قسم کے حالات و واقعات کے اندر سے گذر کر مذہب کے بارے میں بعینہ اس نتیجہ پر پہنچ رہی ہے - جس پر کہ میں پہنچا ہوں - اُس کا خیال ہے کہ اگر مُرّوجہ مذاہب میں سے کوئی مذہب اُس کے مطالبات کو پورا نہیں کر سکتا یا نہیں کرتا - تو اُس کو چاہیئے - کہ وہ اپنے لئے ایک نیا مذہب ایجاد کرے - جو اُس کے موجودہ مطالبات کو کماحقہ پورا کر سکے - ریشنلزم کے یہ مطالبات انسانی فطرت کا تقاضا ہیں - مذہب نے اِن مطالبات کو بہت عرصہ تک جبر و اکراہ کے ذریعہ دبائے رکھنے کی کوشش کی - لیکن وہ انسانی فطرت جو قدرتی طریقہ پر نشو و نما پاتی چلی آرہی ہے

وہ تمام جبر واکراہ پر غالب آکر اپنے لئے راستہ بنانے کے واسطے مجبور ہوگئی ہے۔ دُنیا کے جو مذاہب انسان کی اِس فطرتی آرزو کو پورا نہیں کر سکتے ضروری ہے کہ ریشنلزم کے سامنے اُن کی موت ہو جائے۔ اور وہ مرتے چلے جا رہے ہیں اور آخرکار مر جائینگے۔ مگر قرآن پاک جو انسان کی ان قدرتی اور فطرتی ترقیوں کو صرف یہی نہیں کہ روکتا نہیں۔ بلکہ اُن کے حق میں آواز اُٹھاتا ہے۔ نہ صرف حق میں آواز اُٹھاتا ہے۔ بلکہ اُن کا ممد و معاون بنتا ہے۔ وہ جہاں ایک طرف ریشنلزم کے تمام مطالبات کو پورا کرکے دکھا دیتا ہے۔ وہاں وہ دوسری طرف مذہب کی جو تعریف کرتا ہے وہ بھی بذاتِ خود نہایت ہی معقول ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○

(پ ۳ - البقرۃ - ۳۴ع)

مذہب کسی قسم کے جبر واکراہ یا کسی خاص قسم کے تعصبات و جذبات کا نام نہیں ہے۔ بلکہ مذہب ایک روشنی ہے۔ جو ہر ایک چیز کی ماہیت کو جوں کا توں ہم پر کھول دیتی ہے۔ اور وہ ہمیں بتا دیتی ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ اِس روشنی کی مدد میں حق کو قبول کرنا اور باطل سے بچنا ہی دین الٰہی ہے۔ جب تک کسی انسان کو حق و باطل میں تمیز کروانے والی یہ روشنی نہیں ملتی تب تک وہ مذہب کی حقیقت سے ناآشنا رہتا ہے۔ لیکن جب وہ اِس روشنی میں حق الیقین و عین الیقین کے ساتھ کسی مسئلہ کو تسلیم کر لیتا ہے۔ تب وہ ڈانواڈول ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ دوسری جگہ قرآن مجید مذہب کی ایک اور نہایت ہی عمدہ تعریف کرتا ہے کہ:۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (پ ۲۱ - الروم - ۴ع)

مذہب فطرت کا دوسرا نام ہے۔ فطرت کیا ہے؟ انسانیت کا بغیر کسی قسم کے جوڑ توڑ کے قدرتی طریقہ پر نشوونما پانا فطرت ہے۔ انسان کی فطرت ہی اُسکا مذہب ہے۔ اگر اُس کی فطرت پر کسی قسم کا جبر واکراہ نہ کیا جاوے۔ اور نہ ہی اُس کو مصنوعی طریقوں سے توڑنے موڑنے کی کوشش کی جاوے۔ بلکہ اُس کی نشوونما کے لئے موافق حالات اور موافق سامان پیدا ہو جائیں۔ یا پیدا کر دئے جائیں۔ تو اس صورت میں جس نتیجہ پر انسان پہنچیگا۔ یقیناً وہ نتیجہ فطرت اللہ۔ یا دینِ الٰہی یا اسلام ہی ہوگا۔ یہی وہ دین ہے جس کی قرآن مجید دعوت دیتا ہے۔ اور بڑے زوردار الفاظ میں بتاتا ہے کہ:۔

أَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ○

(پ۳۔ آل عمران۔ ۴۹)+

کیا تم قوانینِ قدرت یا دینِ الٰہی کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین یا مذہب کی تلاش کرنا چاہتے ہو۔ اگر ہاں! تو تم کسی ایسے کسی بھی دین کی تلاش کر کے دیکھ لو۔ لیکن آخر کار تم کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ قوانینِ قدرت یا دینِ الٰہی ہی ایسا دین ہے جس پر نہ صرف انسان بلکہ زمین و آسمان کی کل کائنات کاربند ہے۔ اگر کوئی چاہے بھی تو بھی وہ اِن قوانین سے باہر نہیں جا سکتا۔ دنیا کی ہر ایک چیز کا مرجع یہی دینِ الٰہی ہے۔ قوانینِ قدرت یا سنت اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی اسلام ہے۔ یہاں پر قرآن مجید نے قوانینِ قدرت کا نام مذہب رکھا ہے۔ مگر اِس سے پہلے وہ فطرت کا نام مذہب بتا چکا ہے۔ دونوں باتیں نہایت ہی غور طلب ہیں۔ ہماری آنکھ۔ کان۔ ناک۔ معدہ۔ دل۔ گردے۔ آنتوں۔ شریانوں۔ ورید دل اور دماغ کا رات دن کسی نہ کسی قسم کی حرکات کرتے رہنا اِن کا فطرتی فعل ہے۔ جب تک ہم زندہ ہیں۔ ہماری یہ حرکات بند نہیں ہو سکتیں۔ ہر ایک عضو کا جو فطرتی فعل ہے۔ وہی فطرتی فعل اس عضو کا دین ہے لیکن اِن حرکات کے لئے ضوابط و قوانین ہیں۔ جب تک یہ حرکات اِن ضوابط و قوانین کے مطابق ہوتی رہتی ہیں۔ تب تک زندگی ہے۔ اور جب یہ حرکات اِن ضوابط و

قوانین سے باہر ہوجاتی ہیں۔ تب موت ہے۔ قرآن مجید زندگی کے راستہ کا نام اسلام اور موت کے راستے کا نام کفر رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے کہ:۔

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ
فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ (پ۲۔ البقرة۔ ع ۲۶) +

اگر تم میں سے کوئی اس فطرتی دین سے جو قوانین قدرت کے مطابق ہے برگشتہ ہوجاتا ہے۔ تو سمجھو کہ وہ مرگیا۔ ایسا مرتد زندہ نہیں بلکہ مُردہ ہے۔ اُس کے دین و دُنیا دونوں تباہ و برباد ہوجاتے ہیں۔ اور وہ جیتے جی جہنم کی آگ میں سڑتا رہتا ہے۔ اگر اس تمام مضمون کو جو کہ میں نے ۵۴ فصلوں میں لکھا ہے۔ قرآن مجید کی ان آیات کی تفسیر کہا جاوے۔ تو بالکل بجا و درست ہوگا +

اوّل ۔ قرآن مجید مذہب کی تعریف یہ کرتا ہے۔ کہ وہ روشنی ہے جس کا دوسرا مطلب یہ ہے۔ کہ مذہب وہی درست ہے جو علم و عقل۔ دلیل و برہان۔ تجربہ اور مشاہدہ کی روشنی میں ٹھیک ہو۔ قرآن مجید اپنا نام ہی نُور یا روشنی رکھتا ہے۔ اِس نُور یا روشنی سے روگردان ہو کر انسان کس تاریکی میں جا پھنستا ہے۔ اِس کا ثبوت گذشتہ ۵۴ فصلوں سے ملتا ہے +

دوئم ۔ قرآن مجید مذہب کی تعریف فطرت کرتا ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں مذہب وہی درست ہوسکتا ہے۔ جو انسان کے فطرتی مطالبات کو پورا کرسکے۔ یہ فطرتی مطالبات محض جسم سے ہی تعلق نہیں رکھتے۔ بلکہ دل دماغ اور روح سے بھی تعلق رکھتے ہیں۔ وہ مطالبات جو جسم سے تعلق رکھتے ہیں وہ جبلّی مطالبات ہیں۔ اور وہ جو دِل۔ دماغ اور روح سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُن مطالبات کے مجموعہ کا نام ریشنلزم ہے۔ قرآن مجید انسان کے اِن دونوں قسم کے فطرتی مطالبات کو پورا کرنے والے مذہب کو ہی فطرت اللہ یا دین الٰہی کے نام سے پکارتا ہے۔ اِس فطرت اللہ سے روگردان ہو کر انسان کس گرداب میں جا پھنستا ہے۔ میری داستان اس پر روشنی ڈالتی ہے +

سوئم ۔ قرآن مجید مذکورہ بالا فطرۃ اللہ یا دین الٰہی پر چلنے کا نام

زندگی رکھتا ہے۔ اور اُس کے مخالف چلنے کا نام موت رکھتا ہے۔ وہ زندگی کا مترادف اِسلام اور موت کا مترادف کفر بتلاتا ہے۔ فطرت اللہ یا دین الہٰی یا اسلام سے روگردان ہوکر اِنسان کے تمام فطرتی مطالبات کی کیونکر موت ہوجاتی ہے۔ اِس کے مجلسی مطالبات کیونکر خاک میں مل جاتے ہیں۔ اور اُس کے دِل۔ دماغ اور روح کے مطالبات یعنی ریشنلزم کی بھی کیونکر جڑ کٹ جاتی ہے۔ اور وہ کس طرح جیتے جی جہنم کی آگ میں سڑنے لگتا ہے۔ اِس بات پر روشنی ڈالنے کے لئے میری داستان کافی ہے +

چہارم۔ قرآن مجید بتلاتا ہے کہ:۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (پ۳۔ آل عمران۔ ع۹)

اِسلام فطرتی مذہب ہے۔ اور وہ بنی نوع اِنسان کے تمام فطرتی مطالبات کو کما حقہ پورا کرتا ہے۔ جو شخص ایسے وسیع اور فطرتی مذہب میں رہ کر تسلی نہیں پاسکتا وہ دوسرے غیر فطرتی مذاہب میں جاکر بھی کسی قسم کی تسلی حاصل نہیں کرسکتا اور اگر وہ فطرتی مذہب کے دائرہ سے نکل کر غیر فطرتی مذاہب میں چلا بھی جاتا ہے۔ تو وہ تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ اس نتیجہ پر پہنچنے کے بغیر نہیں رہیگا۔ کہ اسلام جیسے فطرتی مذہب کو ترک کرکے غیر فطرتی مذاہب میں جاکر اُس کو کسی قسم کا فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ ہر ایک پہلو سے گھاٹا اور نقصان ہی اُٹھانا پڑا ہے۔ وہ دنیوی لحاظ سے اپنے آپ کو گھاٹے میں محسوس کرتا ہے۔ اور دینی لحاظ سے بھی اپنے آپ کو گھاٹے میں دیکھتا ہے۔ چنانچہ اِس بات کو ثابت کرنے کے لئے میری گذشتہ داستان بہت عمدہ مصالح بہم پہنچاتی ہے +

پنجم۔ جب علم وعقل کے ذریعہ۔ دلیل و برہان کے ذریعہ۔ تجربہ ومشاہدہ کے ذریعہ انسان مذہبی و مجلسی معاملات میں جبر واکراہ کی زنجیروں کو توڑ کر اپنی فطرتی آزادی کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا اور مذہبی و مجلسی مسائل کو علم و عقل۔ دلیل و برہان۔ تجربہ اور مشاہدہ کے ذریعہ حل کرنے کی طرف رجوع ہوتا ہے تو وہ اِس میدان میں

إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ ۔ (پ۳۔ ال عمران ۔ ۳ع)

اسلام کے سوائے اور کسی مذہب کو اپنا ساتھی و مددگار نہیں پاتا ۔ اسلیئے کہ دنیا کے جو مذاہب غیر فطرتی ہیں ۔ وہ انسانی فطرت کے مطالبات کو پورا کرنے کی بجائے جبر و اکراہ سے مغلوب کرنے کی تعلیم دیتے ہیں ۔ بنابریں جب انسانی فطرت اپنی آزادی کو ان غاصبوں کے پنجے سے چھڑانے کے لئے جدوجہد کرتی ہے ۔ تو وہ مذاہب اور ان مذاہب کے ماننے والے اس قسم کی جدوجہد کے برخلاف آواز اُٹھانے اور اُس کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں مگر چونکہ قرآن مجید مذہب کی تعریف ہی فطرت کرتا ہے ۔ اس لئے وہ انسان کی اس قسم کی جدوجہد کی صرف یہی نہیں کہ مخالفت نہیں کرتا ۔ بلکہ وہ اُس کی مدد کرتا ہے ۔ تاکہ انسان غیر فطرتی زنجیروں سے نجات پاکر فطرت اللہ یا اسلام کی طرف قدم اُٹھائے اور

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۔

(پ۲ ۔ البقرۃ ۔ ۲۵ع)+

وہ ہر ایک قسم کے خوف و خطر سے مامون و مصئون ہو کر اور اسلام میں داخل ہو کر

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۔

(پ۱ ۔ البقرۃ ۔ ۱۶ع)+

اپنے دل ۔ دماغ ۔ اور اپنی روح کو اس صبغۃ اللہ یا دینِ الٰہی یا اسلام کے اصطباغ کی برکتوں سے مالامال کرلے ۔ جب رشنلسٹ اس الٰہی اصطباغ کو حاصل کرتا ہے تو وہ روح القدس سے معمور ہو کر باغ باغ ہو جاتا ہے اور :۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ (پ

اب اُس کو غیر فطرتی مذہب کے پیچھے اِدھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں رہتی ۔ بلکہ اب وہ روح القدس سے معمور ہو کر ایسا اطمینان قلب حاصل کر لیتا ہے ۔ جو فوری یا جذباتی نہیں ہوتا ۔ بلکہ علم و عقل ۔ دلیل و بُرہان ۔ تجربہ اور مشاہدہ کی بنا پر دائم و قائم ہوتا ہے ۔ اس اطمینان قلب کے ساتھ اب متلاشی کی روح حقیقی معنوں میں خدا کی طرف رجوع کرتی ہے اور اُس کے اور اسلام کے درمیان

جو حد فاصل تھی۔ وہ حد فاصل ٹوٹ جاتی ہے۔ اور متلاشی صدق دل کے ساتھ کھلم کھلا

فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ ۝ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ۝

(پ ۳۰۔ الفجر۔ ۱ع)+

اہلِ اسلام کی جماعت میں جا ملتا ہے۔ اور مُسلم بن جاتا ہے۔ اِس ملاپ سے اُسکو اور اُس کے تمام بہی خواہوں کو جو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اگر اُس کو بہشت کی خوشی کہا جاوے تو بیجا نہیں ہو گا۔ بعینہٖ اسی قسم کی خوشی اسلام میں داخل ہونے سے مجھے نصیب ہوئی۔ اور میرے تمام بہی خواہوں نے بھی میری اِس خوشی میں حصّہ لیا۔ اسلام میں داخل ہونے کے متعلق میری یہ آپ بیتی کہانی ہے۔ جس کو میں نے فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَلْبَاب کو مدنظر رکھ کر قلمبند کر دیا ہے۔ اب میں وَہّابِ مطلق کے حضور میں یہ دُعا کر کے اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں+

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ۝

(پ ۳۔ آل عمران۔ ۱ع)+

آمین ثم آمین

شکریہ

۱- اِسلام کو سمجھنے کے لئے مجھے سب سے بڑی امداد یوروپ اور امریکہ کے ریشنلسٹ اصحاب کی تصانیف سے ملی ہے۔ میں اُن کا خاص طور پر ممنون و مشکور ہوں +

۲- اِسلام میں داخل ہونے کے لئے مجھے سب سے بڑی مدد جناب قاضی محمد سلیمان صاحب سشن جج بھٹنڈا کے مضمون سے ملی ہے۔ جو کہ اُنہوں نے میری اپیل کے جواب میں لکھا تھا۔ میں اُن کا صدقِ دل سے مشکور و ممنون ہوں +

۳- مُلّا اِزم اور اسلام میں کیا فرق ہے۔ اِس کو جاننے کے لئے مجھے سب سے بڑی مدد جناب مولٰنا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری اور جناب مولٰنا نورالدین صاحب قادیانی کی تصانیف سے ملی ہے جن کا میں خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں +

۴- مسلم سوسائٹی میں مجھے عملی طور پر انٹروڈیوس کرنے کے لئے میں سب سے زیادہ جناب مولٰنا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری کا اور اُس کے بعد جناب مولٰنا محمد ابو القاسم صاحب بنارسی کا مشکور و ممنون ہوں +

مصنّف

اصلی ستیارتھ پرکاش

مطبوعہ

بنارس ۱۸۷۵ء

یہ کتاب بالکل نایاب تھی - کیونکہ ایک ہی چھپکر رہ گئی تھی - یہ کتاب سوامی دیانند کی زندگی میں چھپی تھی - اور سوامی دیانند نے اس کی بعض غلطیوں کی اپنی زندگی میں ہی اصلاح کردی تھی - مگر سوامی جی کے مرنے کے بعد یہ کتاب دوبارہ نہیں چھپی بلکہ اس کی جسقدر کاپیاں تھیں اُن کو بھی نیست و نابود کرنے کی کوشش جاری رہی - اس نادر کتاب کو صفحہ ہستی پر قائم رکھنے کے لئے ایڈیٹر اندر نے اس کا لفظ بہ لفظ اُردو ایڈیشن شائع کردیا - خوبی کی بات یہ ہے کہ اس کتاب میں نہ تو مسلمانوں کے کھنڈن کا سمولاس ہے - نہ ہی عیسائیوں کے کھنڈن کا - نہ ہی اس میں سکھوں کے مقدس گوروؤں کے لئے وہ نازیبا الفاظ استعمال کئے گئے ہیں - جو کہ آجکل کی مروجہ ستیارتھ پرکاش میں دیکھے جاتے ہیں - بلکہ اس کتاب میں مسلمانوں اور عیسائیوں کو بھلا آدمی بتایا گیا ہے - اور اُن کے ساتھ کھلم کھلا کھانے پینے اور بیاہ شادی کرنے کی تعلیم دی گئی ہے - اس کتاب میں یہ بھی ذکر آتا ہے کہ یگیہ میں جانوروں کی قربانی کرنی چاہیئے - اور بیل گائے - بھیڑ بکری - وغیرہ کو یگیہ کے موقع پر ذبح کرنا کوئی پاپ نہیں ہے - اس بات کی تائید میں سوامی دیانند نے پُرانے شاستروں کے حوالے بھی دیئے ہیں - مُردہ پتروں کے شرادھ کے حق میں جو دلائل اس کتاب میں دیئے ہیں وہ قابل مطالعہ ہیں - الغرض یہ کتاب ہندو - مسلمانوں - سکھ - عیسائی جینی - بدھ - سب کے مطالعہ کے لائق ہے - اس کو پڑھکر کم از کم اتنا پتہ تو لگ جاتا ہے - کہ سوامی دیانند کا اصلی منشا کیا تھا - ہندی میں اس کتاب کی قیمت تین روپے تھی - لیکن اُردو ایڈیشن کی قیمت بلا محصول عہ ہے +

تمام درخواستیں اس پتہ پر آنی چاہئیں +

منیجر "المسلم" لودیانہ

دیانندی قلعہ پر گولہ باری

از غازی محمود - دھرم پال بی - اے

۱- **ویداور سوامی دیانند** - اسمیں سوامی دیانند کے ہی پیش کردہ معیار اور انکے وید بھاشیہ کی بناپر ویدوں کو بدترین کتب ثابت کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں دیانندی فرقہ کے مُنہہ پر ایسی مُہر لگادی ہے کہ جب تک وہ وید اور سوامی دیانند دونوں میں سے ایک سے دست بردار نہ ہوجائیں ہرگز ہرگز نہیں ٹوٹ سکتی۔ قیمت فی جلد ۲ر

۲- **تناسخ چکر اور سوامی دیانند** - اسمیں وید۔ منوسمرتی۔ ستیارتھ پرکاش اور دیگر مستند کتب کے حوالجات سے اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ تناسخ کے ماننے کی صورت میں سوامی دیانند کو خدا پرست نہیں کہا جاسکتا بلکہ لاجواب کتاب ہے

۳- **اصلی ستیارتھ پرکاش** - مطبوعہ بنارس ۱۸۷۵ء قیمت عہ۔ دیکھو مفصل صفحہ ۲ ٹائٹل +

۴- **سوامی دیانند کے یجروید بھاشیہ کا اُردو ترجمہ** - سوامی دیانند نے یجروید کا جو کچھ ترجمہ کیا ہے ہم نے اُسکو اُردو میں شائع کردیا ہے۔ تاکہ اُردو دان دُنیا کو اس بات کا پتہ لگ سکے کہ دیانندی فرقہ ویدوں کی آڑ کیوں لیتا ہے۔ یہ نہایت ہی دلچسپ معموں اور رازوں کا مجموعہ ہے۔ قیمت فی جلد عہ +

۵ **فتوح البرہان** - یہ وہ نادر کتاب ہے جسمیں ثابت کیا گیا ہے۔ کہ واقعات کی بنا پر سوامی دیانند کس جون میں جانیکے لائق تھا۔ اواگون کی باطل پرستی کو ایک لاجواب طریقہ پر بیخ و بُن سے اُڑا کر روح کی آئندہ زندگی کے بارے میں جو واقعات دیئے گئے ہیں وہ قابل مطالعہ ہیں۔ قیمت فی جلد ۸ر

۶- **خالصہ دھرم اور گورو گووند سنگھ** - اس نادر کتاب میں تواریخی حوالوں اور گرنتھ صاحب کے وچنوں سے اُن تمام ناپاک کوششوں کو مٹی میں ملادیا گیا ہے جو کہ دیانندیوں یا دیگر لوگوں کی طرف سے سکھوں کو ہندو اور اُنکے گوروؤں کو ویدوں کا پیرو اور مسلمانوں کا دشمن ثابت کرنیکے لئے کی جاتی ہیں۔ اس کتاب نے سکھوں اور مسلمانوں کے ایک بڑے حصّہ پر بہت ہی عمدہ اثر ڈالا ہے۔ قیمت فی جلد ۶ر

۷- **نیوگ اور سوامی دیانند** - اسمیں ویدوں اور مہابھارت اور دیگر مستند کتب کے حوالجات سے نیوگ پر مفصل بحث کرتے ہوئے یہ دکھایا گیا ہے کہ سوامی دیانند نے نیوگ کی کیوں تعلیم دی۔ قیمت ۸ر

۸- **آریہ سماج اور سوامی دیانند** - آریہ سماج کی اندرونی تصویر۔ قیمت فی جلد ۸ر

۹- **گیان پرکاش** - اس کتاب میں ایڈیٹر اندر کے نیوگ کرنے اور ایک برہمن لیڈی سے شادی کرنے کی داستان درج ہے۔ قیمت فی جلد ۴ر

ملنے کا پتہ :- **مینجر - "المسلم" - لودیانہ**

سول اینڈ ملٹری آرگن پریس لودیانہ میں بابو محمد شاہ دین کے اہتمام سے غازی محمود دھرم پال بی - اے کیلئے چھپا اور شائع ہوا

اصلی ستیارتھ پرکاش

مطبوعہ

بنارس ۱۸۷۵ء

یہ کتاب بالکل نایاب تھی - کیونکہ ایک ہی دفعہ چھپکر رہ گئی تھی - یہ کتاب سوامی دیانند کی زندگی میں چھپی تھی - اور سوامی دیانند نے اِس کی بعض غلطیوں کی اپنی زندگی میں ہی اصلاح کردی تھی - مگر سوامی جی کے مرنیکے بعد یہ کتاب دوبارہ نہیں چھپی - بلکہ اِس کی جسقدر کاپیاں تھیں اُن کو بھی نیست و نابود کرنے کی کوشش جاری رہی - اِس نادر کتاب کو صفحۂ ہستی پر قائم رکھنے کے لئے ایڈیٹر المسلم نے اِس کا لفظ بہ لفظ اُردو اڈیشن شائع کردیا - خوبی کی بات یہ ہے کہ اِس کتاب میں نہ تو مسلمانوں کے کھنڈن کا سمولاس ہے - نہ ہی عیسائیوں کے کھنڈن کا - نہ ہی اُس میں سکھوں کے مقدس گوروؤں کے لئے وہ نازیبا الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو کہ آجکل کی مروجہ ستیارتھ پرکاش میں دیکھے جاتے ہیں - بلکہ اِس کتاب میں مسلمانوں اور عیسائیوں کو بھلا آدمی بتایا گیا ہے - اور اُن کے ساتھ کھُلم کھُلا کھانے پینے اور بیاہ شادی کرنے کی تعلیم دی گئی ہے - اِس کتاب میں یہ بھی ذکر آتا ہے کہ یگیہ میں جانوروں کی قربانی کرنی چاہئے - اور بیل - گائے - بھیڑ بکری وغیرہ کو یگیہ کے موقع پر ذبح کرنا کوئی پاپ نہیں ہے - اِس بات کی تائید میں سوامی دیانند نے پُرانے شاستروں کے حوالے بھی دیئے ہیں - مُردہ پتروں کے شرادھ کے حق میں جو دلائل اِس کتاب میں دیئے ہیں - وہ قابل مطالعہ ہیں - الغرض یہ کتاب ہندو - مسلمان - سکھ - عیسائی - جینی - بُدھ سب کے مطالعہ کے لائق ہے اِس کتاب کو پڑھکر کم از کم اتنا پتہ تو ضرور لگ جاتا ہے کہ سوامی دیانند کا اصلی منشاء کیا تھا - ہندی میں اِس کتاب کی قیمت تین روپے تھی - لیکن اردو اڈیشن کی قیمت بلا محصول ۸عہ ہے +

تمام درخواستیں اِس پتہ پر آنی چاہئیں +

منیجر "المسلم" - لودیانہ

دیانندی قلعہ پر گولہ باری

از غازی محمود - دھرم پال بی - اے

۱- **وید اور سوامی دیانند** - اس میں سوامی دیانند کے ہی پیش کردہ معیار اور اُنکے وید بھاشیہ کی بنا پر ویدوں کو بدترین کتب ثابت کیا گیا ہے - اس کتاب نے دیانندی فرقہ کے مُنہ پر ایسی مُہر لگا دی ہے کہ جب تک وہ وید اور سوامی دیانند دونوں میں سے ایک سے دستبردار نہ ہو جائیں ہرگز ہرگز نہیں ٹوٹ سکتی - قیمت ۱۲ر

۲- **تناسخ چکر اور سوامی دیانند** - اس میں وید - منوسمرتی - ستیارتھ پرکاش اور دیگر مستند کتب کے حوالجات سے اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ تناسخ کے ماننے کی صورت میں سوامی دیانند کو خدا پرست نہیں کہا جا سکتا بالکل لاجواب کتاب ہے

۳- **اصلی ستیارتھ پرکاش** - مطبوعہ بنارس ۱۸۷۵ء قیمت عہ - دیکھو مفصل صفحہ ۲ - ٹائٹل

۴- **سوامی دیانند کے یجروید بھاشیہ کا اردو ترجمہ** - سوامی دیانند نے یجروید کا جو کچھ ترجمہ کیا ہے ہم نے اس کو اردو میں شائع کر دیا ہے - تاکہ اردو دان دنیا کو اس بات کا پتہ لگ سکے کہ دیانندی فرقہ وید کی آڑ کیوں لیتا ہے - یہ نہایت ہی دلچسپ مضمون اور رازوں کا مجموعہ ہے - قیمت فی جلد عہ

۵- **فتوح البرہان** - یہ وہ نادر کتاب ہے جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ واقعات کی بنا پر سوامی دیانند کس جون میں جانیکے لائق تھا - اواگون کی باطل پرستی کو ایک لاجواب طریقہ پر بیخ و بن سے اُڑا کر روح کی آئندہ زندگی کے بارے میں جو واقعات دیئے گئے ہیں وہ قابل مطالعہ ہیں - قیمت ۸ر

۶- **خالصہ دھرم اور گورو گوبند سنگھ** - اس نادر کتاب میں تواریخی حوالوں اور گرنتھ صاحب کے وچنوں سے اُن تمام ناپاک کوششوں کو مٹی میں ملا دیا گیا ہے جو کہ دیانندیوں یا دیگر لوگوں کی طرف سے سکھوں کو ہندو اور اُن کے گوروؤں کو ویدوں کا پیرو اور مسلمانوں کا دشمن ثابت کرنے کے لئے کیجاتی ہیں - اس کتاب نے سکھوں اور مسلمانوں کے ایک بڑے حصہ پر بہت ہی عمدہ اثر ڈالا ہے - قیمت فی جلد ۶ر

۷- **نیوگ اور سوامی دیانند** - اس میں ویدوں - مہابھارت اور دیگر مستند کتب کے حوالوں سے نیوگ پر مفصل بحث کرتے ہوئے یہ دکھایا گیا ہے کہ سوامی دیانند نے نیوگ کی تعلیم کیوں دی - قیمت ۸ر

۸- **آریہ سماج اور سوامی دیانند** - آریہ سماج کی اندرونی تصویر - قیمت فی جلد ۸ر

۹- **گیان پرکاش** - اس کتاب میں ایڈیٹر اندر کے نیوگ کرنے اور ایک برہمن لیڈی سے شادی کرنے کی داستان درج ہے - قیمت فی جلد ۴ر

ملنے کا پتہ :- **منیجر "المسلم" - لودیانہ**

سول اینڈ ملٹری آرگن پریس لودیانہ میں بابو محمد شاہ دین کے اہتمام سے غازی محمود دھرم پال کے لئے چھپا اور شائع